تاریخ یوسفی

المعروف بہ

عجائباتِ فرنگ

یوسف خان کمبل پوش

تحقیق و تدوین

ڈاکٹر مظہر احمد

002
www.taemeernews.com

تاریخِ یوسفی

المعروف بہ

عجائباتِ فرنگ

یوسف خاں کمبل پوش

تحقیق وتدوین

ڈاکٹر مظہر احمد

003 www.taemeernews.com

نام کتاب : تاریخِ یوسفی المعروف بہ عجائباتِ فرنگ

مصنف : یوسف خاں کمبل پوش

تحقیق وتدوین : ڈاکٹر مظہر احمد

مطبع : نیو انڈیا آفسیٹ پریس، دہلی۔

Tareekh-e-Yousufi (Ajaibaat-e-Firang)

by

Yousuf Khan Kambal Posh

Edited by

Dr. Mazhar Ahmed

Associate Professor, Zakir Husain Post Graduate Evening College
Delhi University, New Delhi-110002

ISBN: 978-93-80934-55-6

All Copyrights are reserved to the Editor.

dition :2012

rice: **Rs. 400/-**

brary Edition: 575/-

Printed & Published by

M. R. PUBLICATIONS

Printers, Publishers, Book Sellers & Distributors of Literary Books

10 Metropole Market, 2724-25 First Floor
Kucha Chelan, Daryaganj, New Delhi-110002

Cell: 9810784549, 9873156910

E-mail: abdus26@hotmail.com

www.taemeernews.com

فہرست

1	نقشہ	5
2	تاریخ وار سیاحت نامہ	6
3	عجائباتِ فرنگ (متن)	7
4	تعارف مرتب (ڈاکٹر مظہر احمد)	181
5	مقدمہ	182
6	فارسی اشعار اور مصرعے	228
7	ضمیمہ - 1 (بابت مذہبِ سلیمانی از تحسین فراقی)	232
8	ضمیمہ - 2 (بابت مذہبِ سلیمانی از اکرام چغتائی)	246
9	حواشی	253
10	فرہنگ	286

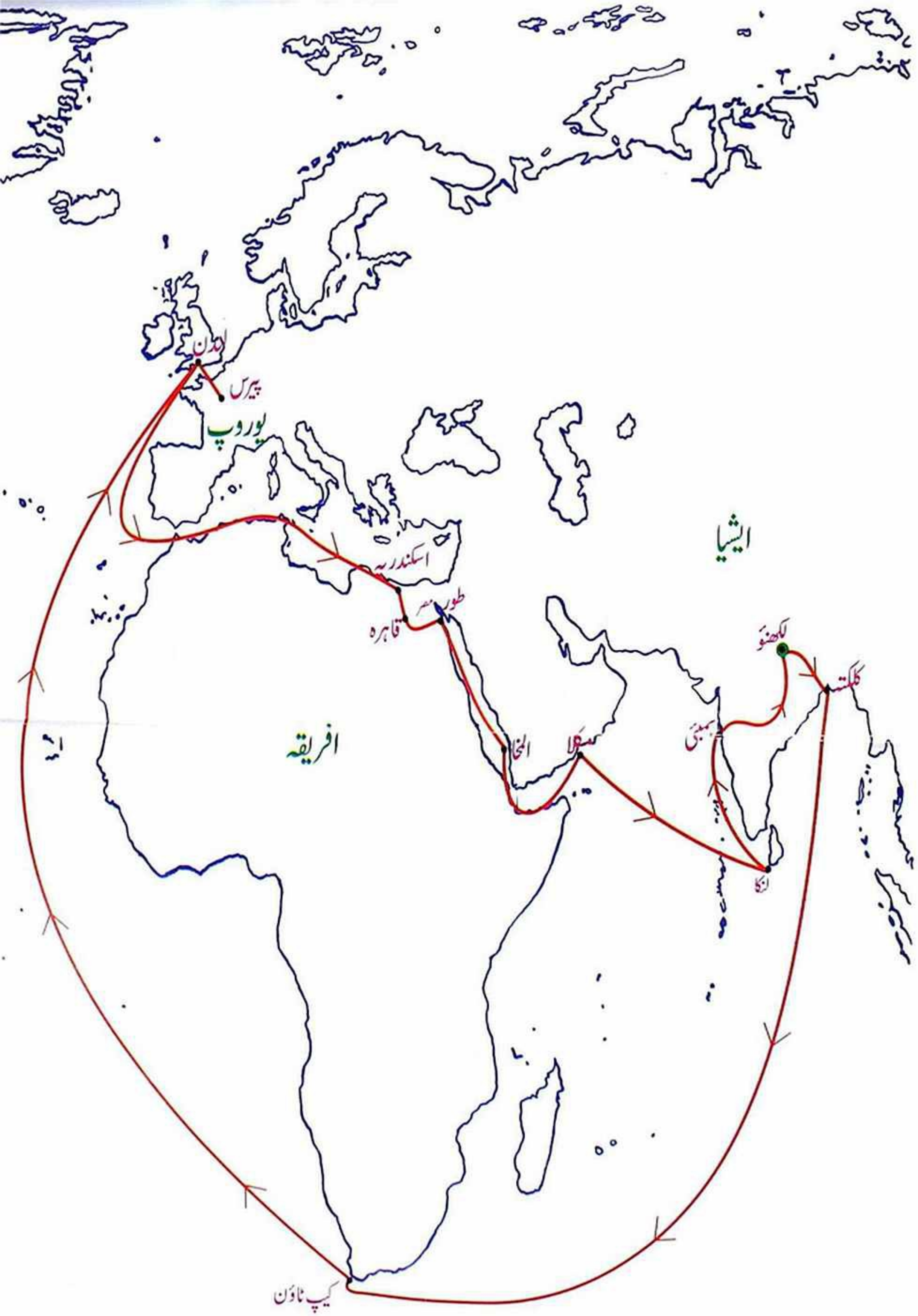

نقشہ بابت سفرنامۂ تاریخ یوسفی المعروف بہ عجائبات فرنگ از یوسف خاں کمبل پوش

006 www.taemeernews.com

سیاحت نامہ یوسف خاں کمبل پوش
(تاریخ وار)

۱۸۳۷ء

۳۰ر مارچ--روانگی برائے انگلستان

۳۱ر مارچ--آمد کھجڑہ

۳ر اپریل--جہاز کا سمندر میں پہنچنا

۴ر اپریل--کچھوؤں کا شکار

۷ر مئی--سمندری طوفان

۹ر مئی--طوفان کی شدت میں کمی

۱۰ر مئی--دوبارہ سمندری طوفان

۱۱ر مئی--سمندری طوفان کا ختم ہونا

۳ر جون--بوم شوم کا ظاہر ہونا

۸ر جون--جزیرۂ کیپ

۱۷ر جون--جزیرۂ سمین بیہ میں آمد

۱۸ر جون--جنگی جہاز کا دیکھنا

۲۳ر جون--سمین بیہ سے جہاز کی روانگی

۱۱ر جولائی--بونا پارٹ کی قبر (پہاڑ پر)

۱۷ر جولائی--اسنشن پہاڑ پر پہنچنا

۳۱ر اگست--لندن سے ڈیڑھ سو کوس دور

پہنچنا، ناؤ پر سواری

یکم ستمبر--لندن پہنچنا

۲۱ر ستمبر--بوچر صاحب کے مکان پر جانا

۲۲ر ستمبر--ووکس ہال باغ کی سیر

۲۳ر ستمبر--گرانٹ کا خط اس کی بہنوں کو پہنچانا

۲۷ر ستمبر--دریا کی سیر

۲۸ر ستمبر--کتاب خانہ شاہ لندن

۳۰ر ستمبر--ڈابہ رام جانا

یکم اکتوبر--ناچ گھر

۲ر اکتوبر--بارلے صاحب کی دعوت

۳ر اکتوبر--عجائبات خطہ یونان

۸ر اکتوبر--ٹیٹرز ہال

۱۱ر نومبر--کلڈال

۱۳ر نومبر--مادام تساؤ

۲۲ر نومبر--دیب صاحب کی ضیافت

۲۳ر نومبر--پاگل خانہ کا دورہ

۲۶ر نومبر--روانگی برائے فرانس

007
www.taemeernews.com

ستائش بے نہایت اس خدا کو لائق ہے کہ یوسفِ کنعانی کو حاکم مصر کا بنایا اور یوسفِ سلیمانی کو بیچ ملک انگلستان کے پہونچایا۔ انسان ضعیف البیان کو مرتبۂ شرافت عطا فرمایا اور ساتھ عنایت کرنے گویائی زبان کے سب حیوانوں پر ممتاز کیا۔ اگر ہر سرِ مُو بدن کا زبان ہو جاوے، بیان حمد او سکے کا ہرگز نہ امکان ہو۔ فرد:

وہ الحق کہ ایسا ہی معبود ہے
قلم جو لکھے اس سے افزود ہے(۱)

بہر حال یہی بہتر ہے کہ گلستانِ سخن کو پھولوں نعت سے زیب و زینت دوں گو نا گوں توصیف اس رسول کو زیبا ہے کہ گمراہوں کو کوچۂ ضلالت کے تئیں شاہراہِ ہدایت پر لایا اور نور رہنمائی اپنے سے جمال شاہد مقصود عرفان و وحدانیت کا دکھایا۔ فرد:

نبی کون یعنی رسولِ کریم
نبوت کے دریا کا درِ یتیم(۲)

ازانجا کہ مدح بادشاہِ زمان مرکوز خاطر ناتواں ہے۔ یہاں سے باگ سمندِ قلم کی اس کی طرف پھیرتا ہوں۔ سبحان اللہ عجب شاہنشاہ ہے کہ سبب عدالت اس کے سے شیر و بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں۔ رعایا سایۂ عنایت اس کی میں روز و شب بہ آسائش بسر کرتی ہے۔ چور نے شہر میں پاسبانی اختیار کی، شیر نے بیشہ میں پیشۂ شبانی۔ گلِ عشرت آبیاری عدل اس کے سے سیراب۔ خارِ عسرت چمن پیرائی رافت اس کی سے نایاب۔ سخاوت اس

008
www.taemeernews.com

کی سے ابرِ گہر بار شرمسار۔ مناسبت اس کی سے حاتم طائی کو افتخار، مطلع مجد و اعتلاء کوین وکٹوریا(۱) فرماں روائے انگلستان تاج بخشِ شاہانِ جہاں۔ خلد اللہ سلطنتہا الیٰ نہایت الزماں، بعد حمد و نعت کے کہتا ہے امیدوارِ رحمت پروردگارِ خطا پوش، عذر نیوش، یوسف خاں کمل پوش کہ اس عاجز نے اکثر اوقات اپنی سیر ملکوں میں بسر کی اور کیفیت عجائبات زمانہ کی اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ اکثر دوستوں پر رودادِ سفر عیاں کیا۔ انہوں نے نہایت محظوظ اور مشتاق ہو کر مجھ کو آمادۂ تالیف و بیان کیا۔ ناچار بپاسِ خاطر ان کے فقیر نے جو کچھ سفر میں دیکھا بھالا تھا، اس رسالہ میں مفصّل لکھا۔ اس کے دیکھنے والوں سے اُمید وار ہوں کہ بمقتضائے بشریت اگر کہیں کچھ بھول جاؤں تو اپنی عنایت سے معاف کریں اور اس عاصی پُر معاصی پر عتاب نہ فرمائیں، اسلئے کہ انسان بھول چوک سے خالی نہیں اور خاکی کو رتبۂ عالی نہیں۔ فرد:

قاریا بر من مکن چندیں عتاب
گر خطائی رفتہ باشد در کتاب

چونکہ اس کتاب میں سب حال اپنا گزرا بیان تھا۔ نام اس کا تاریخِ یوسفی رکھا۔ الا ہتمام منّی والاتمام من اللہ تعالےٰ۔ آغاز حال مؤلف: یہ فقیر بیچ سن اٹھارہ سو اٹھائیس عیسوی (۱۸۲۸ء) مطابق سن بارہ سو چوالیس ہجری کے حیدر آباد وطن خاص اپنے کو چھوڑ کر عظیم آباد وڈھاکہ، مچھلی بندر، مندراج، گورکھپور، نیپال، اکبر آباد، شاہجہاں آباد وغیرہ دیکھتا ہوا بیت السلطنت لکھنؤ میں پہونچا۔ یہاں بمدد گاری نصیبے اور یاوری کپتان ممتاز خاں منکنس صاحب بہادر کی ملازمت نصیر الدین حیدر بادشاہ(۲) سے عزّت پانے والا ہوا۔ شاہ سلیمان جاہ نے ایسی عنایت اور خاوندی میرے حال پُر اختلال پر مبذول فرمائی کہ ہرگز نہیں تابِ بیان اور یارائے گویائی۔ رسالۂ خاص سلیمانی میں عہدہ جماعہ داری کا دیا۔ بعد چند روز کے

009
www.taemeernews.com

صوبہ داری اسی رسالے کی دے کر در ماہہ بڑھایا، بندہ چین سے زندگی بسر کرتا اور شکرانہ منعم حقیقی کا بجا لاتا۔ ناگہاں شوق تحصیلِ علمِ انگریزی کا دامنگیر حال ہوا۔ بہت محنت کر کے تھوڑے دنوں میں اسے حاصل کیا بعد اس کے بیشتر کتابوں تواریخ کی سیر کرتا۔ دیکھنے حال شہروں اور راہ ورسم ملکوں سے محظوظ ہوتا۔ اک بارگی سن اٹھارہ سو چھتیس عیسوی (۱۸۳۶ء) میں دل میرا طلبگارِ سیاحی جہاں خصوص ملک انگلستان کا ہوا۔ شاہ سلیمان جاہ سے اظہار کر کے رخصت دو برس کی مانگی۔ شاہِ گردوں بارگاہ نے بصد عنایت وانعام اجازت دی۔ عاجز تسلیمات بجا لایا اور راہی منزلِ مقصود کا ہوا۔ تھوڑے دنوں بعد دار الامارۃ کلکتہ میں پہونچا۔ پانچ چھ مہینے وہاں کی سیر کرتا رہا۔ بعد ازاں جمعرات کے دن تیسویں تاریخ مارچ کے مہینے سن اٹھارہ سو سینتیس عیسوی (۱۸۳۷ء) میں جہاز پر سوار ہو کر بیت السلطنت انگلستان کو چلا۔ نام جہاز کا ازابیلہ۔ کپتان اس کا ڈبیڈ بران صاحب مع اپنی بی بی کے تھا۔ جہاز وزن میں چھ سو ٹن کا کنارے گنگا پر آ لگا تھا۔ یہاں سے دریائے شور(۱) پہونچنے تک اس کی اعانت کو دھویں کا جہاز مقرر ہوا۔ تھوڑے دنوں میں اپنے زور سے ہمارے جہاز ازابیلہ کو گنگا سے کھینچ کر سمندر میں لے گیا، وہاں سے جہاز ہمارا چل نکلا۔ دونوں طرف گنگا کے کنارے سبزۂ آبدار لہلہا رہا تھا جا بجا مکان صاحبان انگریز کا بنا ہوا نادر اور زیبا۔ جہازِ رواں کا عجب سماں تھا۔ بیان میں نہیں سماتا۔ اس سبزے کو دیکھ کر دل میرا ملول ہوا کہ دیکھیے پھر یہاں آنا ہو یا نہیں۔ جمعہ کے دن اکیسویں تاریخ مارچ کے کھجڑے میں پہونچ کر جہاز ٹھہرا۔ جب آدھی رات کا وقت ہوا۔ طوفان شدید آیا۔ سبھوں کا دل گھبرایا اور جہاز ڈگمگایا، مگر قدرتِ الٰہی سے زنجیر لنگر کی نہ ٹوٹی۔ روح کسی ذی حیات کی قفس بدن سے نہ چھوٹی۔

مصرع:

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گزشت

010
www.taemeernews.com

خدا خدا کر کے تیسری اپریل کو جہاز ہمارا دریائے گنگ سے سمندر میں پہونچا۔ ہوا موافق کا بہنا شروع ہوا۔ کپتان صاحب نے بادبانوں کو کھول دیا۔ جہاز تیر کی طرح چلا۔ ننکو خدمت گار میرا تیز روی جہاز سے ڈر کر کہنے لگا۔ کپتان صاحب بادبانوں کو باندھیں نہیں تو جہاز اُلٹ جاوے گا۔ میں نے کہنا اس کا کچھ نہ سنا۔ ہراساں ہو کر جہاز میں بیٹھ گیا اور کہتا تھا کہ میں عبث اپنے تئیں یہاں لایا اگر نہ آتا یہ مصیبتیں کیوں اُٹھاتا۔ کپتان صاحب ہم سب لوگوں پر اتنی مہربانی فرماتے تھے کہ تکلیف اور مصائب جہاز کے کچھ نہ ہونے پاتے۔ ہر طرح کے کھانے، پینے، میوے، دودھ، گوشت، شراب شام پین وغیرہ موجود تھے۔ عنایت کپتان صاحب سے ابواب تکلیف ہر صورت سے مسدود تھے۔ اتوار اور جمعرات کو موافق رسمِ مقرر انگریزوں ہر قسم کے کھانے اور مٹھائی زیادہ پکتے۔ ہر ایک کے کھانے میں آتے۔ غرضکہ ہر نہج سے آسائش تھی۔ گھر میں یہ بات میسر نہیں آتی۔

منگل کے دن چوتھی تاریخ ہوا بند تھی ایک عجیب تماشا اور کیفیت نظر آئی۔ ہزاروں کچھوے تیرتے ہوئے پانی پر پھرتے۔ کپتان صاحب نے جہازیوں کو حکم دیا کہ کشتی پر سوار ہو کر ان کا شکار کرو۔ جہازیوں نے بموجب حکم ان کے ناؤ پر سوار ہو کر، کانٹوں آہنی سے کچھوؤں کو زخمی کیا، بعد اس کے جیسے کوئی جنگل سے نبوا کنڈے چُنتا ہے۔ اُن کو پانی سے اُٹھا کر کشتی پر رکھا۔ اسی طرح دو تین گھڑی خوب شکار کیا۔ اتنے عرصے میں دو دو من کے چوبیس عدد کچھوؤں کو پکڑا۔ ایک امر عجیب دیکھا کہ ہر ایک کی گردن میں نیچے ایک چھوٹی مچھلی جونک کی طرح چمٹی تھی۔ کپتان صاحب نے ہڈی چمڑے سے گوشت اُن کا صاف کروا کر لوگوں کو بانٹ دیا۔ مجھے اس گوشت سے نفرت اور کراہت آئی۔ ہر چند کپتان صاحب نے اصرار کیا، پر میں نے نہ کھایا اور لوگوں نے دو تین دن تک کباب اور شوربا اس کا بڑے مزے سے کھایا۔ یہ طرفہ ماجرا تھا کہ جس روز ہوا کا چلنا موقوف ہوتا، غول کچھوؤں کا خوابِ غفلت

011
www.taemeernews.com

میں آکر بیبا کانہ پانی کے اوپر آتا۔ اُس وقت جس کا جی چاہتا آسانی سے ان کو پکڑ لیتا۔

جہاز رواں تھا۔ ساتویں تاریخ مئی کے بڑا طوفان آیا۔ پانی ایسے زور سے اُچھلتا کہ لب جہاز تک آتا۔ آخر صدمے اس کے سے دونوں کنارے جہاز کے ٹوٹے۔ گیارہ بٹیریں اور کئی مرغیاں اور بطخیں اور کتنے اسباب پانی میں ڈوبے۔ سب آدمی اپنی زندگی سے مایوس ہوکر روتے اور خداوند تعالیٰ کی درگاہ میں عجز و نیاز کرتے۔ نویں تاریخ کچھ کم ہوا۔ کپتان صاحب نے بادبانوں کو کھولا۔ دسویں تاریخ اس سے زیادہ آیا۔ پھر یرا بادبانوں کا شدت ہوا سے ٹکڑے ٹکڑے ہوکر پانی میں گرا اور مستول جہاز کا ٹوٹ گیا۔ ایک میز جہاز میں جڑا تھا۔ صدمے ہوا سے جڑ سے اکھڑ کر پانی میں ڈوبا۔ جہاز کے دونوں طرف سے آئینہ ساں قریب سر ہمارے کے اچھلتا مگر فضلِ الٰہی نے ہم کو اس صدمے سے بچایا۔ سب لوگ بہت گھبرائے اور اس سانحہ سے سخت حیران ہوئے کہ اے خدا سوائے تیرے ہمارا کوئی مددگار نہیں اور ہم میں سے کوئی اپنے بچانے کا مختار نہیں۔ حق تعالیٰ نے اپنی عنایت سے گیارہویں تاریخ اس طوفان کو دور کیا۔ خسروِ خاور نے تختِ زریں فلک پر جلوۂ نور دکھلایا۔ دھوپ نکلنے سے میں ایسا مسرور ہوا کہ بیان اس کے سے زبان معذور۔ جیسے عاشقِ مہجور طالب دیدار معشوق کا ہو، ویسے جہاز والے کمالِ شوق سے دھوپ کو دیکھتے ہر سو۔ آخر بہ تائید الٰہی جہاز ان بلاؤں سے نجات پا کر روانہ ہوا۔

تیسری تاریخ جون کی ہفتہ کے دن دوپہر کو ایک بوم شوم بلندی ہوا سے جہاز کی طرف جھکا آکر۔ جس کوٹھری میں ہم سبھوں کا کھانا رکھا تھا، اس کی چھت پر آ بیٹھا۔ کپتان صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ یہ کیا نشان ہے میں نے کہا خوب نہیں، ابھی ایک بلا سے نجات پائی ہے ایسا نہ ہو پھر کوئی اور سانحہ پیش آئے۔ خرابی میں پھنسائے۔

آٹھویں تاریخ جمعرات کو دوپہر کے بعد زمین جزیرۂ کیپ (۱) کی نمایاں ہوئی۔ مگر بہ

012
www.taemeernews.com

سبب ناسازیٔ ہوا کے جہاز کے پہونچنے میں دیر بیکراں ہوئی۔ سترہویں تاریخ جہاز ہمارا جزیرۂ سیمن بیہ(ا) میں پہونچا۔ عجب شہر طراوت افزا تھا کہ ہر طرف اس کے پہاڑ بلند، سبزۂ رنگارنگ سے سبز رنگ تھے۔ غیرت دہ کارنامۂ ارزنگ تھے۔ آب وہوا وہاں کی ایسی معتدل اور لطیف تھی کہ ہر لحظہ بدن کو صحت، دل کو راحت آتی۔ ہر چند ابتدا میں ان پہاڑوں کو دیکھنے سے وحشت ہوئی۔ مگر فی الواقعی روح نے اس سے تازگی پائی۔ وہ حال خواب وخیال معلوم ہوتا اس لیے کہ ایسا شہر آباد کبھی نہ دیکھا تھا۔ اس شہر کے دیکھنے سے میں ایسا مسرور ہوا کہ کبھی دل سے نہیں بھولتا۔ اس واسطے کہ متواتر دو تین مہینے سے، سوا دریا کے شکل زمین نہ دیکھی تھی۔ وہاں پہونچ کر دوستوں کو یاد کر کے شراب پینے لگا۔ تماشاے قدرت صانع بیچوں کا ہوا۔ ایک جہاز تہلا یہ نام حفاظت کے واسطے مقرر تھا۔ پچاس ضرب توپ اور سامان لڑائی کا اُس پر تھا۔ جہاز جو اُدھر سے جاتے وہ لوگ ان سبھوں کا حال دریافت کرتے۔ اگر کوئی بیمار ہوتا اس جزیرے میں اُترنے نہ پاتا۔ جب جہاز ہمارا وہاں جا کر پہونچا۔ ڈاکٹر صاحب اور اور لوگوں نے ہمارے جہاز پر آ کر حال بیماروں اور تندرستوں کا پوچھا۔ افضالِ خداوندی سے کوئی بیمار نہ تھا۔ ڈاکٹر صاحب وغیرہ دیکھ بھال کر اپنے جہاز پر گئے۔

شام کے وقت ہم لوگ ناؤ پر سوار ہو کر سیمن بیہ میں اُتر گئے۔ وہاں کی خوبیاں اور بلندی مکانوں کی اور خوش اخلاقی آدمیوں کی دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ سرائے کلارنس میں شام تک اپنی صحبت اور جلسے میں بیٹھے رہے۔ جب رات ہوئی جہاز پر جانے کی نیت کی۔ ملّاح نے کہا، رات کو ناؤ نہیں کھلتی ہے۔ ہم نے دیکھا کوئی تدبیر بنتی نہیں ہے۔ لاچار دس روپیہ دے کر اس کو راضی کیا تب جا کر مانجھی نے ہم کو ناؤ پر چڑھا کر جہاز تک پہونچایا۔ آدمی وہاں کے سب حسین وجمیل پرلے سرے کے خوبصورت اور شکیل۔ خواب میں بھی ایسی صورتیں نہ دیکھی تھیں جو بیداری میں نظر آئیں۔

013
www.taemeernews.com

اٹھارھویں تاریخ افسران جہاز جنگی مجھ کو اپنے جہاز پر سیر دکھانے لے گیے ۔کام مضبوطی اور نفاست جہاز کی دکھائی۔ میں نے تو کبھی ایسا جہاز جنگی نہ دیکھا تھا۔ کاریگری اور خوبیاں اُس کی دیکھ کر حیران ہوا کہ یا اللہ اس کو آدمیوں نے بنایا ہے یا فرشتوں نے سانچے میں ڈھالا ہے۔ پچاس توپیں اس پر لگی تھیں اور بیس ضرب اٹھارہ پنی دائیں طرف اور بیس اٹھارہ پنی بائیں طرف۔ پانچ پانچ تینتیس پنی ادھر اُدھر کہ بے سلگائے پلیتے اور مہتاب کے سب چھوٹیں اور آئینہ کی طرح صاف صاف نظر آتیں۔ میگزین شیشے اور باروت کا ایسا مضبوط بنا کہ کبھی اس کو صدمہ آگ یا پانی کا نہ پہونچتا۔ بمقتضاے احتیاط ایک شیشہ گنداس کے اوپر کھڑا کیا۔ بجائے خود سدِ آہنی تھا۔ ہرگز آگ اور پانی کا اس پر اثر اور گذر نہ ہوتا۔ اُس جہاز پر تین سو پچاس آدمی مسلح بیٹھے تھے۔ ہر وقت مستعد رہتے۔ ایک کنارے سات حبشی پابہ زنجیر تھے۔ رنگ اُن کا ایسا کالا کہ اُس وقت اندھیرا معلوم ہوتا۔ بال ان کے ایسے پیچ دار کہ پیچ وتابِ زمانہ اُن سے شرم سار۔ اوپر کا ہونٹ نتھنوں تک پہونچا، نیچے کا ٹھوڑی تک لٹک آیا۔ میں اُن کو دیکھ کر جانور صحرائی سمجھا کہ جہازیوں نے سیر وتماشا کے لئے پالا۔ جب جہاز والوں سے پوچھا، معلوم ہوا کہ حبشی ہیں۔ اسپانیل (۱) حبشیوں کو پکڑ لاتے ہیں۔ لوگوں کے ہاتھ بیچ جاتے ہیں۔ صاحبانِ انگریز نے جہاز جنگی مقرر کیے کہ جب اسپانیل حبشیوں کو پکڑ لاویں۔ اُن کو مع سب اسباب کے اُن سے چھین لیویں۔ چنانچہ اِن کو ہم نے اُن سے چھین لیا۔ بہ سبب وحشت کے زنجیر میں قید کیا۔ جب ان کی وحشت کم ہوگی، کچھ آدمیت ان کو آوے گی، چھوڑ دیں گے۔ میں دیکھنے عجائبات اور خوش اخلاقی جہاز والوں سے بہت خوش ہوا اور رخصت ہو کر کنارے جزیرۂ کیپ کے آیا۔ تماشا عمارت وآبادی وہاں کا دیکھتا تھا کہ ایک مردِ ضعیف ہمارے پاس آیا۔ کمال مہربانی اور اخلاق کیا۔ مجھ کو اور بوچڑ صاحب اور ایک اور شخص کو اپنے گھر لے گیا۔ گھر اس کا اگرچہ چھوٹا تھا، مگر بہت خوب بنا تھا۔ ہم

014
www.taemeernews.com

سبھوں کی ضیافت چاے اور شراب انگوری وغیرہ کی کی اور دو لڑکیوں خوب صورت اپنی کو تکلیف انگریزی باجے بجانے کی دی۔ ان دونوں سے ایک کتخدا اور دوسری کنواری تھی۔ پر ہر ایک انگریزی باجوں کے بجانے میں کمال رکھتی۔ سننے اس کے سے روح کو راحت حاصل ہوئی، دل کو فرحت آئی۔ دو تین گھڑی بڑی کیفیت سے گذری۔ آخر اُس بڈھے اور پریوں سے ہم نے رخصت لی۔ حال اُس بڈھے کا دریافت کیا۔ ظاہر ہوا کہ وہ شخص کارِ نجاری میں یکتا تھا۔ جہازوں کو جوانی میں بناتا۔ اسی کام میں بہت روپے کمائے اور مکان خوب بنوائے۔ اب بہت دولت اور عزّت رکھتا ہے۔ عیش و نشاط سے زمانہ بسر کرتا ہے۔ اسی سبب سے بادشاہ جان کہلاتا ہے۔

وہاں سے ہم تینوں آدمیوں نے شریک ہو کر ایک گاڈی چھ گھوڑوں کی ساٹھ روپے کرائے پر ٹھہرائی۔ اُس پر سوار ہو کر واسطے سیر شہر کیپ کے چلے راہ میں قدرت خدا کی نظر آئی۔ بڑے بڑے پہاڑ ہیں۔ سبزہ ان پر بیحد و بیشمار، سبزہ رخسارے معشوقوں کا اُس کے سامنے شرمندہ۔ دیکھنے اُس کے سے خاطر شاد، دل زندہ ہوتا۔ درخت پھولوں کے جھونکے ہوا سے ہلتے۔ دل تماشائیوں کا اپنی طرف کھینچتے۔ دیکھنے روانی نہروں سے آنکھ میں ٹھنڈک آتی۔ صفائی پانی اس کے کی چشمۂ کوثر کی یاد دلاتی۔ بلبلیں درختوں پر بیٹھی چہچہاتیں۔ قمریاں سرو کے سایہ میں کوکو کا شور مچاتیں۔ ایسے ایسے طائر وہاں بیٹھے کہ طائرِ دل خود بخود جا پھنسے۔ قلم کو کیا طاقت کہ وصف وہاں کا لکھے۔ زبان کو کیا مجال کہ خوبیاں اس جا کی بیان کرے۔ صاحبانِ انگریز نے جا بجا مکان نفیس مع باغیں باغ بنوائے ہیں۔ روز و شب اس میں آسائش سے رہا کرتے تھے۔ راہ میں میں نے ان لوگوں کو دیکھا کہ کوئی بانسری بجاتا ہے، کوئی شراب پیے ہوئے پانی کی لہروں کی سیر دیکھتا ہے۔ ان باتوں کو دیکھ کر میرا دل لہرایا۔ کاشکے کوئی ایسا سبب ہوتا کہ میں بھی ساری عمر آرام سے یہاں رہتا اور زمانے سے سروکار نہ رکھتا۔ مگر کہاں ایسے نصیب کہ ہاتھ آتی یہ دولت عجیب۔ راہ میں

015
www.taemeernews.com

مسافر خانے بنے ہوئے تا کہ مسافر کو کوئی تکلیف نہ پہونچے۔ مچھلی، انڈے، مرغی، شراب سب وہاں موجود اور جو کچھ نہ چاہیے وہاں سے مفقود۔ عجب شہر ہے لڑکوں، کنواروں، خوبصورتوں کو دیکھا کہ اُستاد کے سامنے بڑے امتیاز سے بیٹھے پڑھ رہے ہیں۔ خرد و بزرگ سے حسب مراتب ادب سے پیش آتے ہیں۔ میں حیران ہوا کہ ہمارے وطن کے لڑکے اِس سن میں نشست و برخاست کی تمیز نہیں رکھتے ہیں۔ یہ کیا شے ہیں جو اس صغرسنی میں باوجود حسن و جمال کے دانائی میں بڈھوں سے سبقت لے گئے ہیں۔ پریاں کوچہ و بازار میں کھڑیاں، دل عاشقوں کا عوض ایک جھپکی آنکھ کے پھسلاتیاں۔

آدھی راہ میں ایک مسافر خانہ بہت خوب دیکھا، وہاں جا کر ہم سب بیٹھے راہ کی ماندگی سے ستائے۔ پک صاحب اُس سرا کا مالک تھا۔ بہت اخلاق سے پیش آیا اور اپنی بی بی سے کہا ان کے واسطے شراب بیر اور پنیر اور مچھلی وغیرہ لا۔ وہ بہت ہوشیار اور دانا تھی۔ ایک کشتی میں سب چیزوں کو خوبی سے جما کر لائی۔ بہت تکلّف سے ہر چیز کھلائی اور شراب پلائی۔ نہایت خوش ہو کر ایک ساعت ہم نے توقف کیا اور پک صاحب کو بطریقِ انعام کچھ دیا۔ اسی عرصہ میں ایک بھیڑ کا بچہ آیا۔ ہمارے پانوں پر منھ اپنا رگڑتا اور زبان سے بدن ہمارا چاٹتا۔ جب تھوڑی شراب بیر اُس کو پلائی، نشے میں آ کر اس نے آرام پائی، کنارے جا بیٹھا۔ معلوم ہوا اسی واسطے منھ رگڑتا تھا۔ ہر مسافر کو چاہیے کہ وہاں جا کر شراب بیر پیے اور کیفیت اس کی معلوم کرے۔

وہاں سے روانہ ہو کر قریب شام کیپ میں پہونچ کر جارج کی سرا میں مقام کیا۔ عجب سرا تھی کہ ہمارے شہر میں مکان بادشاہ کا بھی ایسا عالی شان نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ وہاں ایسی عمارت کا دیکھنا خواب میں بھی نہیں میسّر آتا ہے۔ جھاڑ فانوس اُس کی چھتوں سے لٹکتے، جیسے ستارے آسمان پر چمکتے۔ صحن ایسا وسیع تھا اگر لشکر اُس میں آتا، ایک کونے میں سما جاتا۔ ہم

016
www.taemeernews.com

لوگ وہاں جا کر دلجمعی سے بیٹھے، صحبت اور جلسے گرم ہوئے۔ نکلسن صاحب کپتان پلٹن اٹھائیسویں انگریزی کے رخصت لے کر وہاں آئے تھے۔ آدمی ان کا ہمارے پاس پیغام لایا، اگر اجازت ہو ہم تمہاری ملاقات کو آویں۔ ہم نے کہلا بھیجا۔ ہم لوگ مشتاقِ ملازمت ہیں آپ تشریف لائیں، عنایت فرمائیں۔ رات کو کپتان صاحب آئے اور حرفِ دوستانہ زبان پر لائے۔ بعد صحبتِ تمکین اور کلامِ شیریں کے نوبت شراب کباب کی آئی۔ کپتان صاحب نے شراب پی کر اور بہت خوش ہو کر خوب نغمہ سرائی کی۔ مجھ سے ٹوپی بدل کر رشتۂ برادری کو مضبوطی دی۔ ہم سبھوں نے رات خوشی سے بسر کی۔ جب تھوڑی رات رہی، ہم سوئے۔ کپتان صاحب اپنے مقام پر گئے۔

سوا پہر دن چڑھے آنکھ کھلی، حاضری کھائی۔ بعد اس کے سب مل کر کیپ کی سیر کو چلے۔ وہاں تین قلعے دیکھے قوم ڈچ (۱) کے بنائے ہوئے تھے۔ دو قلعے بسبب بے مرمتی اور گذرنے مدتِ دراز کے ڈہے گئے۔ مگر ایک ان میں سے بہت مضبوط اور بلند۔ قریب اُس کے چھاؤنی گوروں کی قابل دیکھنے کے تھی۔ جاتے جاتے بازار میں پہونچے، دیکھا کہ بازار مختصر بہت اچھا تھا۔ دو طرفہ گوشت فربہ دُنبے اور گائے کا لٹکا۔ کنجڑنیاں دونوں طرف بیٹھی ترکاریاں بیچتیں۔ خریداروں کو اشارے آنکھ سے اپنی طرف مائل کرتیں۔ دوسری طرف اور بازار میں جا کر دیکھا کہ حبشنیں بدشکل مچھلیاں بیچ رہی ہیں۔ عجب رنڈیاں چوتڑ اُن کے پہاڑ سے موٹے، بال پیچ دار، منہ کالے۔ پتلی آنکھ کی اُن کے دیکھنے سے زبان قلم کی ان کی سیاہی لکھنے سے کالی ہوئی۔ دیکھ کر ان کو میں ڈرا کہ کیوں ان چڑیلوں میں آ پھنسا، لاچار وہاں سے بھاگا اور میوزیم میں آیا۔

میوزیم اُس مقام کو کہتے ہیں کہ انگریزوں نے عجائبات وہاں رکھے ہیں۔ چنانچہ ہر طرح کے ہتھیار وحشیوں کے اور جنگلی آدمیوں کے رکھے۔ مردہ جانور روغن ملے ہوئے

017
www.taemeernews.com

کھڑے۔ عجب روغن تھا کہ اس کے ملنے سے جسم جانوروں مردوں کا نہ سڑا بلکہ مردہ زندہ معلوم ہوتا۔ ایک کھال دو چند کھال ہاتی سے نظر آئی۔ اس کو دیکھ مجھ کو حیرت چھائی۔ حال اس کا وہاں کے اہتمامی سے پوچھا، جواب معقول نہ دے سکا۔ ثابت ہوا کہ وہ خود کیفیت اُس کی نہ جانتا تھا اور لیاقت اہتمام اس مکان کی نہ رکھتا۔ وہاں سے باہر نکل کر مکان گورنر جنرل صاحب بہادر کا بہت خوش قطع بنا دیکھا۔ دیکھا چشمہ پہاڑ سے نیچے اس کے بہتا۔ سوا اس چشمہ کے وہاں پانی نہ ملتا۔ اس واسطے کہ اُس جزیرہ میں کنواں نہ تھا۔ ہر کوئی پانی اسی کا پیتا۔ نہایت شیریں اور ہاضم طعام تھا۔ رنڈیاں وہاں کی خوبصورت، خوش منظر، زیبا طلعت، رنگت میں بہت گوری نہ کالی۔ اس لیے کہ باپ انگریز اور ماں باہر والی۔ ایک قوم ملائی (۱) وہاں مسلمان ہیں۔ شراب نہیں پیتے ہیں۔ مزاج میں غصہ بہت رکھتے ہیں۔ عورتیں اُن کی پتے کے لیے ایک کپڑا سر پر لپیٹے رہتی ہیں۔ عفیفہ اور پارسا معلوم ہوتی ہیں۔ ملائی جس کے نوکر ہوتے ہیں خوب اطاعت اس کی کرتے ہیں۔ ایک مسجد اپنی عبادت کے لیے بنا کر ایک موذّن اُس میں مقرّر کیا ہے۔ ہر چند کوئی ان میں سے علم دین کا نہیں پڑھا ہے، پر اپنے طریقہ پر استحکام رکھتے ہیں۔ شادی بیاہ سوا اپنے ہم جنسوں کے کسو سے نہیں کرتے ہیں۔ سوا اُن کے قومِ حبشی (۲) بھی وہاں رہتے ہیں۔ قمار بازی اور شراب نوشی میں پھنس کر کارِ آقا سے باز رہتے ہیں۔ جب تنخواہ پاتے ہیں امورِ بیجا میں اُڑاتے ہیں۔ ہرگز آدمیت کا نام ونشان نہیں جانتے ہیں۔ راہیں بازار کی صاف نہیں۔ گاڈی اور بگھیاں ایک گھوڑے سے چھ گھوڑے تک کرائے پر ہاتھ آتیں۔ مقابل اس جزیرہ کے سمندر ہے۔ جس کا جی چاہے، ناؤ پر سوار ہو کر جہاز اور دریا کی سیر کو جاوے۔ بندہ گھوڑے پر بوچڑ صاحب گاڈی پر سوار ہو کر چلے جاتے تھے، ناگاہ ایک معشوقہ چودہ برس کی دیکھی۔ ایک دوکان میں بیٹھی پری صورت، حور سیرت چاند اُس کو دیکھ کر شرمائے، سورج اُسی کے فراق میں دن بھر چکّر کھائے۔ عجب

018
www.taemeernews.com

حسن و جمال بے مثال کہ بیان اس کا امرِ محال۔ گورے گورے گال، ہونٹھ لعل لعل، دانتوں میں چمک، کمر میں لچک، شیریں ادا، دل ربا۔ ابھری اس کی چھاتیاں۔ دل عاشقوں کا پھسلاتیاں۔ فرد:

برس پندرہ یا کہ چودہ کا سن
جوانی کا عالم تماشے کے دن(۱)

میں اس کے دیکھتے ہی بے ہوش ہو گیا اور نشۂ بادۂ وصال اس کے سے مدہوش ہوا، پھر اپنے تئیں سنبھالا اور کنسطانسیا(۲) یعنی انگورستان میں گیا۔ وہاں شراب عمدہ کھینچی جاتی ہے۔ ہر کسی کی طبیعت اس کے دیکھنے کو للچاتی ہے۔ وہاں کے مالک نے بہت اخلاق سے ملاقات کی اور شراب انگوری ہم کو پلائی۔ عجب ذائقہ کی تھی کہ کبھی دل سے نہیں بھولتی۔ ایک شخص قوم ملائی سے میرا نوکر تھا اس نے مجھ سے کہا تم مذہب مسلمانی رکھتے ہو شراب کیوں پیتے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ حضرت پیغمبرؐ نے شیرۂ انگور کو منع نہیں کیا۔ اس بات سے صاحب خانہ خوش ہو کر ہنسا جس جگہ اپنے معشوق ساتھ شراب پیتا تھا، لے گیا۔ عجب جگہ کہ ایک پیپل کے سے درخت پر لکڑیوں کی پاڑھ باندھ کر گھاس پھوس کا مکان بنایا تھا۔ نیچے اُس کے ہر چہار طرف چشمہ بہتا۔ آب و ہوا وہاں کی دل کو بھائی۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر شراب پی۔ بوچڑ صاحب نے ایک پیپا شراب خریدی۔

پھر اُس سے رخصت ہو کر سرائے جارج میں آئے۔ راہ میں ایک گاڈی دیکھی۔ اٹھارہ بیل سیاہ رنگ اُس کو کھینچتے۔ ایک شخص اکیلا اُن سب کو ہانکتا۔ میں اُس کو دیکھ کر متحیر ہوا۔ کپتان براون صاحب بھی کسی کام کو آئے تھے، راہ میں ملے۔ ہم وہ باہم چلے۔ پک صاحب کی سرا میں آ کر ٹھہرے۔ وہاں سے ایک گاڈی کرایہ کر کے کپتان صاحب کے ساتھ اُس پر سوار ہو کر سیمن بیہ کو راہی ہوئے۔ راہ میں ایک گانوں دیکھا۔ وہاں کے لوگوں

019
www.taemeernews.com

نے اویل (۱) پر مدارِ معاش ٹھہرایا۔ اویل ایک مچھلی کا نام ہے ہاتھی سے چار چند اُس کا اندام ہے۔ وہ لوگ اس کو پکڑتے ہیں ہڈی اور چربی اُس کی بیچتے ہیں۔ چنانچہ وہاں کے سب مکان اُس کی استخواں سے پٹے تھے بلکہ دروازے اور شہتیر اُسی کے بنے تھے۔ ایک ہڈی میں نے دیکھی بیس ہاتھ لنبی تھی۔ یہ سیر و تماشے دیکھتے، سیمن بیہ میں پہونچے۔

تیئسویں تاریخ جون کی جہاز پر سوار ہو کر لندن چلے۔ جابجا پہاڑ دریائی پانی میں چھپے تھے۔ جہازوں کے ٹکڑے ٹوٹتے۔ اس خیال سے باوصف ناموافقت ہوا اور برسنے مینہ کے کپتان صاحب نے ٹھہرانا جہاز کا مناسب نہ جان کر بڑی اُستادی سے جہاز ہانکا۔ بسبب رطوبت مینہ اور مخالفت ہوا کے کپتان صاحب کو استسقا ہو گیا۔

گیارہویں تاریخ جولائی کو جہاز ہمارا قریب اُس پہاڑ کے پہونچا کہ قبر بونے پاٹ (۲) کی اُس پر تھی۔ ہر چہار طرف اُس کے سمندر۔ جہاز بسبب مخالفت ہوا کے وہاں رکا۔ مجھے بونے پاٹ کی قبر دیکھنے کا بڑا شوق تھا۔ باوجود ان موانع کے کپتان صاحب نے جہاز میں لنگر نہ ڈالا، آگے بڑھایا۔ اس سبب سے پہاڑ کے اوپر جانے کا اتفاق نہ ہوا، مگر جہاز سے صاف نظر آتا۔

جاتے جاتے سترھویں تاریخ اسنشن (۳) پہاڑ پر پہونچے۔ تین راتیں برابر عجب حالات دیکھے۔ پانی سمندر کا چمکتا نظر آتا۔ میں حیران تھا کہ اس کا سبب کیا کہ پانی آگ سا چمک رہا ہے۔ طرفہ اس پر یہ ہوا کہ ایک شعلۂ جوالہ آدھی رات کو جہاز کے مستول پر اوپر سے گرا۔ کپتان صاحب سے حال چمکنے پانی کا پوچھا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ایک قسم کے کیڑے ہیں جب وہ پانی کے اوپر آتے ہیں پانی کا یہ حال ہوتا ہے کہ شعلہ ساں چمکتا ہے۔ میرے یقین کے لیے ایک برتن میں پانی بھر لیا۔ میں نے دوربین سے بغور اُس میں دیکھا۔ ننھے ننھے کیڑے نظر آئے۔ وہی باعث چمک پانی کے تھے۔ یہ حال دیکھتے بھالتے مصیبتوں

020
www.taemeernews.com

سے بچتے بچاتے اکتیسویں تاریخ اگست کی ۱۸۲۷ء (۱) میں قریب ولایت انگلستان کے پہونچے۔ ولایت لندن وہاں سے ڈیڑھ سو کوس باقی رہا۔ بندہ شکر خدا کا بجا لایا اور کپتان صاحب سے کہہ کر ایک ناؤ سواری کے لئے بلوائی۔ اس میں دو ملاح اور ایک کپتان تھا۔ کشتی تو چھوٹی تھی مگر بہت مضبوط اور خوب بنی۔ باورچی خانہ آہنی اس میں خوش اسلوب۔ نہایت مرغوب۔ جب وہ ہمارے پاس آئی چالیس روپے کرائے پر ٹھہرائی۔ کپتان صاحب سے رخصت ہو کر جہاز از ابیلہ سے اُترے۔ بوچڑ صاحب کے ساتھ اس ناؤ پر سوار ہو کر چلے۔ آب و ہوا وہاں کی دل کو بھائی۔ روح کو اُس سے تازگی آئی۔

شام کے وقت ایک گانوں میں پہونچ کر سیر کی۔ ایک مکان دیکھا کہ اُس میں بہت مرد اور رنڈیاں جمع ہیں۔ دیکھتے ہی انہوں نے مجھ کو گھیر لیا اور تُرک تُرک کہہ کر پکارا۔ شراب سیب کی وہاں بنتی تھی مجھ کو لا کر پلائی۔ تھوڑی سی پی۔ بعینہٖ مزا تاڑی کا پایا۔ کچھ انعام دے کر رخصت ہوا۔ آگے بڑھا ایک پہاڑ دیکھا۔ لوہے کی کان اس میں تھی، خوب سیر کی۔ پھر ایک چھوٹی ناؤ پر سوار ہو کر دریائی ڈاک منٹ (۲) کی سیر کو چلا۔ عجب دریا تھا کہ دونوں طرف اُس کے پہاڑ تھے۔ اس پر مکان نفیس بنے ہوئے۔ پریاں ناؤ پر سوار اپنے عاشقوں کے ساتھ شراب پیتیں۔ چڑیاں خوش الحان کنارے پر بولتیں پھول ہر قسم کے پھولے۔ دیکھنے ان کے سے غمِ دل بھولے۔ جس کے پاس روپیہ ہووے وہاں جا کر عیش و نشاط سے بسر کرے اُس سے بہتر کوئی مقام نہیں۔ بیت:

اگر فردوس بر روئے زمیں است
ہمیں ست و ہمیں ست و ہمیں ست

جدھر آنکھیں اٹھائیں، پریاں نظر آئیں۔ افسوس میں بادشاہ ہند کا نہ ہوا، نہیں تو ہر ایک پری کو ایک ملک بخش دیتا۔ دنیا مقام عجب ہے کہ مفلس کو کوئی نہیں پوچھتا ہے، ہر شخص

021
www.taemeernews.com

روپیہ ڈھونڈتا ہے۔

سیر کرتے ہوئے ایک شہر میں پہونچا وہاں ناؤ سے اُتر کر سرا میں گیا۔ اچھی سرا تھی کہ زبان اس کی توصیف سے عاجز ہوئی۔ ہر طرف شیشہ آلات اور آئینہ تصویر کے لٹکے۔ اوپر کمرے میں کرسیاں اور میز رکھے۔ سب کے سب صفائی سے آئینہ کی طرح چمکتے۔ فرش فروش زرینہ ہر مکان میں بچھے۔ مالک اُس سرا کا ایک انگریز بہت خوب آدمی تھا۔ محبت اور اخلاص سے اس سرا کی عمارت اور ہر مکان مہربانی کر کے دکھایا۔ مجھ کو ہرگز یقین نہ ہوتا کہ یہ سرا ہے، بلکہ جانتا یہ شخص ہنسی کرتا ہے۔ پہر رات تک جلسہ گرم رہا، بعد اس کے ہر ایک اپنی جگہ پر جا کر سویا۔ بندہ بھی ایک مکان میں جا کر بچھونے پر لیٹا۔ ایسا بچھونا کہ پَروں کا بھرا ہوا۔ نرمی اور ملایمت اس کی سے حریر اور قاقم شرمایا۔ بندہ رات بھر اس پر چین سے سویا صبح بیدار ہوا اور گاڑی میل کوچ پر ہمراہ بوچڑ صاحب کے سوار ہو کر آگے چلا۔ گاڑی چار گھوڑوں کی تھی تین درجے رکھتی۔ خط ڈاک کے اس میں روانہ ہوتے۔ چار چار کوس کے بعد گھوڑے بدلے جاتے، تمام دن رات میں بیس منٹ اُس کو ٹھہراتے ہیں۔ سب لوگ اتنی دیر میں کھانا کھاتے ہیں۔ ایک سپاہی نگہبانی کے لیے پیچھے رہتا ہے۔ وقت پہونچنے مقام اور روانگی کے ترئی بجاتا ہے۔ اگر کوئی اس وقت نہ پہونچے گاڑی چل نکلے، وہ وہیں پڑا رہے۔ وہاں کے لوگ گاڑی کے آنے جانے کے وقت جانتے ہیں۔ سراؤں میں ہر طرح کا کھانا تیار رکھتے ہیں تا کہ مسافروں کو بیس منٹ کی بھی کھانے پینے میں دیر نہ ہو۔ گاڑی پر سوار سیر دیکھتا جاتا تھا۔ ہر گاؤں کو آباد، آدمیوں کو خوش سلیقہ پایا۔ کنواریاں خوبصورت اپنے اپنے کھیتوں میں بیٹھیں اناج کاٹتیں۔ باوجود بے مقدوری کے بڑے بناؤ سنگار سے تھیں۔ بلکہ بول چال و حسن و جمال میں امیر زادیوں ہندوستان سے بہتر معلوم ہوتیں۔ لڑکے پری زاد جا بجا جمع ہو کر عقل مندوں کی طرح بیٹھے باتیں کرتے۔ لڑکپن میں وہ دانائی حاصل کی کہ ہندوستان

022
www.taemeernews.com

کے بڈھوں میں بھی نہیں ہوتی ۔کھیت غلّوں سے اور میوؤں سے بھرے ہوئے بالیاں دانوں سے پُر خوشۂ پروین سے پرے سرے۔طراوت ان کی سے قطعۂ جنّت شرمندہ۔ دانے اُن کے موتیوں سے زیادہ تابندہ۔دیکھنے اُس سرزمین اور کھیتوں ارم تزئین سے ایسی خوشی حاصل ہوئی کہ سلطنت ہفت اقلیم کی ہاتھ آئی۔گائے ،بکری، بھیڑ اور بیل ایسے موٹے تازے کہ تھوڑی دور چلنے سے تھک جاتے ہوا ایسی فرحت بخش تھی کہ نیند آنے لگی۔مگر میں نے تماشا دیکھنے کے واسطے آنکھ نہ بند کی۔سب طرح سے مجھ کو گاڑی پر آسائش تھی۔مگر آدھی رات راہ میں ایذا پہونچی اس لیے کہ کوچوان نے ایک عورت بدشکل کو میرے پاس بٹھایا۔ پہاڑ سے موٹی تھی۔صورت اُس کی سے نفرت ہوتی۔میں نے اپنے تئیں بہت بچایا تو بھی اُس کے موٹاپے سے صدمہ پہونچا۔خدا نے خیر کی کہ وہ آدھی راہ سے اُتر گئی۔

جاتے جاتے وہاں پہونچا کہ ایک ستون سنگین بہت اونچا کھڑا تھا۔ایک ستون پر کئی ستون رکھے۔ظاہر میں مصالح وغیرہ سے نہیں جڑے ہیں۔اُس کو دیکھ کر متعجب ہوا کہ بے جڑائی مصالح کے ایک کو دوسرے پر کیوں کر قائم کیا ہے۔یہ حکمت کس سے سیکھی اور کس نے بنایا ہے۔آخر دریافت ہوا کہ مذہب اور زمانے انگریزوں سے پہلے ایک قوم تھی کہ وہ اس ستون کے نیچے آکر سورج پوجتی۔آگے بڑھا مکان لارڈ بیرن صاحب کا ایک ٹیلے پر دیکھا۔خوب مضبوط بنا، کسی طرح کا اُس میں نقصان نہیں آیا۔خلاصہ یہ کہ پہر رات گئے لندن کی سڑک پر پہونچا۔عجب راستہ دیکھا پتھر کا بنا۔بیچ میں جانوروں کی راہ تھی۔اس میں آدمیوں کے چلنے کی ہرگز نہ اجازتِ شاہ تھی۔ادھر اُدھر دوطرفہ چار چار یا تین تین گز راہ آدمیوں کی اسی سبب سے اُس میں خوب صفائی تھی۔دوطرفہ شاخوں آہنی پر فانوس اور گیس جلتے۔چمک اپنی سے ستاروں کو شرماتے۔دونوں طرف بنے ہوئے مکان نفیس اور بہتر۔ جیسے دو صفیں جنگی کھڑی ہوں جم کر۔بلندی اور اونچان میں ہر ایک برابر۔مرد رنڈیوں، راہ

023 www.taemeernews.com

چلنے والیوں کا کیا بیان۔ جیسے جنّت میں حوروں کے ساتھ ہوں غلمان۔ خوبی شاہ راہ اور حسن و جمال کی، اور کیفیت آب وہوا اُس شہر کی دیکھ کر جانتا تھا کہ خواب وخیال ہے۔ ورنہ عالم بیداری میں اُن امروں کا دیکھنا خیال محال ہے۔ بعد اس سیر تماشے کے سرائے بل موت (۱) میں پہونچا۔ عجب سرا تھی کہ بہشت اُس پر رشک لے جاتی۔ سرا نہیں بلکہ قطعۂ گلشن۔ گلِ شمع وفانوس ہر طرف روشن۔ حال عمارت اُس کی کا کیا لکھوں۔ فقط مضبوطی میں کوہِ بے ستوں کہوں۔ میں اُسے دیکھ کر گھبرایا کہ خدایا خانۂ شاہ لندن میں آیا یا راہ بھول کر پرستان میں آنکلا جب وہاں جا کر پہونچا، دیکھا کہ صاحبانِ انگریز جابجا بیٹھے، اپنے اپنے کام میں مشغول تھے۔ کوئی اپنے یار کے ساتھ شراب پیتا، کوئی اچھی آواز سے گاتا کوئی درودیوار دیکھتا، کوئی سیر کتابوں کی کرتا۔ ہر جگہ کرسی اور میز شیشہ آلات رکھے۔ انداز اور سامان وہاں کے سب اچھے۔ مالک سرا سے ہنوز کھانا نہ مانگا تھا کہ جو کچھ دل چاہتا تھا سامنے لایا۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ دل کا حال جانتا تھا یا فرشتہ اُس کو سکھاتا۔ رات آرام سے بسر کی۔ فجر کو سرا کی سیر دیکھی۔ ایک رقم ایک ہزار تین سو گھوڑے ولایتی قدم باز زرخرید مالکِ سرا کے تھے۔ میل کوچ اور گاڈی میں کرائے پر چلتے۔ قیاس کیا چاہیے جس شہر کے سراوالوں پاس اتنے گھوڑے ہوئیں۔ رئیسوں کا سامان کس قدر ہوگا۔

تیسرے دن شہر کی سیر کو گیا جو کچھ دیکھا دل ہی جانتا ہے، زبان پر نہیں آتا۔ کنارے دریا کے جا کر دیکھا، سیکڑوں جہاز وہاں تھے اور ہزاروں ناؤ رواں۔ جہاز دھوئیں کے ادھر اُدھر آتے جاتے۔ اُس پر سے صاحبانِ انگریز اپنی بی بیوں کے ساتھ دریا کا تماشا دیکھتے۔ کیا ہی عورتیں تھیں حسن وجمال میں پریوں کو شرماتیں۔ ایک اندھیرے تہ خانے کی سیر کی۔ صاحبِ خانہ نے راہ بتائی۔ دو آدمیوں نے ہاتھ میں مشعل لی۔ اُس میں پیپے شراب کے رکھے تھے۔ اگر شاید کھلتے شراب کے دریا بہتے۔ جہاز ان میں چلتے۔ اُن پیپوں پر ایسا روغن ملا تھا کہ ہرگز

024
www.taemeernews.com

ان میں آگ کا اثر نہ ہوتا۔ شراب یہ خواص رکھتی ہے کہ ایک چنگاری سے رال کی طرح بھڑکتی ہے۔ یہ اُن لوگوں کی کاریگری تھی کہ آگ اُس میں اثر نہ کرتی۔ دو گھنٹے اُس میں روشنی مشعل سے پھرے تو بھی اس سرے سے اُس سرے تک نہ پہونچے۔ نہ معلوم تہ خانہ کتنا بڑا تھا کہ میں اتنے عرصے میں کنارے نہ پہونچا۔ لاچار ہوکر باہر آیا۔ دوسری طرف جا کر دیکھا۔ تنبا کو کا ڈھیر تھا۔ بہ خدا اس قدر ڈھیر نہ کبھی آنکھوں سے دیکھا نہ کانوں سے سنا جو تنبا کو بابت چوری محصول کے چھن آتی تھی۔ ڈھیر کے ڈھیر جل رہے تھے۔ اگر اتنی تنبا کو ہندوستان میں جلائی جاوے ہندوستانیوں کے دماغ سے ریزش نادانی کی ہو جاوے۔

لندن عجب شہر گلستان ہے۔ دانائی کی وہاں کان ہے۔ یہ تماشے دیکھ کر سرائے بل موت میں پھر آیا۔ راجڑ صاحب کو ساتھ لے کر مکان کرائے کا تلاش کیا۔ بہت جستجو سے محلّہ سمور پلیس میں لمبر تیسرا قریب سینکرک کلیسا کے ایک مکان سو روپے کرائے پر ٹھہرایا، ایک شخص اور کو شریک کر کے اُس میں رہا۔ بعد اس کے دو کانوں اور بازار کی سیر کرنے گیا، ایک راستہ دیکھا۔ پشت ماہی سا بنا تھا اور دونوں طرف زمین کے برابر لوہا لگا اس لیے کہ پہیا گاڑیوں دودی کا اونچا نیچا نہ ہو جاوے اور کنکریوں کا ان میں صدمہ نہ آوے۔ وہاں آٹھ سات گاڑیاں کھڑی تھیں۔ ایک بڑی گاڑی سب سے آگے۔ اس میں تین آدمی بیٹھے کوئلے سلگاتے۔ ہر گاڑی کی زنجیر دوسری گاڑی میں لگی تھی۔ بڑی گاڑی تک زنجیر بندی یوں ہی تھی، جب سب آدمی اُن میں بیٹھ جاتے، بڑی گاڑی کے پیچ کو پھیرتے، فی الفور وہ تیر کی طرح دھویں کے زور سے رواں ہوتی۔ ہر ایک گاڑی زنجیر کے لگاؤ سے اس کے ساتھ چل نکلتی۔(۱) میں نے ایسا کبھی تماشا نہیں دیکھا، نہایت مشتاق تھا۔ گاڑی بان سے پوچھا۔ کہاں جاؤ گے۔ اُس نے کہا آٹھ کوس پر۔ میں نے کہا مجھ کو بھی سوار کر۔ اُس نے کہا بہتر۔ آخر میں اُس پر سوار ہوا۔ اُس نے گاڑی کا پیچ موڑا۔ فوراً گاڑی چلی۔ طبیعت بہلی۔ راہ میں

025 www.taemeernews.com

ایک جگہ سر نکال کر دیکھا۔ قریب تھا کہ تیز روی اُس کی سے پگڑی میری گرے۔ جلدی سے سر اندر کرلیا۔ پاؤ ساعت میں آٹھ کوس جا پہونچا۔ وہاں سے دھویں کی ناؤ پر سوار ہو کر موضع گرنچ (۱) میں سیر کو گیا۔ شہر دیکھا بہت گلزار اور آباد۔ عمارتیں شاہی اُس میں جیسے باغ میں شمشاد۔ گورے جہاز کے جب کارِ سرکاری میں زخمی ہوتے ہیں انگلس پا کر چین سے زندگی وہاں بسر کرتے ہیں۔ میں نے دیکھا کھانے نفیس میزوں پر چُنے ہیں۔ پیالے شراب بیر کے بھرے رکھے ہیں۔ گورے بڑے مزے سے کھاتے تھے اور خوشی سے بیٹھے تھے۔ میرے دل میں آئی۔ صاحبانِ انگریز کی دانائی کہ کیا اچھی عقل رکھتے ہیں۔ جب سپاہی کچھ اچھا کام کرتے ہیں۔ ان کو انگلس دیتے ہیں۔ وہ آرام سے بسر کرتے ہیں۔ مالک جب نوکر کے حال پر اتنی مہربانی کرے۔ نوکر کس طرح آقا کے کام میں جان کو جان سمجھے۔

آگے بڑھے ایک اور مکان میں پہونچے کہ وہاں تصویریں جہاز جنگی اور امیروں نامدار فرنگی کی تھیں۔ نشان جنگی لڑائی واٹرلو (۲) کا بطریق تحفہ و یادگاری وہاں رکھا۔ مارے گولیوں کے سوراخ دار تھا۔ اُس کے سامنے ایک الماری میں شیشہ تصویر لاڈنلسن (۳) کا اور کُرتے خون بھرے ہوئے اُس کے رکھے۔ وہ بھی گولیوں سے چھلنی ہو رہے۔ نمونے جہاز وغیرہ کے اور طرح طرح کی تصویریں رکھیں۔ اُس کے مقابل حضرت پالوس (۴) اور حواریوں کی تھیں۔ آدمیوں سے ایسی تصویریں بننا ممکن نہیں۔ مگر خدا کی قدرت سے بنیں۔ امریکہ سے ایک رئیس وہاں آیا تھا۔ عوض ان تصویروں کے ڈیڑھ لاکھ روپیہ دیتا تھا۔ مگر انگریزوں نے نہ مانا اور تصویروں کو نہ دیا۔ ایک جا سات ستون سنگِ مرمر کے ایک ڈال ترشے کھڑے تھے۔ نہیں معلوم پتھر کتنے بڑے تھے کہ اُن سے اتنے اتنے بڑے ستون ایک ڈال ترشے۔ یہ سیریں دیکھ کر شام کو اپنے مکان میں پھر آیا۔

صبح کے وقت مکان کی سیر کرنے لگا۔ باورچی خانہ میں ایک چھوٹا حوض کہ اس کے

026
www.taemeernews.com

اوپر نل پیچ دار تھا۔ بندہ وہاں کی راہ ورسم سے محض نا آشنا تھا۔ باورچی خانہ کو حمام سمجھ کر نہانے لگا اور پیچ نل کا کھول دیا نوکر میرا بدن ملتا۔ تھوڑی دیر میں پانی کمروں میں بھر گیا۔ تعجب کر کے عورت صاحب خانہ مع پیش خدمت اپنی کے دوڑ آئی مجھ کو نہاتے دیکھ بہت ہنس کر چلی گئی۔ نوکر میرا اور میں بھی حیران ہوا کہ باعث ہنسی کا کیا ہے۔ شاید یہاں رسم نہانے کی نہیں کہ نہاتے دیکھ کر ہنسیں۔ میں نے نہا دھو کر حاضری منگوائی۔ اُس وقت وہ عورت نوکر صاحب خانہ کی پھر آئی۔ فقیر نے اس سے پرسش کی کہ مجھے نہاتے دیکھ کر تو اور تیری بی بی کیوں ہنسی۔ وہ پھر بہت ہنسی۔ میں نے ہٹ کی۔ تب اُس نے کہا۔ جہاں تم نہائے باورچی خانہ ہے نہ غسل خانہ۔ ہم کو تمہاری نادانی پر ہنسی آئی کہ تمہے باورچی خانہ اور غسل خانہ کی نہیں شناسائی۔ یہ سن کر میں شرمندہ ہوا اور کچھ جواب نہ بن آیا۔

اتوار کو سیر کرنے چلا۔ کلیسائے سنٹ پال (۱) میں گیا۔ وہ کلیسا ہزار برس کا بنا ہے مگر اب تک ویسا ہی مضبوط اور نیا ہے۔ میں ہندوستان سے اُس کے دیکھنے کی آرزو رکھتا تھا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ بہت انگریز اور پادری بندگی کے لیے جمع تھے۔ چونکہ میں پگڑی باندھے تھا۔ اندر کے جانے سے رُکا۔ مگر ڈرتے ڈرتے آگے بڑھا۔ ان لوگوں کا طرزِ عبادت دیکھتا۔ اتنے میں نگہبان اُس مکان کا ایک لکڑی ہاتھ میں لیے میرے پاس آیا اور کہا۔ تو مرد اجنبی غیر قوم کا معلوم ہوتا ہے۔ میں نے کہا بجا ہے وہ بہت مہربانی اور شفقت سے پیش آیا۔ اونچی جگہ میں جہاں بڑے بڑے امیر نامدار بیٹھے تھے مجھ کو لے جا کر بٹھلایا۔ وہاں سے حال عبادت کا خوب دیکھا۔ ایک ارگن تیس ہاتھ کا بجاتے تھے اور دھیان طرف خدا کے لگاتے۔ اس کی آواز سننے سے میرے دل میں ہیبت سمائی، خدا کی قدرت یاد آئی۔ ایک طرف لڑکے کھڑے ہوئے مرثیہ کی طرح شکریہ خدا کا گاتے۔ داہنی طرف پادری اپنی جگہ پر کھڑے بندگی بجا لاتے۔ انگریزوں کی رائے جہاں آرائے پر صد آفریں کہ مجھ اجنبی بے پہچان کو

027 www.taemeernews.com

برابر اپنے بٹھایا۔ ہرگز خیال خلاف مذہبی کا نہ فرمایا۔ مسلمانوں کی مسجد اور ہندوؤں کے بت خانہ میں سوائے اپنی قوم کے دوسرے کو جانے نہیں دیتے ہیں۔ مگر صاحبان انگریز باوصف حکومت اور اقتدار کے خیال اس کا نہیں کرتے ہیں۔ پگڑی باندھے گرجے جانا نہایت بے ادبی بہ طریقہ یسوی ہے۔ میں پگڑی باندھے گیا تھا۔ پر کسو نے نہ کہا تو نے یہ کیا حرکت کی ہے۔ جس قوم میں اتنا حلم وصبر ہووے۔ حق تعالےٰ اسے کیونکر نہ سرفراز کرے۔ پہلے ایک نورانی شکل بڈھے پادری نے آکر نماز پڑھی۔ ضعف ونقاہت اُس کی سے صاف آواز میرے کان میں نہ آئی۔ میں سچ کہتا ہوں خدا کو گواہ کرتا ہوں کہ آواز ارگن اور گانے فقرے شکریہ لڑکوں اور نماز پادریوں سے شوق خدا کا ہردم زیادہ ہوتا۔ دل میں آتا کیا اچھا ہوتا اگر سب گناہوں سے توبہ کرکے یہاں بیٹھ رہتا۔ دل میں ایسا ذوق شوق ہوا کہ خیال میں نہیں آتا۔ کلیسا کے اندر کام سونے کا ایسا کیا ہے کہ عقل دریافت کرنے خوبیوں اُس کی سے بے سروپا ہے۔ اگر کوئی برسوں وہاں رہے، ہرگز خوبیاں اس کی دریافت نہ کرسکے۔ میناروں پر بھی پانی سونے کا پھرا ہوا۔ فرش زمین کا سنگِ مرمر سپید سے بنا ہوا۔ قبریں بادشاہوں عالیشان اور پادریوں کی اُس میں جابجا۔ اُس کی چھت پر سے تمام شہر لندن نظر آتا۔ میں نے روضہ تاج بی بی (۱) کا دیکھا تھا، جب وہاں پہونچ کر اُس کی عمارت کو دیکھا سخت حیران ہوا کہ روضۂ تاج بی بی سے اُس کو تشبیہہ دوں یا اُس سے بہتر کہوں۔ خلاصہ یہ کہ ایک دوسرے سے بہتر ہے۔ وہ اس سے یہ اُس سے خوشتر۔ دن بھر سیر اُس کی دیکھتا رہا۔ رات کو اپنے گھر آیا۔ دوسرے دن کالاسم (۲) میں گیا۔ وہ مکان طلسمات کا تھا۔ نیچے کے درجے میں تصویریں پتھر کی تراشی ہوئی اُستادوں کامل کی ہرطرف رکھیں۔ اُس میں ناخنِ پا سے سر تلک پٹھے اور رگیں نظر آتیں۔ جسم آدمی سے اُن میں فرق ایک بال کا نہ تھا۔ بنانے والوں کو تحسین کہ کیا خوب اُن کو بنایا۔ اس کے بعد وہاں کے چوکیدار نے کہا، آؤ تم کو ایک مکان

028
www.taemeernews.com

دکھلاؤں کہ کبھی نہ دیکھا ہو۔ میں اُس کے ہمراہ ہوا۔ ایک چھوٹے مکان میں لے گیا کہ اُس کے اندر سوا چار آدمیوں کے جگہ بیٹھنے کی نہ تھی۔ میں نے پوچھا یہ مکان کیا خوبی رکھتا ہے نہ اس میں وسعت ہے نہ عمارت اچھی۔ ایک بارگی وہ مکان مانند تختِ حضرت سلیمان کے ہوا پر اوڑا۔ جھٹ پٹ بہت بلند ہوا۔ اُس پر سے سب آبادی و عمارت مرد، رنڈیاں، راہ، گلی، بازار، جہاز، ناویں، سمندر کے پہاڑ، جنگل، لندن کا آسمان ابر نظر آتا۔ میں ہرگز نہیں جانتا کہ یہ طلسم خیال کا ہے۔ بعد دریافت کرنے کے ثابت ہوا کہ وہ سب طلسم خیال کا تھا۔ پھر چوکیدار نے کہا۔ آؤ اس سے ایک اونچا مکان دکھلاؤں۔ میں ششدر ہوا کہ اس سے زیادہ اونچا کیا ہوگا۔ شاید قریب آسمان لے جاوے گا، اُس کے ساتھ چلا۔ اُس جگہ لے گیا کہ پہلے سے کچھ کم تھا۔ مگر شہر لندن سب معلوم ہوتا۔ اُس کو دیکھ کر اُس کے ساتھ پھر نیچے گیا۔ وہاں ایک حوض دیکھا کہ اُس میں فوارہ مدوّر جاری تھا۔ دونوں طرف پھول رنگارنگ اور سبزہ ہرا۔ آگے بڑھا۔ ایک پہاڑ اور خندق دیکھا۔ اُس کے پاس جا کر تامّل کیا۔ اُس گڑھی پہاڑ نقلی کو اصلی سے کچھ فرق نہ پایا۔ جابجا سے پانی جاری۔ بسبب رطوبت کے اُس پر کائی جم گئی۔ اُس کے اندر گیا۔ سمندر لہریں مارتا ہوا دیکھا اور ایک جہاز طوفان میں تباہ ہوا دوسری طرف پہاڑ تھا کہ پانی اُس سے ایک چشمہ میں آتا اور پانی سے وہ چشمہ لبالب تھا۔ اُس میں مرغابیاں اور اور جانور اور ایک باز بھی بیٹھا۔ ایک طرف دیکھا میز لگی ہوئی۔ اُس میں کھانے عمدہ چنے ہوئے۔ شرابیں رنگارنگ شیشہ کے برتنوں میں رکھی ہوئیں۔ پریاں قریب میز کے بیٹھی کھا پی رہیں۔ میں اُن کے پاس گیا۔ ایک پری نے پیالہ شراب کا مجھ کو دیا۔ شکر خدا کا کر کے پیالہ اُس کے ہاتھ سے لیا اور دوستوں غائب کو یاد کر کے پیا۔ کرسی بونے پاٹ کے بیٹھنے کی وہاں رکھی تھی۔ یہ سب سیریں دیکھ دوسری سمت چلا۔ وہاں بھی ایک مکان طلسم کا دیکھا کہ اُستادوں کامل نے نقشہ گانوں انگریزوں کا بنایا ہے۔ ہرگز ثابت نہ ہوتا کہ یہ طلسم

029 www.taemeernews.com

خیال کا ہے۔ جابجا مکان انگریزوں کا بنا ہے۔ دھواں آتش دانوں سے نکلتا ہے۔ مزدور اور گدھے راہوں میں چلتے نظر آتے۔ گھاس اور کھیت اور جانور رواں سب دکھائی دیتے۔ ایک مکان میں ایک ایسا شیشہ بنا کر لگایا ہے کہ باوجود بند ہونے مکان کے سب چیزیں اور صورت آدمیوں باہر کی دیکھیں۔ یہ جو کچھ میں نے دیکھا سب کارخانہ طلسمات کا تھا۔ یہ حالات دیکھ کر شام کو اپنے مکان پر آیا۔

صبح ہی بیدار ہو کر میوزیم (۱) گیا وہ بھی ایک عجب مکان ہے۔ تعریف اُس کی نہ یارائے بیان ہے۔ عمارت اُس کی میں لاکھوں روپیہ صرف ہوئے ہوں گے۔ ہر طرح کے تحفے اور عجائبات وہاں رکھے۔ بہت مورتیں مصر کی اور ہتھیار لڑائی کے، جانور دو پائے، چوپائے قسم قسم کے رکھے ہیں۔ سب چیزیں نادر ہر ایک جا سے بہت تلاش سے لائے ہیں۔ حضرت نوح کے طوفان کے ڈوبے ہوئے مرد اور عورتیں وہاں تھیں۔ اکثر لاشیں مردوں اور رنڈیوں کی جو پتھر کے نیچے پانی میں دبیں اور مدّت تک پڑی رہیں۔ گوشت سارا گل گیا۔ مگر ہڈیاں اُن کی پتھروں میں لگی رہیں اور اسی طرح ڈھانچے گھڑیال اور کتنے اور جانوروں کے یعنی فقط ہڈیاں پتھروں میں لگی وہاں نظر آئیں۔ اُسی طوفان میں ایک درخت دو پتھروں کے بیچ دبا تھا۔ انگریزوں نے آرے سے اُسے چیرا۔ آدھا درخت نیچے کے پتھر میں لگا رہا ہے اور آدھا اوپر والے میں جما ہوا ہے۔ میں نے ان امروں کو اپنی آنکھ سے دیکھ کر طوفان نوح کا اعتبار کیا اور دل میں یقین لایا۔ بعد اُس کے سر ایک جانور کا دیکھا کہ دُگنا ہاتھی کے سر سے تھا۔ اگلے زمانے میں وہ جانور نکلتا۔ اب شاید نہیں پیدا ہوتا۔ اُس کو دیکھ کر قدرت خدا کی نظر آئی کہ کیسے کیسے جانور اور صورتیں بنائیں۔ وہ تمام روز اُسی سیر میں بسر کیا۔

دوسرے دن سیر کلیسائے منسٹر آبی (۲) کو گیا۔ بادشاہی مکانوں کی سیر میں مشغول ہوا۔ درِ دولت شاہی پر ایک شخص مشکیں گھوڑے دور کا بے پر سوار زرہ بکتر پہنے طیار نظر آیا۔ خود میں

030
www.taemeernews.com

اُس کے ریچھ کے بال لگے تھے۔قد اُس کا جوں سروِ سہی۔موچھیں اُس کی کھڑی، میں نے بہت سفر کیا۔پر ویسا سوار کہیں نہیں دیکھا۔مقابل در دولت کے ایک پائیں باغ تھا کہ باغِ ارم اُس پر رشک لے جاتا۔اُس میں حوض پانی کے بھرے ہوئے۔جانور اُس میں تیرتے۔ ملکہ عالم آرا یعنی کوئن وکٹوریا اُس روز اُس مکان میں آئی تھی۔اس لیے مجھ کو اندر اُن مکانوں کے رسائی نہ ہوئی، باہر سے خوب تماشا دیکھا اور خوش ہو کے اپنے گھر آیا۔دل میں کہا ایسی زبان کہاں سے لاؤں کہ خوبیاں یہاں کی بیان کروں۔

گیارھویں تاریخ ستمبر کی رات کے وقت باغِ بادشاہی کی سیر کرنے گیا۔نام اُس کا رایل جولاجکل گاڈن (۱) تھا۔وہاں ایک دریا بڑا۔اُس میں کئی جہاز کا لنگر پڑا ہوا۔کنارے دریا کے شاہِ لندن نے پہاڑ بنوایا کہ پہاڑ اصلی سے ذرا فرق نہ رکھتا۔نیچے اُس پہاڑ کے کئی شہر آباد تھے۔بعینہٖ مانند نقشۂ شہرِ یونان کے معلوم ہوتے۔ایک مکان میں باجے والے بادشاہی نوکر عجیب وغریب باجے بجاتے۔سامنے اُس کے دوسرے مکان میں گیس اور چراغ اور فانوس بہت روشن تھے۔اُس میں میز لگی ہوئی اور شیشہ کے برتن اور کھانے عمدہ چُنے ہوئے۔شرابیں طرح طرح کی شیشہ کے ظروف میں رکھیں، پریاں لندن کی وہ کھانے اور شراب بیچتیں۔سب کی سب خوبصورت تھیں۔سوائے اُس شہر کے مقابل اُن کا روے زمین میں نہیں۔اُن میں سے ایک پری چودہ برس کی سراپا غضب تھی۔نگاہ اُس کی آفت ڈھاتی، تعریف جمال اُس کی محال۔بالوں اُس کے سے عاشقوں کو زندگی وبال۔شعر:

زلفیں یوں بکھری ہوئی چہرہ پہ مانگیں تھیں دل
جس طرح ایک کھلونے پہ ہٹیں دو بالک

میں یہ تماشا دیکھ رہا تھا کہ وقت آدھی رات کا ہوا۔اک بارگی پہاڑ سے دھویں رنگا رنگ نکلنے لگے۔ہر ساعت زیادہ ہوتے جاتے۔بعد دو چار گھڑی کے ایک آواز گرجنے کی

031 www.taemeernews.com

سی آئی۔ پہاڑ کے نیچے رہنے والوں پر تباہی لائی۔ وہ سب پریشان وتباہ ہوئے۔ نام ونشان کو باقی نہ رہے۔ یہی نقشہ تباہی یونان کا ہوا کہ پہاڑ سے گندھک نکل کر آدمیوں پر گری اور ہلاک کیا۔ میں یہ طلسم دیکھ کر اپنے گھر آیا۔

صبح کو راجڑ صاحب اور ایک شخص اور کی صلاح سے نقل گھر گیا۔ اُس مکان کو انگریزی میں اسلس ٹیاٹر(۱) کہتے ہیں۔ اُس مکان میں تین درجے تھے، سب سے اوپر کمینے اور کم ظرف بیٹھے تماشا دیکھتے، درجہ اوسط میں صاحبانِ والا شان مع اپنی بیبیوں کے رونق افروز تھے۔ نیچے کے درجے میں غریب اور مفلس جی بہلاتے۔ مکانات خوب نفیس اور مضبوط بنے تھے۔ ہم ہر آدمی پیچھے دو دو روپے دے کر بیچ کے درجے میں بیٹھے۔ نقالوں نے پہلے نقل لڑائی مظفر شاہزادہ قزلباش اور ترکمانوں کی بیان کی۔ ایک چادر اُٹھادی۔ سبھوں کی نظر میں دریا جہاز جنگل آیا اور معلوم ہوا کہ مظفر شاہزادہ بھاگا۔ ترکمانوں نے اُس کا تعاقب کر کے پکڑا۔ ایک گھوڑے ننگی پیٹھ پر چت لٹا کر رسیوں سے باندھا اور گھوڑا ہانک دیا۔ گھوڑے نے اپنے تئیں دوڑا کر دریا میں ڈالا ایک باز اُوپر سے حملہ کرتا اور ایک بھیڑیا پیچھے اُس کے پڑا۔ مگر گھوڑا گرتے گرتے دریا سے پار ہوا اور قریبِ ہلاکت پہونچا۔ اسی عرصہ میں معشوقہ شاہزادہ کی ایک لوٹا تانبے کا ہاتھ میں لیے ہوئے پہاڑ سے نکلی اور اپنے عاشق کے اچھے ہونے کے لیے خدا کی درگاہ میں رو رو کر دعا کی۔ شہزادے کو گھوڑے کی پیٹھ سے کھول کر شیر کے چمڑے پر بٹھلایا اور لوٹے میں پانی لا کر زخموں کو دھو دھا کر صاف کیا۔ بعد دو گھڑی کے باپ شاہزادے کا آ کر اپنے بیٹے کو نظرِ عنایت سے دیکھ رہا تھا کہ ترکمان بھی آپہونچا۔ ان دونوں شخصوں میں نوبت ڈھال تلوار کی آئی۔ شاہزادہ بھی اُٹھ کھڑا ہوا، مستعدِ جنگ آرائی۔ فی الفور دونوں طرف سے سپاہ آئی۔ آخر فوجِ قزلباش نے ترکمان پر فتح پائی۔ فوج ترکمانی نے بھاگنے کی راہ لی۔ شاہزادہ بڑے جلوس اور دھوم سے شادیانے فتح کے بجاتے ہوئے

032
www.taemeernews.com

اپنے گھر آیا۔ جب یہاں تک نوبت نقل کی پہونچی پردہ گرایا اور پھر اُٹھایا۔ اُس میں سے ڈکرو(۱) نکلا۔ بڑا نقال پوشاک عربی پہنے ہوئے تھا۔ ایک میدان مدور دو ہاتھ کے نیچے میں آکر ٹھہرا۔ سامنے اُس کے ایک گھوڑا ابلق اُسی میدان میں آیا۔ ڈکرو جدھر اشارہ کرتا گھوڑا اُدھر پھرتا۔ اسی عرصہ میں ڈکرو نے ایک پتھر دو گز کا طول میں اُس میدان میں ڈالا۔ گھوڑے نے دونوں پانوں اگلے اپنے کو اُس پر جمایا۔ تصویر ساں بے حس وحرکت ہوا۔ پھر ڈکرو کے اشارے سے پانوں پتھر سے اُتار کر ناچنے لگا۔ بعد اس کے نو آدمیوں نے حلقے لکڑیوں کے گھوڑے کے قد برابر لیے اور گھوڑے کے گرد کھڑے ہوئے۔ جب ڈکرو اشارہ کرتا، گھوڑا ہوا کی طرح ہر حلقہ سے نکل جاتا۔ بلکہ ایسی تیزیاں کرتا کہ ہوا کو بھی اُس پر رشک آتا۔ بعد ازاں لوگ نو لکڑیاں بڑی بمفاصلہ جسم گھوڑے کے لے کر کھڑے ہوئے۔ گھوڑا ہر لکڑی سے اُچک کر اس سرے سے اُس سرے پہونچتا۔ اسی طرح اُدھر سے ادھر آتا۔ بعد ان حرکتوں کے تماشائیوں کے سامنے گھٹنا زمیں پر ٹیکا اور سر جھکا کر سلام کیا۔ کیا اچھا گھوڑا تھا۔ مرتبہ شناسی میں آدمی سے زیادہ ہوش رکھتا۔ ڈکرو اس پر سوار ہو کے چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد بہت روشنی ہوئی، ڈکرو آیا۔ اُس کے پیچھے ایک گھوڑا سبزہ اُسی گول میدان میں موجود ہوا۔ ڈکرو اُس کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو کر اُسی میدان میں کاوا دیتا اور نیزہ کو بہت چستی سے ہلاتا۔ کبھی گھوڑے کی پیٹھ پر آتا کبھی گردن پر جاتا۔ کبھی پانوں میں چمٹتا۔ کبھی وہاں سے ہٹتا۔ گھوڑا ویسا ہی رواں تھا۔ غرضکہ ڈکرو نے ایسی چالاکی دکھائی کہ دیکھنے والوں کو حیرت آئی۔ بعد اس کے آٹھ گولیاں پیتل کی نکالیں۔ گھوڑا دوڑتا جاتا۔ وہ اُن گولیوں کو اُچھال کر ہاتھ میں روکتا۔ یہاں تک کہ بارہ گولیوں کی نوبت آئی۔ زمین میں ایک بھی نہ گرنے پائی۔ اسی تیز روئی میں ایک رکابی تانبے کی لکڑی کا دستہ لگی ہوئی نکالی۔ گولیاں اُچھال کر اُس رکابی میں روکتا اور وہ رکابی کی لکڑی ہاتھ میں پکڑے تھا۔ کبھی گھوڑے کی پیٹھ پر کھڑا ہو جاتا، کبھی

033
www.taemeernews.com

دُم کے پاس کھڑا ہو کر یہ کمال دکھاتا۔ اسی حال میں چھت سے ایک رسّی لٹکا کر اپنے پانوں کو اُس میں باندھا اور اوندھا لٹک گیا گھوڑا ویسا ہی دوڑتا تھا۔ اکبارگی قلابازی کھا کر رسّی کو اپنے پانوں سے کھولا اور گھوڑے پر آ بیٹھا۔ بعد اس کے ایک پلٹن آئی۔ کپتان اُس کا مجنوں کی طرح دُبلا اور ناتواں۔ سپاہی سب بے ساماں۔ کسی کے پاس بندوق نہ تھی۔ کسی پاس تھی پر چانپ سے خالی۔ کسو پاس کُچھ باروت کی نہیں۔ کوئی کہیں کوئی کہیں۔ اُن سپاہیوں کو دیکھ مجھ کو فوج شاہِ اودھ کی یاد آئی۔ اتنے میں خدمت گاروں نے مسخروں کی طرح آ کر کرسی اور میز لگایا۔ اُس پر شراب اور کھانا ہر قسم کا چُنا۔ کپتان نے کرسی پر بیٹھ کر شراب پی اور کھانا کھایا۔ سپاہیوں کو اپنے برابر بٹھلایا۔ جب خوب نشہ میں چور ہوا سائیس سے گھوڑا منگوا کر سوار ہو بیٹھا۔ اُسی میدان مدّور میں گھوڑا پھرایا۔ بندوق کی قواعد ایسی کی کہ میں نے کسی انگریز یا ہندوستانی کی نہیں دیکھی۔ اگرچہ کپتان عمر میں دس برس کا نہایت نزار و لاغر تھا۔ مگر ایسے ایسے کمال دکھائے کہ عقل میں نہ آئے۔ گھوڑے کی تیز روی سے ثابت ہوتا کہ یہ لڑکا اُس پر گر پڑے گا۔ مگر گھوڑا بے تحاشا ویسا ہی دوڑاتا۔ نہایت مدہوشی میں کمیس پتلون بدن سے اُتارا۔ فقط ایک باریک کپڑا ریشمی کمیس کے نیچے کا پہنے رہا۔ ایک پانوں اُٹھا کر اُنگلیاں اُس کی دانتوں سے کاٹا۔ سب تماشائیوں نے اُس کی تیزی دیکھ کر بہت تعریف کی اور ٹوپی ہر ایک نے سر سے اُتاری۔ میں بھی حیران کہ اس نے کیا کام کیا شاید دیو کا بچّہ ہے۔ جو ایسے کام کرتا ہے ورنہ آدمی کی کیا مجال۔ جو دکھلاوے ایسے کرتب اور کمال۔ خلاصہ یہ کہ وہ قواعد کر کے غائب ہوا۔ ڈکرو پھر آیا۔ تین گھوڑے بے زین باگ دار ساتھ لایا۔ اُس کے اشارہ سے وہ گھوڑے اُسی گول میدان میں گئے اور برابر کاوا پھرنے لگے۔ ڈکرو نے کود کر ایک پانوں ایک گھوڑے پر رکھا، دوسرے گھوڑے پر دوسرا پانوں جمایا، تیسرے کو درمیاں میں لے کر آپ کھڑا ہو کر خوب دوڑاتا۔ تین گھوڑے اور آئے اُن کو بھی آگے کر لیا اور باگ ہاتھ میں

034
www.taemeernews.com

لے کر برابر دوڑایا۔ بعد ایک لحظہ کے تین گھوڑے اور موجود ہوئے۔ اُن کو بھی ویسا ہی چھ گھوڑوں پہلے کے آگے کر لیا۔ سب کی باگیں پکڑ کر برابر دوڑانے لگا۔ کیا کمال رکھتا تھا کہ نو گھوڑوں کو برابر بے کم وبیش دوڑاتا، یہ تماشے دیکھ کر میں اپنے گھر آیا۔

جمعرات کے دن اکیسویں تاریخ ستمبر کی بوچڑ صاحب کے مکان پر گیا۔ سیر کو طبیعت چاہی۔ ایک گاڑی بگھی کوچ ٹھہرائی۔ دو گھوڑے اس کو کھینچتے ہیں۔ آٹھ آدمی فراغت سے بیٹھتے ہیں۔ بوچڑ صاحب اور ان کے بھائی ولیم صاحب اور رڈک صاحب اور ہم اس پر سوار ہوئے اور ٹوارف لندن (۱) پرانے قلعہ میں گئے۔ وہ قلعہ دو تین ہزار برس کا بنا ہوا ہے۔ انگریزوں کے مذہب اور زمانے سے پہلے کا ہے۔ عمارت اس کی ہندوستان کے مکانوں کے مانند تھی۔ مضبوطی میں کوہ آہنی سے زیادتی رکھتی۔ وہاں دو لاکھ ہتھیار جنگی طیار۔ جیسے بندوق پستول اور تلوار۔ ایسی نفاست سے دیواروں پر رکھے کہ طرح طرح کے پھول معلوم ہوتے۔ صفائی میں آئینہ کے مثل آبدار، در و دیوار اُن کے سبب سے گلزار۔ ایک توپ اژدھائی باریک کام کی کہ بونے پاٹ کو روم سے ہاتھ آئی، ایک طرف رکھی تھی۔ سر جہاز جنگی لاڈنلسن کا اب تلک وہاں رکھا ہے۔ لڑائی میں گولی توپ کی جو اس میں لگی تھی ویسی ہی ان میں جمی تھی۔ کاٹ کے گھوڑے اگلے زمانے کے موافق اُستادوں کے ہاتھ کے بنائے ہوئے ایک طرف کھڑے۔ ان پر پُتلے سرداروں کے زرہ پہنے زندہ گھوڑے پر چڑھے معلوم ہوتے۔ اپنی اصل سے ذرا بھی فرق نہ رکھتے تھے۔ ہرگز نہ ثابت ہوتا کہ یہ کاٹ کے گھوڑے ہیں اور امیروں کے پتلے۔ ایک جانب شبیہ ملکہ وکٹوریا کی، گھوڑے پر سوار تھی۔ تاج جواہر نگار سر پر رکھے۔ موتیوں کا مالا بیش قیمت گلے میں ڈالے۔ ایک نوکر بھی اس کے پاس کھڑا ہوا۔ میں نے اس شبیہ کو ملکہ اصل جانا۔ شبیہ نہ سمجھا۔ جو کوئی دیکھے بے شبہ اُس کو زندہ جانے۔ اس قلعہ میں ہتھیار لڑائی کے ہر قسم کے موجود ہیں۔ بندوق توڑے دار، گرز، تبر، ڈھال، تلوار

035 www.taemeernews.com

اور ہزاروں طرح کے ہتھیار بیحد وشمار۔ ہرنوع کا ہتھیار انگریزی وضع قدیم کا رکھا۔ بسبب گزرنے بہت دنوں کے لوہا پتلا پڑ گیا تھا۔ وہ تیر بھی تھا کہ شاہ لندن کے بیٹے کا سر اس سے کاٹا گیا۔ چلتہ اور زین شاہ ٹیپو کا بھی یادگاری کے لئے رکھا تھا۔ وہاں کا نگہبان مرد سلیقہ شعار نظر آیا کہ حال وہاں کی ہر چیز کا بخوبی بیان کیا۔ اُس کے کرتہ پر تمغہ بادشاہی تھا بہت مہربانی سے میرے ساتھ چلتا پھرتا۔ ایک مکان میں لے گیا کہ وہاں زیور نقرئی اور طلائی جڑاؤ و موتی یاقوت اور ہر جواہر کا تھا۔ اظہار خوبیوں اُس مکان کا بیان سے کب امکان ہے۔ وہاں سے پھر کر بوچڑ صاحب کے مکان پر کھانا کھایا۔ شام کو سیر کرنے وہاں گیا کہ میزانٹی کھیلنے کی بہت ستھرائی سے رکھی اور کتنے انگریز شطرنج اور اٹھ بازی (۱) میں مشغول تھے۔ حال مفصل اس کا یوں ہے کہ ایک میز کے گرد کتنے لوگ بیٹھتے تھے اور ہاتھی دانت کی گولیوں رنگ برنگ کو میز پر ایک لکڑی سے ڈھلکاتے۔ اس میں کچھ حساب رکھا تھا کہ اسی سے ہارتے جیتتے۔ میں وہاں جا کر تھوڑی دیر ٹھہرا۔ کھیل ان کا دل کو نہ بھایا۔ ناچار باہر آیا اور ان کی بربادیٔ اوقات پر تاسف کیا کہ کیسے بے عقل لوگ ہیں کہ اپنی اوقاتِ عزیز بیجا کاموں میں برباد کر دیتے ہیں۔

جمعہ کے دن بائیسویں تاریخ ستمبر کی میں ایک صاحب کے ساتھ بک سال گاڈن (۲) سیر کرنے گیا۔ یہ نام ایک باغ کا ہے کہ بہت خوب تھا اور رنگینی اپنی سے باغ ارم کو شرمندہ کرتا۔ وہ مقام طلسمات کا تھا کہ کہیں پانی اوپر سے نیچے آتا اور کہیں ویرانہ تھا کہ اس سے وحشت ہوتی۔ طبیعت گھبراتی۔ مکانوں کے اندر میزوں پر شیشہ آلات چنے ہوئے۔ بہت لوگ مع بی بیوں کے خوشی سے بیٹھے۔ آواز ارگن کی ہر طرف سے آتی۔ مردہ دلوں کو جوش میں لاتی۔ کہیں صاحب لوگ پریوں کے ساتھ ناچتے گاتے۔ غرض سب سامان خوشی کے نظر آتے۔ میں اس باغ کے دیکھنے اور گانے ناچنے اور آواز ارگن کی سننے سے بہت محظوظ ہوا

اور دوسری طرف چلا۔ دیکھا کہ ایک غبارا ہے اُس میں بہت ڈوریاں لگیں اور دوسو گوروں نے اپنے ہاتھ میں ڈوریاں پکڑیں۔ اُس میں دھویں بھرنے کے لئے گیس جلایا۔ اس لئے کہ بغیر دھویں بھرنے کے غبارا اُڑ نہ سکتا نیچے اس کے ایک ٹکڑا تانبے کا لگا ہوا۔ اُس پر ایک پلنگ چھوٹا سا بچھا ہوا، اُس میں بارہ آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔ نیچے اس کے ایک ناؤ مع سامان دریائی کے لگی کہ شاید غبارا اُڑکر دریا میں گرے۔ ناؤ کے سبب سے ڈوبنے نہ پاوے۔ چار آدمی اس میں بیٹھے تھے۔ ایک شخص ہاتھ میں جھنڈی لیے۔ جب غبارا دھویں سے بھرا۔ صاحب غبارے نے گوروں کو حکم دیا کہ ڈوریوں کو چھوڑ دو۔ پھٹک کھڑے ہو۔ گوروں نے ڈوریوں کو چھوڑا۔ غبارہ بلند ہونے لگا جب دو چار نیزوں پر آیا اس شخص نے جھنڈی کو ہلایا۔ سب لوگوں نے بہت تعریف کی۔ ٹوپی سر سے اُتاری۔ آخر وہ ایسا بلند ہوا کہ انڈے سا سوجھائی دیتا۔ پھر نہ ثابت ہوا کہ کہاں گرا۔ جس کا جی چاہے اس کے مالک کو ایک سو تیس روپے دے اور غبارے میں بیٹھ کر آسمان کی سیر کرے۔ (۱)

یہ کیفیتیں دیکھ کر اُس باغ سے دوسرے مکان میں چلا۔ وہاں ایسی بھیڑ تھی کہ اندر جانا مشکل ہوا۔ بڑی محنت سے اُس کے اندر گیا۔ ایک میز رکھا ہوا تھا اُس پر بارہ پیالہ شیشے کے چھوٹے اور ایک پیالہ پانی کا بھرا ہوا۔ صاحب مکان نے پردہ اُٹھایا۔ اکبارگی ایک رنڈی پریزاد نکلی۔ اس کے دیکھنے سے میری آنکھ میں ٹھنڈک آئی۔ عجب صورت رکھتی کہ چاند کو شرماتی۔ پردہ سے نکل کر اُس میز پاس آبیٹھی اور پانی کے پیالہ سے ہاتھ بھگو کر ان بارہ پیالوں کو بجاتی۔ اُن سے ایسی آواز نکلتی کہ دل کو بیتاب کرتی۔ اس کے سننے کے لئے سارا بدن کان ہوگیا اور صورت دیکھنے کے لئے ہر عضو آنکھ بنا۔ بہ خُدا اُس آواز کو جنگل میں اگر جانور سنتے، بیخود ہوکر مطیع اور فرماں بردار اُس کے ہوجاتے۔ میں حیران تھا کہ یہ رنڈی ہے یا پری جادو کر رہی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ پری پردہ میں گئی۔ دوبارہ پردہ اُٹھایا۔ اندر مکان

037 www.taemeernews.com

کے نظر آیا کہ بُت پتھر کے کھڑے ہیں۔ ہر چند اور بھی تماشے وہاں تھے۔ پر میرا ہمراہی گھبرایا کہ چلو یہاں سے۔ ناچار اُس کے کہنے سے گھر آیا۔

کراہنٹ صاحب مصوّر نے کلکتہ سے ایک خط اپنی بہنوں کے واسطے لکھ کر دیا تھا۔ میں تعویذ کی طرح اس کو اپنے ساتھ حفاظت سے رکھتا۔ تیئسویں تاریخ ستمبر کی اُس خط کو اُن کی بہنوں پاس لے گیا۔ دونوں بہنیں ان کی بن بیاہی تھیں۔ میرے ساتھ بہت اخلاق سے پیش آئیں۔ مہمانداری میں مصروف رہیں۔ میں نے شام تک ان کے ساتھ چاے پی اور کھانا کھایا۔ ان کی عنایت واشفاق کا شکرگزار ہوا۔ کیا خوب شہر لندن ہے، لوگ وہاں کے مسافروں پر ایسی عنایت کرتے ہیں کہ باپ بیٹوں کے ساتھ نہیں کر سکتے۔ فقیر نے سفر بہت شہروں کے کیے۔ مگر صاحبِ مروّت ایسے کہیں نہ پائے۔ انگریز جو ہندوستان میں آتے ہیں، مزاج بدل جاتے ہیں۔ ان لوگوں کو ان سے کچھ نسبت نہیں۔ ع:

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

مقام تاسف ہے کہ ہندوستان کے لوگ اس شہرِ جنّت نشاں میں نہیں پہونچتے ہیں تا کہ اپنی آنکھوں سے اُن لوگوں کے اخلاق کا حال دیکھتے اور جانتے۔ شام کو میں اُن سے رخصت ہو کر مکان پر آیا۔ بوقت رخصت کراہنٹ صاحب کی ماں اور دونوں بہنوں نے کہا تم پرسوں ضرور آنا اور بی بی لکی سے ملاقات کرنا۔ میں نے کہا بسر وچشم آؤں گا اور اُن سے بہرہ یاب ملاقات ہوں گا۔ بموجب وعدہ پچیسویں تاریخ ان کے مکان پر گیا اور ایک گاڑی کرایہ کر کے ہمراہ دونوں بہنوں کراہنٹ صاحب کے بی بی لکی کے گھر چلا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ کھانا پک رہا ہے اور تین بی بیاں اور انگریز بزم آرا۔ بی بی لکی اور سبھوں سے ملاقات ہوئی۔ بہت عنایت ہر ایک نے کی۔ بعد کھانے پینے کے باتیں شروع ہوئیں۔ ایک مصوّر نے تصوریں اپنے ہاتھ کی دکھائیں۔ نہایت خوب بنی تھیں۔ بعد اُس کے بی بی لکی کی بیٹی آئی

038
www.taemeernews.com

اور بین ہاتھ میں لائی۔ جب اُس کو بجانے لگی۔ قدرت خدا کی نظر آئی۔ کیا آواز تھی۔ اگر دریا پاس بجاتی۔ پانی بہتا رک جاتا۔ اگر صحرا میں وہ آواز پہونچتی، جانوروں کو راحت آتی۔ نکیسا(۱) اگر اُس کو سنتا۔ پردہ میں چھپتا۔ عمر اس کی چودہ برس کی۔ حسن و جمال میں بے مثل تھی۔ میں اس لیلیٰ وش کو دیکھتے ہی مجنوں بن گیا اور ٹکٹکی باندھ کر یہ شعر پڑھنے لگا۔

دامانِ نگہ تنگ و گل حسنِ تو بسیار
گل چین بہار تو زداماں گلہ دارد

اگر رتبہ سلطنت مجھ کو حاصل ہوتا اُس کے اوپر سے قربان کر کے غلامی اس کی اختیار کرتا۔ خلاصہ یہ کہ آدھی رات تک اُسی کیفیت میں رہا۔ جب اور لوگ رخصت ہونے لگے۔ میں بھی رخصت ہو کر اپنے مکان پر آیا۔ تمام رات اس ماہرو کو یاد کر کے ستارے گنتا رہا۔

ستائیسویں تاریخ بدھ کے دن بوچڑ صاحب کے مکان میں جا کر سیر دریا پر طبیعت لہرائی۔ ایک گاڈی کرایہ کی ٹھہرائی۔ بوچڑ صاحب اُن کے بھائی ولیم صاحب اور رڈک صاحب بخشی فوج بادشاہ ہی کو ساتھ لے کر اُس گاڈی پر سوار ہو کر کنارے دریا کے گئے۔ پھر ایک دھویں کے جہاز پر سوار ہو کر دریا کی سیر میں مشغول ہوئے۔ جہاز دودی پہلو بہ پہلو آتے جاتے پر ایک دوسرے سے ٹکر نہ کھاتے۔ یہ اُستادیاں کپتانوں جہاز کی تھیں۔ میں نے ان کی بہت تعریفیں کیں۔ لندن عجب شہر ہے۔ جدھر دیکھیے کیا دریا، کیا صحرا، کیا شہر ہر جا پر پریاں بیٹھی اختلاط کر رہی ہیں۔ دل عاشقوں کا پھسلاتی ہیں۔ جو کوئی زندگی میں بہشت دیکھا چاہے۔ اپنے تئیں اُس شہر میں پہونچاوے اور مزہ زندگی کا پاوے۔ یہ سیر دیکھ کر کنارے دریا کے پھر آئے اور توپ خانہ بادشاہی کے پاس کہ اس کا نام اولج(۲) ہے، اُترے۔ چاہا کہ اندر اُس کے جا کر تماشا دیکھیں۔ دربانوں نے منع کیا کہ بے پروانگی گورنر جرنیل کے مرد اجنبی یہاں جا نہیں سکتا۔ یہ سن کر میں مایوس ہوا۔ مگر رڈک صاحب نے

039
www.taemeernews.com

میرے لئے گورنر جرنیل کا حکم پہونچوایا۔تب میں اُس کے اندر گیا اور دو صاحبوں اور کو ہمراہ لیا۔ وہ وہاں کا حال بتلاتے اور عجائبات دکھلاتے ۔ایک طرف دیکھا توپ بنانے کی کل تھی۔لوہا وغیرہ پانی کی طرح پگھلا کر اُس میں ڈالتے اور توپیں ڈھالتے۔وہ اندر سے ٹھوس ہوتیں۔ گولی باروت کی جگہ نہ رکھتیں۔اس لئے ایک اور کل تھی کہ کولہو کے بیل کی طرح گھوڑے اُس میں جُتے ہوئے گرد گھومتے۔توپ کے منھ کو اس کے برابر رکھتے۔اور بقدر اندازہ کے اندر سے خالی کرتے۔ایک طرف دوسرا سانچا تھا۔اس میں لٹھے لکڑی کے ڈالتے۔اوزار جہاز اور اور چیزوں کے بناتے۔غرض وہ لوگ ایسی چالاکیاں کرتے کہ دیو اور جنات ان کو دیکھ کر چکراتے۔ایک جگہ اور نمونے جہاز جنگی اور اشیاء نادر کے رکھے۔ فرمائش شاہِ مصر سے چودہ توپیں تو بتیس یہی پانچ پینتالیس پنی بنی تھیں۔وہ بھی وہاں زمین پر پڑی تھیں۔سامنے ایک دیوار چوڑی استوار بنی، آزمائش توڑ گولی کے لئے تھی۔توپوں میں گیارہ گیارہ سیر باروت بھرتے۔اُس دیوار پر نشانے مارتے۔وہاں سے ایک اونچے پر گیا۔ نیچے دیکھا بیس ہزار توپیں نظر آئیں، چھوٹی بڑی۔ایک ندی سیاہ رنگ لہریں مارتی معلوم ہوتی۔توپیں قواعد کی اور جو ہر روز بنتیں اُن کے سوا تھیں۔ یہاں سے غور کیا چاہیے۔ جو لوگ ایسے صاحب عقل اور تدبیر ہوں۔ ہمیشہ انہیں کاموں میں مشغول رہیں کیوں کر حاکم ہفت اقلیم کے اور عالمگیر نہ ہوں۔ان سے مقابلہ کرنا گویا جنات سے لڑنا ہے۔ایک اور مکان میں سب سامان توپ خانہ کا تھا زین، لگام اور ساز چرمینہ گھوڑوں کا باختیاط رکھا۔اگر شاید کبھی ضرورت پیش آئے، بیس ہزار توپ جنگی مع گھوڑوں کے دو گھنٹے میں تیار ہوئے۔ بر خلاف ہندوستان کے وہاں اسباب بے احتیاطی سے ڈال رکھتے ہیں۔کیڑے اُس کو کھاتے ہیں۔ جب کام لگا کاریگروں کو بلاتے ہیں، شور وغل مچاتے ہیں اور حال یہ کہ اس سے کام کچھ نہیں نکلتا۔فقیر یہ حال دیکھ کر قواعد کے میدان میں گیا۔ وہاں پچاس ہزار سپاہی پیدل

040
www.taemeernews.com

قواعد کر رہے تھے۔ عجیب عجیب چالاکیاں کرتے۔ قریب اُس کے ایک بڑی توپ پڑی تھی۔ صاحبانِ انگریز نے قلعہ بھرت پور سے وہاں لے جا کر بطریق تحفہ(۱) رکھی۔ ایک اور مکان تھا کہ اُس میں ہتھیاروں ہندوستان کا انبار بے پایاں تھا۔ سوا اُس کے ہر قسم کے ہتھیار تھے اور نادر تحفے مصر کے کہ بونے پاٹ بعد فتحِ مصر کے لایا تھا، وہاں رکھے۔ معلوم ہوا کہ کوئی بادشاہوں لندن سے شوق ہتھیاروں کا رکھتا تھا۔ اُس نے توپخانہ میں یہ سلاح خانہ بنوایا اور ہتھیاروں کو اس میں جمع کیا۔ ایک گاڈی ٹوٹی بھی نظر آئی۔ اس سے مجھ کو حیرت چھائی کہ جہاں ایسے تحفے رکھے اور ہتھیار عمدہ جمع کئے اس ٹوٹی گاڈی کا کیا کام۔ اُس کا کیا آغاز و انجام۔ حال اُس کا وہاں کے نگہبان سے پوچھا۔ اُس نے جواب دیا کہ بونے پاٹ کی لاش کو اسی گاڈی پر رکھ کر لائے تھے اور اس ٹاپو میں کہ چاروں طرف اس کے سمندر ہے، دفن کرا ہے۔ مجھ کو اس بات کے سننے سے بہت رنج ہوا کہ زندگی چند روزہ کا کیا بھروسا۔ بونا پاٹ سا بادشاہ جو دس لاکھ فوج ملازم رکھتا اور سب بادشاہوں پر غالب آیا تھا۔ آخر کار کس بیکسی سے لاش اس کی گاڈی پر لائے۔ اور اسے جزیرۂ خراب(۲) میں سونپ آئے۔ ع:

دنیا ہیچ ست و کار دنیا ہمہ ہیچ

یہ ماجرا دیکھ کر وہاں سے پھرا۔

اٹھائیسویں تاریخ ستمبر کی، جمعرات کے دن، ایک گاڈی کرایہ کر کے اُس پر سوار ہوا اور کتاب خانہ شاہ لندن میں گیا۔ وہاں کتابوں عربی، فارسی، عبرانی، یونانی سریانی، انگریزی کا ایسا ڈھیر تھا کہ دُور سے بجائے خود ایک پہاڑ معلوم ہوتا۔ پاس اس کے ایک اور مکان اُس میں تصویر ہر عضو انسان کی موم سے بنی ہوئی۔ عضوِ اصلی سے فرق ایک بال کا بھی نہ رکھتی۔ ہر ایک رگ پٹھا صاف نظر آتا۔ بسبب برودت ہوا کے اس میں کبھی فساد نہ آتا۔ ایک الماری میں شیشہ کی، جسم مردہ کا تھا۔ اس کا بھی رگ پٹھا ظاہر تھا۔ میں نے حال اُس کا مکان دار سے

041
www.taemeernews.com

پوچھا۔ اُس نے بیان کیا کہ عرصہ تین ہزار برس کا ہوا کہ یہ مردہ مصر سے آیا اور اسی طرح رکھا ہے۔ جس کو شوق تحصیلِ علم ڈاکٹری کا ہوتا ہے۔ یہاں آکر رگ پٹھے دیکھتا ہے اور پہچانتا ہے۔ وہاں سے پھر کر شام کو بموجب طلب راجڑ صاحب کے مکان میں جا کر چاے پی۔ وہاں پادری ماٹ مر اور دو تین بی بیاں آئی تھیں۔ اُن سے مجھ سے باتیں ہوئیں۔ پہلے پادری صاحب نے کہا کہ ہم کو ہے مقام بڑے تعجب کا کہ سو برس سے پادری ہندستان میں جا کر وعظ ونصیحت کرتے ہیں۔ مگر ہندوستانی لوگ نہیں سمجھتے ہیں اور راہِ راست پر نہیں آتے ہیں۔ میں نے جواب دیا وہ لوگ آپ راہِ راست پر ہیں اگر پادری کے کہنے پر عمل نہ کریں، کیا تعجب کا مقام ہے۔ انھوں نے کہا، کیوں کر سیدھی راہ پر ہیں۔ بت پرستی کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ سے غافل ہوتے ہیں۔ میں نے کہا جیسے کوئی عاشق معشوق تک نہ پہونچ سکتا ہو اور دیکھنا اس کا منظور رکھتا ہو۔ ناچار وہ تصویر اُس کی سامنے رکھتا ہے اور اپنے دل کو اُس سے تسلی دیتا ہے۔ اسی طرح ہندو بت کو اپنے سامنے رکھتے ہیں۔ حقیقتاً اُس کو خدا نہیں جانتے۔ بلکہ خدا کو وحدہٗ لاشریک کہتے ہیں۔ اُنھوں نے یہ سن کر سکوت کیا، دوسرا کلام فرمایا کہ یہ ہم نے مانا، بیل اور درختوں کے پوجنے کا سبب کیا۔ میں نے کہا جس نے مذہب ہندوؤں کا ایجاد کیا مرد عاقل تھا ہندوستان میں گرمی بہت ہوتی ہے۔ مسافروں کو دھوپ سے ایذا ہوتی ہے۔ راہ میں جہاں کہیں درخت پاتے ہیں اُس کے سایہ میں بیٹھتے ہیں۔ اس صورت میں اگر موجد مذہب اُن کے کا درخت پرستی کا حکم نہ کرتا لوگ جڑ سے درخت کو کاٹ ڈالتے اور مسافروں اور جانوروں کو بسبب نہ ہونے سایہ کے بہت رنج پہونچتے۔ بلکہ قریب المرگ ہوتے باوجود اس تاکید کے اب بھی درخت کٹتے ہیں اور لوگ نہیں سمجھتے ہیں۔ اگر یہ اعتقاد نہ ہوتا خدا جانے کیا حال ہوتا اور کوئی درخت باقی نہ رہتا۔ گاؤ پرستی کا حال بھی یوں ہی ہے۔ اکثر امر ہندوستان کے بیل پر موقوف ہیں جیسے کھیتی اور سینچنا اور گاڑی میں بھی جُتیں۔ پس اگر گاؤ پرستی کا حکم نہ ہوتا۔ کوئی بیل

042
www.taemeernews.com

زندہ نہ بچتا۔ لوگ اُن کو کھا جاتے۔ ان سب باتوں میں ہرج واقع ہوتے۔ غرض یہ سب باتیں مصلحت کے واسطے ہیں۔ وحدانیت خدا میں کچھ دخل نہیں رکھتی ہیں۔ اگر کوئی نادان بیل کو خُدا جانتا ہے۔ جادہ پیمائے حماقت کا ہے۔ ہر روز کا نہانا، برتنوں کا مٹی سے دھونا، پکانے کی جگہ چوکا دینا، شراب نہ پینا، گوشت کا نہ کھانا یہ بھی فائدہ سے خالی نہیں۔ اس لئے کہ ہندوستان گرمی کی کان ہے۔ اگر نہ نہائیں وبا اور مرض میں گرفتار ہو جائیں۔ اگر شراب اور گوشت استعمال کریں۔ احتراقِ خون میں مبتلا ہو کر ہلاکت کو پہونچیں۔ پس یہ سب امر منفعت کے واسطے ہیں، نہ مذہب میں داخل ہیں۔ مگر ہندوؤں کے پیشوا نے ان باتوں کو ازراہِ دانائی اعتقادات میں شامل کیا کہ اس وجہ سے ان سب امروں کو ضرور ماننا پڑے گا۔ سوا اس کے آپ ملاحظہ فرمائیں۔ جو تلنگے یا مصدی ہندو نوکر شاہِ لندن کے ہیں اپنے اوپر کیا کیا مصیبتیں اُٹھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک وقت روٹی کھاتے ہیں اور اپنے ماں باپ کو خرچ بھجواتے ہیں۔ جب آپ رخصت لے کر گھر جاتے ہیں ہر طرح سے والدین کی خدمت کرتے ہیں اور اپنی کتاب اور پوتھی پر چلتے ہیں۔ پس کس طرح راہ راست سے ہٹے ہیں۔ صاحبانِ انگریز باوصف جاننے انجیل اور تحصیلِ علوم کے کیا عمل کرتے ہیں۔ باوجود امکان اور مقدور کے ماں باپ سے غافل ہو کر بیبیوں حسینوں کے ساتھ مشغول رہتے ہیں اور ماں باپ سے مطلق سروکار نہیں رکھتے۔ یہ بات آشکارا ہے کہ فرزند پھل زندگانی کا ہے۔ یعنی ماں باپ اُس سے بڑھاپے میں چین اُٹھاویں اور اس کی جہت سے آرام پاویں۔ جب اُن کو لڑکے سے کچھ فائدہ نہ ہوا مقام افسوس کا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کوئی تم میں سے عیب آدمیوں کا دیکھے گا، خداوند تعالیٰ اس کے گناہوں پر نظر کرے گا۔ یہ بھی فرمایا کہ اے اُمت کے لوگو! جہاں تک تم سے ہو سکے اپنے ہم قوموں سے کسی کو بھوکا پیاسا نہ رکھو اور محتاجوں کو اپنے پاس جگہ دے کر کھانا پانی دو۔ وگرنہیں تم نے مجھی کو بھوکا پیاسا رکھا، قیامت

043
www.taemeernews.com

کے دن تم پر اس کا عذاب ہوگا۔ اس زمانہ میں عیسائیوں کا حال یوں ہے کہ اپنی قوم کے بھوکے پیاسے کو عیب لگا کر نکال دیتے ہیں۔ ہرگز نان ونمک نہیں دیتے ہیں۔ اب تم سے انصاف چاہتا ہوں کہ ہندوؤں کو اچھا کہوں یا عیسائیوں کو۔ اگرچہ دینِ عیسائی اور دینوں سے بالذات بہتر ہے۔ لاکن کسی عیسائی کا عمل نہیں ہے اُس پر۔ پس پہلے اپنے ہم مذہبوں کو راہِ راست پر لانا چاہئے۔ بعد ازاں اوروں کو سمجھانا۔ جب یہ لوگ اپنے طریقے پہ قائم ہوئیں اور لوگ بھی ان کا کہنا مانیں اور پادریوں کے سمجھانے سے راہ پر آویں۔ آدمی جب آپ ہی عمل نہ کرے۔ دوسرے کو کیا سمجھا سکے۔ ویسی ہی مثل ہے۔ جیسے کوئی آپ شراب پئے اور بیٹے کو منع کرے۔ بھلا وہ کیوں کر مانے گا اور شراب پینے سے باز آوے گا۔ ایک شخص نے کہ نام اس کا یوسف تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا۔ وہ کون کام ہے کہ خداوند تعالیٰ بسبب اُس کے مجھ سے راضی رہے۔ فرمایا کہ خدا نے دس حکم جو کئے ہیں آدمیوں کی بھلائی کے لئے ہیں۔ اُن پر ہمیشہ عمل کیا کر بصدق ویقین۔ اس سے بہتر کوئی امر نہیں۔ یوسف نے کہا جب سے میں نے ہوش سنبھالا، ان ہی دس حکموں پر عمل کیا۔ آنحضرت نے فرمایا۔ جا سب مال اپنا خدا کی راہ پر لٹا کر میرے ساتھ آ۔ یوسف نے یہ سنتے ہی سر جھکایا اور کچھ جواب نہ دیا۔ حضرت عیسیٰؑ نے اپنے شاگردوں سے فرمایا کہ اونٹ کا نکلنا سوئی کے ناکے سے آسان ہے اُس سے کہ دولت مند خدا کی سلطنت میں داخل ہوے۔ غرض یہ امر ناامکان ہے۔ ایک روز ایک شخص نے آنحضرت سے پوچھا کہ آپ کے رہنے کی کون سی ہے جا۔ فرمایا کہ جانوروں، درندہ کو بہت جگہ ہے مگر میرے لئے اتنی جگہ نہیں کے سر رکھ کر سو رہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کب گھوڑے کی گاڈیوں پر معشوقۂ رعنا کے ساتھ سوار ہوکر بازار کی سیر کرنے جاتے تھے اور کب گرجے میں مخملی فرش پر نماز پڑھتے تھے۔ کب پَر بھرے بچھونے پر سوتے تھے۔ تم لوگ ہر طرح سے دلجمعی رکھتے ہو۔ خوشی سے رات سے دن کرتے ہو۔

044
www.taemeernews.com

زبانی دینداری کا دعویٰ۔ دل میں ذرا بھی خیال نہیں آتا۔ پادریوں کا وہ حال کہ مال میں مشغول ہو کر بی بیوں ساتھ گاڈیوں پر چڑھ کر سیر کرتے پھرتے ہیں۔ خدمت گاران کی اطاعت میں حاضر رہتے ہیں۔ راہِ خدا ایک کوڑی نہیں دیتے ہیں۔ غریبوں پر کم توجہی کرتے، بھوکے کو روٹی نہیں دیتے۔ زبانی وعظ و نصیحت کہتے ہیں اور آپ عمل نہیں کرتے، بھوکا روٹی روٹی پکارے۔ وہ نصیحتوں پر اُتارے۔ بھلا یہ کہاں کی دینداری ہے۔

ترک دنیا بمردم آموزند
خویشتن سیم و غلّہ اندوزند

حضرت عیسیٰؑ نے کب عیش و نشاط کے ساتھ زندگی بسر کی اور عبادت خدا کی میں کب کوتاہی کی۔ تم نے خزانہ جمع کیے۔ خدا کی راہ میں دو پیسے بھی نہ دئے۔ زبانی نصیحت کرنا تمہارا لوگوں کو کیا فائدہ بخشے گا۔ میں نے اکثر پادریوں سے ملاقات کی۔ ان کی فربہی اور جسامت سب سے زیادہ دیکھی۔ اگر عبادت اور ریاضت میں رہتے اس قدر موٹے نہ ہوتے۔ حضرت عیسیٰؑ نے یہ بھی فرمایا کہ قیامت کے دن سب لوگ اُمت میری کے، مجھ سے ملیں گے اور مجھ کو دیکھیں گے۔ تھوڑے اُن میں سے مقبول ہو کر مجھ تک پہونچیں گے اور بہت سے نامقبول ہو کر رہ جائیں گے۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ اگر کوئی جنیو پہنے اور بطور برہمنوں اور شاستر کے عمل نہ کرے، برہمن نہیں اور مسلمان فقط ختنے کرنے سے مسلمان نہیں ہوتا ہے۔ جب تک اپنے پیغمبر کے طریقۂ کار پر عبادت نہیں کرتا ہے۔ اسی طرح کوئی شخص پوشاک انگریزی پہننے سے عیسائی نہ ہو، جب تک حضرت عیسیٰؑ کی راہ پر قائم اور شناسائی نہ ہو۔ یہ مثل ویسی ہے جیسے کوئی کالے کپڑے پہن کر اپنے تئیں سپاہی بنا دے، وقت لڑائی کے حال شجاعت اُس کی کا کُھل جاوے۔ یوں ہی حال پرہیز گار اور ریا کار کا دن قیامت کے ظاہر ہوگا۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ ایک میم نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا تم نے جو ابدہی ہندوؤں کی

045
www.taemeernews.com

خوب کی۔ مسلمانوں کی بات باقی رہی۔ میں کچھ اُن کے مذہب سے بھی سوال کروں۔ اگر آپ آمادۂ بیان ہوں۔ میں نے کہا بہت اچھا۔ تب انھوں نے یہ کہا کہ مسلمانوں کے مذہب میں نکاح ایک مرد کا چار بی بیوں سے جائز ہوتا ہے ظاہرا یہ امر خلاف عقل نظر آتا ہے کہ ایک مرد چار عورتوں کی رفع حاجت کرے اور ہر ایک کی خیر گیری کی طاقت رکھے۔ میں نے جواب دیا کہ ابتدا ظہور اسلام میں حضرت محمدؐ کا ایمان تھوڑے سے لوگ لائے تھے۔ کافر خلاف اپنے جان کر بمقابلہ پیش آتے۔ جو کچھ شہید ہوتے اور بھی تھوڑے رہتے۔ لہٰذا پیغمبرؐ نے بمقتضائے مصلحت چار نکاح جائز رکھے۔ اس سبب سے لڑکے زیادہ پیدا ہوتے، اُمت کی زیادتی ہوتی گئی اور اسلام کی ترقی ہوئی اور یہ جو پیغمبرؐ نے گوشت سور کا کھانا، شراب کا پینا منع کیا، بہت سا اس میں فائدہ تھا۔ ملک عرب گرم اور آدمی وہاں کے جہل مطلق تھے۔ اگر گوشت سور کا کھاتے اور شراب پیتے، نشہ میں آکر لڑلڑ مرتے اور ہر طرح کے مرض میں مبتلا ہوتے۔ سوا اس کے سور کا پالنا کچھ محنت نہیں رکھتا ہے۔ فکر دانے چارے اس کی کا نہیں کرنا پڑتا ہے۔ وہ خود چر چگ کر پیٹ اپنا بھرتا ہے۔ عرب کے لوگ اس کو غنیمت جانتے اور پالتے۔ یاد الٰہی سے باز رہتے۔ پس یہ کیا خوب بات ہے گویا اُن کے لئے راہِ نجات ہے اور اُن کے ہاں پانچ وقت کی نماز اور وضو کا حکم ہے۔ فرمایئے اس میں کیا سقم ہے۔ آگے عرب کے لوگ بسبب جہالت کے بت پرستی کرتے تھے۔ اب نماز پنج وقتہ اور یادِ خدا میں مصروف رہتے ہیں۔ وضو باعثِ نفاستِ بدن ہے اور موجب صحت وسلامت تن اور ذبح کرنا جانوروں کا فائدے رکھتا ہے بے انتہا۔ تم خوب جانتے ہو کہ زیادہ ہونا خون کا باعث ہے امراض اور جنون کا۔ اس لئے وہ لوگ جانور کو ذبح کر کے خون بہاتے ہیں اور گوشت نفیس اُس کا کھاتے ہیں۔ اب فرمایئے کون سی بات اسلام کی قابلِ حرف گیریٔ جناب ہے۔ جو کوئی اپنے طریقہ پر قائم نہ ہو اس کا کیا حساب ہے۔ جیسے دین عیسائی بہتر ہے بالذات۔

046 www.taemeernews.com

مگر کوئی نہیں رکھتا ہے اُس پر ثبات۔ پس یہ خطا صاحبِ دین کی ہے، نہ نفسِ دین وآئین کی۔ پھر میں نے پادری صاحب سے کہا مسلمانوں میں ختنہ کرنا رواج رکھتا ہے یہ بھی سبب نفاست کا ہے نہ عیب وکراہت کا۔ آخر پادری صاحب نے پوچھا تمہارا مذہب کیا ہے میں نے کہا۔ بندہ بارہ برس کے سن سے اسی تحقیقات میں پھرتا ہے اور روز وشب اسی تلاش میں رہتا ہے مگر کسی دین میں ایسا شخص نہ پایا کہ حرص وطمع دنیا سے علاقہ نہ رکھتا ہو۔ بہت روز اُن فاضلوں کی صحبت میں کاٹے کہ ممبروں پر چڑھ کر وعظ ونصیحت کہتے اور روتے آخر جو اُن کو دیکھا، ہوائے نفسانی سے صاف نہ پایا۔ برسوں برہمنوں اور ہندو فقیروں کی خدمت میں رہا کہ شاید انہی سے ہاتھ لگے راہِ راست کا پتا۔ بعضے فقیروں کو دیکھا کہ درختوں سے پانوں باندھ کر اُلٹے لٹکتے۔ بعض شدتِ گرمی میں آگ تاپتے لیکن جب خوب غور کیا سوائے مکر و فریب کے کچھ نہ پایا۔ اسی طرح پادریوں پاس اکثر رہا۔ ان کو بھی بموجب حکم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے روپیہ کی طلب سے خالی نہ پایا۔ آخر لا چار ہوکر مذہبِ سلیمانی(۱) اختیار کیا۔ اُس کو سب سے اچھا جانا۔ وہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان نے فرمایا ہے۔ بنی اسرائیل میں مجھ سا بادشاہ کوئی نہیں ہوا۔ حق تعالیٰ نے سب نعمتیں جہاں کی مجھ کو دیں۔ نہیں طاقت شکر اس کے کی میرے تئیں۔ اتنی مدّت میں میں نے خلاصۂ مطلب یہ سمجھا، نیک بخت وہ شخص ہے جو کسب اور وجہ حلال سے معاش پیدا کرے۔ اس میں سے کچھ آپ کھاوے باقی کچھ غریبوں کو دے۔ بد بخت وہ ہے کہ گدھے کی طرح بوجھ روپے کا اپنے اوپر اُٹھاوے۔ نہ آپ کھاوے نہ کسی کو کھلاوے۔ نہ دن کو آرام پاوے۔ نہ رات کو سووے۔ یکا یک اُس کی موت آوے۔ جہاں سے لے جاوے۔ وہ بیکسی سے مرے اوروں کے لئے مال اپنا چھوڑے۔ جیسے کتا مرے۔ نہیں معلوم روح اُس کی بہشت میں یا دوزخ میں پڑے۔ اسی طرح بعد مرنے کے روح نہیں ثابت ہوتی ہے کہ کہاں جاتی ہے۔ اسی قول پر مذہب

047
www.taemeernews.com

بندے کا ہے کہ خداوند تعالیٰ کو برحق جانتا ہے۔ بدکاری، چوری اور سب گناہوں کو بد سمجھتا ہے۔ ہر وقت ہر کام کے لئے مقرّر رہوا۔ سونے کے وقت سونا۔ کھانے کے وقت کھانا۔ جیسے کہ کسی بزرگ نے کہا۔ کل امر مرہون باوقاتہا۔ بندہ یہ جانتا ہے کہ خدا نے جو کچھ پیدا کیا ہے، آدمی کے واسطے ہے۔ مگر آدمی کو تمیز کھانے کی چاہیئے کہ اعتدال سے تجاوز نہ کرے۔ میں نے بے دھڑک مذہب اپنا ظاہر کیا۔ بھروسہ خدا پر رکھا۔ چاہے کوئی بھلا جانے، چاہے بُرا مانے۔ مثل: راجہ روٹھے نگری راکھے۔ رام رسے کت جاندا۔ میری ان باتوں سے سبھوں نے سکوت کیا۔

بعد اس کے رخصت ہو کر اپنے گھر آیا اور تیئسویں تاریخ ستمبر کے روز ہفتہ کے ڈابیہ رام(۱) میں گیا۔ جب اندر جانے کا ارادہ کیا۔ آنکھوں میں اندھیرا چھایا۔ اس سبب سے ہاتھ میرا ایک عورت کے کندھے پر جا پڑا۔ سخت ندامت زدہ ہوا۔ اکبارگی روشنی چمکی، شکل ہیکل حضرت پالوس کی نظر آئی۔ زمین اُس کی سنگ مرمر کی تھی۔ دونوں طرف کے ستوں بھی ایسے ہی قربان گاہ کے مقابل تصویر پوپ کی رکھی۔ دفعتہً اس ہیکل میں آگ لگی اور چھت گری۔ اُس میں سے آسمان نظر آتا۔ فرش زمین میں جو سنگِ مرمر سے بنا تھا نہ ثابت ہوا کہ کیا ہو گیا تصویر پوپ کی بھی ٹوٹ گئی مگر قربان گاہ اپنی حالتِ اصلی پر رہی۔ بعد اس کے جس زمین پر بندہ اور دو تین انگریز اور بی بیاں بیٹھی تھیں۔ اپنی جگہ سے ہلی۔ ایک گاؤں میں جا کر پہونچی۔ نام اُس کا الکتا۔ بہت آباد وسیع لطیف تھا۔ گرد اس کے ہر طرف پہاڑ بلند۔ رات بسبب چاندنی کے دن سے دہ چند۔ چراغ اور شمعیں روشن تھیں اکبارگی پہاڑ سے آوازیں ہیبت ناک آئیں۔ برف کا ایسا طوفان آیا کہ شمع اور چراغوں کا نور جاتا رہا۔ اندھیرا چھا گیا۔ کلیساؤں میں گھنٹا بجا کہ یہ وقت ہے قہر و آفت کا، سبھوں کو چاہیئے کریں ذکر خدا کا۔ یہاں تک کہ کوئی مکان نہ دکھائی دیتا۔ مگر کنگرہ کلیسا کا نظر آتا۔ بعد عرصہ کے ثابت ہوا کہ صبح ہوئی

048 www.taemeernews.com

آفتاب بدستورِ مقرّر پچھّم سے نکلا۔ میں ہرگز نجانتا کہ یہ سب پہاڑ گانوں خیال ہے اور شعبدہ۔ لاکن درحقیقت یہ سب طلسمات تھا اور صاحبانِ فرنگ کا کمالات۔ مگر مجھ کو ہرگز یقین نہ آیا کہ یہ سب ہی طلسم بنا ہوا۔ بلکہ دوایک شخصوں سے تکرار کی اور اُس کے طلسم ہونے کا انکار۔ پھر ظاہر ہوا۔ انھیں کا قول سچ تھا۔ یہ طلسم دل کو بہت بھایا۔ یہ ہیکل بعینہٖ نقشہ اُس ہیکل کا تھا کہ کنسٹان تینا (۱) کے بادشاہ نے روم کی پچھّم طرف آدہ کوس فاصلے پر بنوائی تھی۔ عرض اُس کا ایک سو اڑتالیس فٹ اور دو سو فٹ کی لنبائی۔ گھیر مرمر کے ستونوں اُس کے گیارہ فٹ آٹھ اُنگل۔ فرش زمین اُس کی کامرمر سے بالکل۔ ایک قربان گاہ اُس میں بنی۔ مقابل اس کے تصویر پوپ اور ایک عورت کی کھڑی۔ جب وہ ہیکل قریب طیاری کے پہونچی۔ سن اٹھارہ سو تیئس عیسوی میں سولھویں تاریخ جولائی کے اُس کی چھت میں آگ لگی۔ یہاں تک کہ جل کر گری۔ ہر ایک ستون ٹکڑے ٹکڑے ہوا۔ فرش سنگِ مرمر کا بھی جل کر گم ہوگیا۔ تصویر پوپ اور اُس عورت کی بھی ٹوٹ گئی۔ مگر قربان گاہ بدستور رہی۔ یہاں کی ہیکل طلسمی جو میں نے دیکھی وہیں کی نقل تھی پر اصل معلوم ہوتی۔

پہلی اکتوبر ۱۸۳۷ء کے بندہ تاج گھر گیا۔ اُس کا نام رائل سری ٹیاٹر (۲) تھا۔ کئی شعبدہ باز عرب سے وہاں آئے تھے اپنے اپنے کمال دکھلاتے۔ ایک نے اُن میں سے نو آدمیوں ہمراہیوں اپنے کو برابر کھڑا کر کے ننگی تلواریں ہاتھ میں دیں۔ انھوں نے بموجب اس کے کہنے کے ہاتھ اُٹھا کر تلواریں علم کیں۔ وہ شخص پھلانگ مار کر اُن تلواروں کے اوپر سے کود جاتا۔ ایک طرف ایک موٹا کپڑا بچھا تھا، اُڑ کر کبوتر کی طرح اس پر جا بیٹھا۔ بعد اس کے ایک لکڑی کھڑی کی، اُس کے اوپر ایک تھالی جمائی۔ اُس میں ہاتھی دانت کے مہرے رکھے۔ ہر ایک قلابازی کھا کر اُچھل کر اُس تھالی سے مہرہ ہاتھ سے اُٹھاتے، اُن کی چالاکیاں دیکھ کر ہم حیران ہوئے۔ اسلئے کہ ویسے کرتب والے دکھن اور مچھلی بندر میں بھی نہ دیکھے تھے۔

049
www.taemeernews.com

دوسری تاریخ اکتوبر کی پاڑلی صاحب نے دعوت کر کے اپنے گھر بلایا۔ میں وہاں جا کر بہت خوش ہوا۔ دونوں بہنیں گران صاحب کی اور اور پریاں اُس مجلس میں بیٹھی شراب پیتیں۔ ایک مرد ضعیف بھی بیٹھا تھا۔ ذکر علم ریاضی اور گردشِ فلکی کا درمیان لایا۔ میں نے لطائف الحیل سے اُس کو ان قصوں سے روکا۔ پر وہ اس ذکر سے باز نہ آیا۔ لاچار ہو کر صاف صاف کہا کہ میں فن تحصیلِ معاش کا جوہر آدمی کو ناگزیر ہے نہیں رکھتا ہوں، علم نجوم اور ستاروں کا کہاں سے لاؤں۔ یہ کہہ کر اُس کی طرف سے منھ پھیرا پریوں کے ساتھ شراب پینے لگا۔ مجلس رقص وسماع کی گرمی رکھتی۔ رات بہت کیفیت سے کٹی۔ صبح کو اُس بڈھے کو دیکھا، کرسی پر بے خبر سوتا۔ کسی نے کہا یہ سوتا ہے۔ میں نے کہا نہیں خیال ستاروں میں ڈوبا ہے۔ جگانا ضرورت نہیں رکھتا ہے۔

تیسری تاریخ وہاں سے اپنے گھر آیا۔ تنہا ملول بیٹھا تھا۔ چھوٹے بھائی بوچڑ صاحب کے آئے۔ کلام خاطر داری کے زبان پر لائے کہ اے یوسف خان تو کیوں آزردہ ہے۔ میرے ساتھ سیر کو آ۔ میں بپاس خاطر اُن کے ساتھ چلا۔ اُس مکان میں لے گئے کہ عجائبات خطۂ یونان کے وہاں تھے۔ انگریزوں نے ان چیزوں کو گڑھوں اور تہ زمین سے پایا۔ اُس مکان میں تماشے کے لئے رکھا۔ سوائے اور عجائبات کے ایک صندوق پتھر کا وہاں نظر آیا۔ اُس کے اندر ایک کھوپڑی کاغذ کی طرح صاف تھی گرداس کے حمائل زریں لپٹی۔ جس کی وہ کھوپڑی تھی اُسی کی تلوار بھی اُس صندوق میں رکھی۔ چھلنی کے مانند مشبک ہوئی۔ بسبب اس کے کہ مدّت تین چار ہزار برس کی اُس پر گزری۔ گرد صندوق کے خط یونانی زبان قدیمی میں حال اور نام اُس نامدار کا لکھا تھا۔ مگر مجھ سے بسبب نا آشنائی اُس زبان کے پڑھا نہ گیا۔ اُس کے ہاتھ لگنے کی یہ صورت ہے کہ ایک دفعہ انگریزوں نے زمینِ یونان کھودوائی۔ تہ زمین میں صورت اُس صندوق کی نظر آئی۔ بہت شوق سے اُس کو نکالا اور یہاں لا کر رکھا۔

050
www.taemeernews.com

بندہ صاحبانِ لندن کے اخلاق کا حال بیان نہیں کرسکتا ہے۔ ایک دوسرے پر سبقت رکھتا ہے میرے مکان پر آکر تسلی دیتے اور باوجود اجنبیت کے اپنا ہمراز مجھ کو کرتے۔ حال وہاں کا دیکھ کر ہم اپنے گھر آئے۔ شام کو بوچڑ صاحب کے بھائی میرے پاس آکر اپنے ساتھ سیر کو لے چلے۔ راہ میں دو پریاں نظر آئیں۔ دوکان پر بیٹھی قہوہ پلاتیں۔ ایک نگاہ سے دل تماشائیوں کا پھسلاتیں۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا قہوہ پیو۔ اس نے جواب دیا پھرتی دفعہ پی لینا۔ میں نے کہا زندگی کا کیا اعتبار۔ پھر آنے کا کیا اقرار۔ اگر اتنی دیر میں چراغِ زندگی بجھے۔ یہ آرزو دل ہی میں رہے۔ یہ شہر میرے نزدیک جنت المادی ہے، اگر بخوبی نہ دیکھا اور آدمیوں کو نہ پہچانا کیا فائدہ۔ آخر وہ راضی ہوئے وہ دوکان پر ٹھہرے۔ قہوہ نوشی کے حیلہ سے اُن کے نظارے کیے۔ بعد اس کے اپنے گھر پھرے۔

آٹھویں تاریخ اکتوبر کی کپتان لاڈ صاحب کے ساتھ موضع ٹیٹرس ہل (۱) میں گیا۔ وہ گورستان ہے انگریزوں کا۔ لندن سے بہت فاصلہ رکھتا۔ سبب دُور گاڑنے مُردوں کا یہ تھا کہ مبادا روم یا مصر کی طرح بسبب مُردوں کے متعفن ہو ہوا۔ مصر اور روم میں وبا اکثر آتی ہے۔ باعث اس کا یہی ہے کہ عین شہر میں بہت تکیے ہیں۔ مردے وہیں دفن کیے ہیں۔ موضع ٹیٹرس ہل بلندی پر واقع ہوا ہے۔ وہاں سے تمام لندن نظر آتا ہے۔ ایک کلیسا بھی اُس میں خوب بنا ہے۔ اس مقام کو بنظرِ غربت دیکھا۔ پھر کپتان صاحب کے مکان پر آکر کھانا کھایا اور عرض کیا۔ مدت سے آرزو رکھتا ہوں کہ ہیکل یہودیوں کو دیکھوں۔ کپتان صاحب نے لی بیسن یہودی جوہری کے مکان پر لے جا کر مجھ سے ملاقات کروائی۔ اُس نے بہت اخلاق اور محبت سے ملاقات کی اور مہربانی فرمائی۔ مجھ سے اُس سے دیر تک ہر مقدمہ میں خاص مذہب کے باب میں گفتگو رہی۔ آخر اُس نے خوش ہو کر یہ بات کہی کہ کل ہماری عید کا دن ہے۔ اگر تم آؤ اپنے ساتھ ہیکل میں لے چلوں، لطف وہاں کا تمہیں دکھاؤں۔

051
www.taemeernews.com

میں دوسرے دن بموجب وعدہ اس کے مکان پر آیا۔ وہ مجھ کو اپنے ساتھ ہیکل میں لے گیا۔ عمارت اس کی عالی تھی۔ ظروف پرستش کے طلائی، سامنے اُس کے ایک قربان گاہ بنی۔ مگر کلیسائے انگریزوں کی سی اُس میں نفاست نہ تھی۔ بہت یہودی اپنے طریقے سے نماز پڑھتے تھے۔ مگر دل سے ہرگز متوجہ نہ تھے۔ ظاہر میں عبادت تھی۔ باطن میں شقاوت۔ کاہن یعنی پیشوا اُن کے قریب منبر کے بیٹھے سبھوں کی طرح بیدلی سے نماز پڑھتے۔ ایک طرز اُن کی مجھے پسند آئی۔ وہ امر یہ تھا کہ عورتیں یہودیوں کی اوپر کے درجے میں تھیں، وہاں مردوں سے کوئی نہیں۔ انگریزوں کے کلیساؤں میں یہ بات نہیں پاتا ہوں کہ رنڈیاں مردوں سے جُدا ہوں۔ اُن کا عبادت خانہ دیکھ کر دل میں آیا کہ اگر قابو پاؤں، اُن کی رنڈیوں کو اچھے باغ میں رکھوں۔ مردوں کو گھوڑوں اور کتّوں کی خدمت پر مقرر کر کے شکارگاہ میں دوڑاؤں۔ مگر انتظام اور عمل انگریزوں کا ایسا ہے کہ ہاتھی چیونٹی سے ڈرتا ہے۔ لاچار رخصت ہو کر گھر آیا۔

بعد چند روز کے لی بیسن نے مجھ کو ایک رقعہ لکھا کہ کل ہماری عید ہے۔ اگر تم آؤ عنایت سے نہیں بعید ہے۔ میں دوسرے دن بموجب طلب گیا۔ دربانوں نے اندر جانے نہ دیا کہ اُس وقت کوئی آدمی سوا یہودیوں کے نہیں جا سکتا ہے۔ تمہارا آنا کہاں سے ہوتا ہے۔ آخر جب لی بیسن کو خبر ہوئی۔ اپنے ساتھ اندر لے گیا۔ اپنے زمرے میں اچھی جگہ مجھ کو بٹھایا۔ وہ سب میرے جانے سے حیران ہوئے۔ سبھوں کے چہرے پر آثارِ ملال نمایاں ہوئے کہ اس وقت مرد اجنبی غیر قوم کا اپنے ہاں لانا راہ دانائی سے بعید ہے۔ لی بیسن نے کہا۔ اپنی جماعت سے کہ اس شخص سے پوچھو، مذہب تمہارا کیا۔ ایک شخص جو اُن سبھوں میں ممتاز تھا میری طرف متوجہ ہو کر حال مذہب کا پوچھنے لگا۔ میں نے ایسا جواب دیا کہ بہت راضی ہوا۔ آخر اُس نے بھی یہی کہا کہ ہم کو تعصب نہیں مذہب کا۔ اگر بنظرِ انصاف دیکھئے اور دل میں غور کیجئے۔ مآل سب مذہبوں کا ایک ہے۔ بعد اس کے میں حال ان لوگوں کا

052 www.taemeernews.com

دیکھتا رہا۔ انھوں نے ایک مکان گنبد دار پھولوں کا بنایا۔ اس کے اندر دو تین کاہنوں کو بٹھلا کر کھانا کھلایا۔ وہ لوگ اپنے کاہنوں کی تعظیم بادشاہوں کی مانند کرتے ہیں۔ بجا آوری احکام اُن کے میں مستعد رہتے ہیں۔ بادشاہ انگلستان کا بھی اُن کی عزّت کرتا ہے اور معزّز رکھتا ہے۔ میں یہ حال دیکھ کر اپنے گھر آیا اور یہ سنا کہ نویں تاریخ نومبر کی جمعرات کے دن جلوس کوئن وکٹوریا کا کل ڈھال (۱) میں ہوگا۔ یعنی اجلاس تخت سلطنت ابتدا اُسی دن ہوا تھا۔ اُس روز کے جلوس دیکھنے کو لوگ منزلوں سے آکر جمع ہوتے ہیں۔ ٹڈّیوں کی طرح ہر طرف کے رئیس امیر دیکھنے کو آتے ہیں۔ اُس روز کلڈھال کے نزدیک مکان کرایہ کا نہیں میسر آتا۔ مجھ کو اس جلوس کے دیکھنے کا شوق غالب ہوا۔ چند روز پیشتر سے ایک مکان قہوہ خانہ کے بائیں طرف قریب کلڈھال کے ایک دن کیلئے ایک اشرفی کرایہ کا ٹھہرایا۔ جس روز جلوس ہوا۔ صبح ہی اُٹھ کر اس مکان میں چلا۔ راہ میں ایسا ہجوم تماشائیوں کا تھا کہ اس مکان تک پہونچنا دشوار ہوا۔ بہ ہزار دقّت جا پہونچا۔ بعضے شخصوں کو دیکھا کہ مکان کرایہ کا ڈھونڈھتے۔ دو سو روپیہ ایک دن کا کرایہ دیتے۔ مگر ہاتھ نہ لگا۔ ایسا آدمیوں کا انبوہ تھا کہ بیان نہیں کرسکتا۔ میں اُس مکان میں بیٹھا۔ سواری آنے کی راہ دیکھتا۔ دن قریب ڈیڑھ پہر کے آیا۔ ترشح مینھ کا شروع ہوا۔ اس سبب سے جلوس ہمراہی شاہزادے میں کمی تھی۔ دوپہر پر دو بجے سواری آئی۔ وقت سوار ہونے شاہزادی کے گھنٹے کلیساؤں میں بجنے لگے۔ لوگوں کو اس امرِ خیر سے خوشخبری دینے لگے۔ سب سے پہلے سردار اور منصب دار گھوڑوں پر سوار کلڈھال میں داخل ہوئے۔ بعد اُن کے ارکانِ دولت اعیان سلطنت چار چھ گھوڑے کی گاڈیوں پر سواروں کے شامل ہوئے۔ گھوڑے گاڈیوں کے اصیل ولایتی قدم باز راہوار۔ سب ساز اُن کا جڑاؤ نہایت آبدار۔ نوکر پوشاک زرینہ وزربفت پہنے، ایک دوسرے سے زیادہ بنے ٹھنے۔ پھر سواری وزیرِ اعظم لاڈمیر (۲) کی آئی۔ بعد اس کے گاڑی ملکہ جم جاہ کی نمو ہوئی۔

053
www.taemeernews.com

گاڑی ستھری جواہر جڑے۔ آٹھ گھوڑے سمند اُس میں لگے۔ صورت و سیرت میں سب برابر تھے۔ ایک ذرّہ آپس میں فرق نہ رکھتے۔ اگر ایک چھپایا جاتا۔ دوسرا سامنے آتا۔ دھوکا اُس کا اُس پر ہوتا اور ہرگز فرق نہ ثابت ہوسکتا۔ ویسے گھوڑوں کی صورت دیکھنا مجھ کو پھر نہ نصیب ہوئی۔ بھوک پیاس اُن کے دیکھنے سے بھولی۔ اصیل اور قدم بازی میں چاق۔ خوبی میں ہر ایک یکتائے آفاق۔ جب وہ گاڑی اگاڑی بڑھی، میرے قریب آئی۔ دو تصویریں رومیوں کی قدِ آدم اُس میں کھڑی تھیں۔ میں سمجھا دو رومی زندہ ہیں، تصویریں نہیں۔ جب خوب غور سے دیکھا شبہ مٹا۔ ملکہ مہر سیما کوئن وکٹوریا مع اپنی والدہ ماجدہ کے اُس پر سوار تھیں۔ چاند صورت، سورج طلعت دکھائی دیتیں۔ تخمیناً عمر میں اٹھارہ برس کی۔ مجمع شرم و جمال وعفت بے شمار تھیں۔ میں نے صورت دیکھتے ہی دل میں دعا کی۔ یا اللہ گاڑی ملکہ کی میرے پاس پہونچ کر ایک لحظہ ٹھہرے، خدا نے سن لی۔ جب گاڑی میرے سامنے آئی، ایک ساعت رُکی، چہرۂ نورانی ملکہ کا میں نے بغور دیکھا، نمونہ قدرتِ ایزدی کا پایا۔ آداب تسلیمات بجالایا۔ نگاہِ عنایت سے میری طرف دیکھ کر تبسم فرمایا۔ ان کی ماں نے بھی دیکھا۔ میں خوشی سے پھولوں نہ سمایا اور دل میں دعائیں دیتا رہا کہ یا اللہ اس کی سلطنت کو کبھی زوال نہ ہوے۔ ہمیشہ زیادتی اور کمال ہوتا رہے۔ غرض قدوم میمنت لزوم سے کلڈھال رشک گلزار ہوا اور وہ میدان کثرتِ فوج و سپاہِ وردی پوش سے رشکِ لالہ زار۔ ایک رسالہ سواروں مشکی گھوڑوں کا زرہ اور خود پہنے نظر آیا۔ ہر ایک کی موچھیں کھڑی، کمال ہیبت اور شان سے ٹولیاں باندھے قدم باقدم برابر جاتا۔ تماشائیوں کو اُن سے ہرگز صدمہ نہ پہونچتا۔ سوا اُن کے بہت توزک سے اور فوج مسلح تھی۔ دیکھنے سے اس کے بہت ہیبت آتی۔ القصہ فوج بادشاہی اور تماشائیوں کا ایسا اژدہام تھا کہ بیان میں نہیں سماتا۔ سننے میں آیا کہ اُس جلوس میمنت مانوس میں ڈیڑھ کڑور روپیہ صرف ہوا۔ فقیر نے تیسرے پہر کا کھانا وہیں کھایا۔ شام

054 www.taemeernews.com

کو اپنے گھر آیا۔ اثنائے راہ میں چراغ فانوس روشن تھے۔ چاند، سورج، ستارے روشنی کے ایسے بنے کہ چمک دمک میں مہر و ماہ و ستاروں سے ڈِگتے۔ دوکانوں پر دوشالے رومال سرخ سرخ، کارِ کشمیر کے رکھے اور ہر طرح کی چیزیں، اسباب عجیب و غریب وہاں تھے۔ نہیں معلوم بایں افراط کہاں سے ہاتھ آئے۔ ہر پریزاد فرنگ کے خوشی سے راہ میں آتے جاتے۔ ہر ادا سے اعجازِ مسیحائی دکھاتے۔ مرد رنڈیاں پہلو بہ پہلو خوش رفتار۔ جیسے جنت میں حور و غلمان نمودار۔ دوکان نان بائیوں کی نعمتوں سے بھری۔ فریفتہ ہوا جس کی نظر اُس پر پڑی۔ لوگوں کی بول و چال و دیدارِ حسن و جمال مجھ کو خواب و خیال معلوم ہوتا۔ ورنہ بیداری میں ایسی کیفیت دیکھنا محال تھا۔ فی الواقعی جو دیکھا خیال ہی تھا کہ اب اس کا دیکھنا میسر نہیں آتا۔ بلکہ جس سے وہ حال کہتا ہوں اعتبار نہیں کرتا۔ اگر اپنی آنکھوں سے دیکھے تو مانے۔ اسی طرح سب کام دنیا کے خیال ہیں۔ لذّات اس کی سریع الانتقال۔ کوئی کیفیت اس کی برقرار نہیں رہتی۔ کوئی لذّت اعتبار نہیں رکھتی۔ عاقل کو چاہیے کام آج کا کل پر نہ ڈالے شاید کل کوئی اور سانحہ پیش آئے۔

کہ داند کہ فردا چہ خواہد رسید
زدیدہ کہ خواہد شدن نا پدید

رباعی

دنیا خوابے ست کش عدم تعبیر ست
صیدِ اجل ست چہ جوان و چہ پیر ست
ہم روی زمین پرست و ہم زیرِ زمین
ایں صفحۂ خاک ہر دو رو تصویر ست

گیارھویں تاریخ نومبر کے الود بوچڑ صاحب میرے مکان پر آئے۔ اپنے ساتھ

055 www.taemeernews.com

کلڈھال کا تماشا دکھانے لے گئے، جہاں جلوس شاہی ہوا تھا۔ کوئی اُس کے اندر بے ٹکٹ جانے نہ پایا۔ مگر جو چٹھی رکھتا ہوتا، البتہ جا سکتا، اس لیے اُنہوں نے اپنے باپ سے ٹکٹ لے لیا تھا۔ اُس ذریعہ سے میں بھی کلڈھال کے اندر گیا۔ وہاں کا خوب تماشا دیکھا۔ برابر میز لگی ہوئی تھی۔ اُن پر ظروف نقرہ وطلائی رکھے۔ سب سے آگے میز بادشاہی لگا۔ اُس کا عجب ٹھاٹھ تھا۔ دستر خوان زربفت کا، مقیشی جھالر لگا ہوا اُس پر بچھا۔ بہت برتن سونے چاندی کے برابر چنے۔ جھاڑ شیشہ بلور کے کی چھت اور دیوار پر لٹکے۔ برابر اُس میز کے ایک کرسی زرنگار، مقابل اس کے چھت سے لٹکتا ایک چترِ طلائی بشکل تاجِ شہریار۔ وہ کرسی اور میز خاص مقام اجلاس شاہزادی کا تھا۔ عمدہ اسباب بادشاہی وہاں رکھا۔ تصویریں امیرانِ نامدار کی دیوار میں لگیں۔ اُن سب نادر چیزوں کے دیکھنے میں مصروف تھے، سارے تماشا بین۔ میں نے دیر تلک تماشا دیکھا۔ پھر بھی وہاں سے نکلنے کو جی نہ چاہتا۔ بلاچاری مکان پر آیا، انگلستان میں ایسی ایسی عجیب چیزیں اور تماشے دیکھے کہ ہندوستان میں کانوں بھی نہ سُنے تھے۔ خدا اُس شہر کو قیامت تلک قائم رکھے اور وہاں کے فرماں روا کو مدد بخشے۔

عجب شہر ہے وہ عجب شہر یار
پُراز حکمت ولطف ہے وہ دیار

تیرھویں تاریخ نومبر کی ایک شخص کے ساتھ ماڈم ترساد(۱) میں گیا۔ جب قریب اُس کے جا پہونچا۔ اپنی آنکھ سے دیکھا کہ ایک مجلس آراستہ ہے۔ اُس میں نامدار بیٹھے۔ میں نے اُس ساتھی سے کہا۔ تو مجھ سے ہنسی کرتا ہے کہ بے تعارف وشناسائی امیروں کی محفل میں لے چلتا ہے اُس نے کہا، یہ تصویریں امیروں کی موم کی بنی ہیں۔ صاحبانِ تصویر کچھ مرے کچھ جیتے ہیں۔ میں یہ سن کر سخت متحیر ہوا۔ اُس کا کہنا ہرگز یقین نہ ہوتا مگر ڈرتے ڈرتے آگے بڑھا۔ یہاں تک کہ قریب تصویروں کے پہونچا۔ تو بھی یہ شبہہ نہ مٹا کہ امیر زندہ ہیں یا

056
www.taemeernews.com

تصویریں اِستادہ۔ آخر اُس شخص نے میرے رفع شک کے لئے ایک تصویر کے منہ پر ہاتھ رکھا۔ ہرگز سر یا ہاتھ اُس نے نہ ہلایا۔ تب میں نے بھی گستاخ ہوکر چہروں پر ہاتھ رکھا اور اُن کے تصویر ہونے کا یقین لایا۔ ایک طرف تصویر وکٹوریا شاہزادی کی اور والدین اُس کے کی بنی تھی۔ میں نے دیکھتے ہی تسلیم بجالانی چاہی۔ اس نے کہا یہ بھی تصویر ملکہ کی ہے، نہ ملکہ اصلی ہے۔ بخدا ایسی تصویر کہ اصل اپنی سے سرِ مُو تفاوت نہ رکھتی۔ لباس، رنگ، قد وقامت میں تل بھر کم وبیش نہ تھی۔ اسی سبب سے دیکھنے والے کو اصل اور نقل میں تمیز نہ ہوتی۔ تصویریں مومی شیکس پیر(۱)، لاڈ بائرن (۲)، سر والٹر سکاٹ (۳) شاعروں ذی رتبہ کی کھڑی تھیں۔ ایسا ثابت ہوتا کہ شعر وسخن میں طبیعتیں اُن کی لڑیں۔ اسی طرح لاڈ نلسن سپہ سالار جہاز جنگی اور کئی بادشاہوں انگلستان کی مثل ولیم اور جارج کے اور کئی بادشاہوں روس اور کئی رہزنوں کی تصویریں مومی بنی تھیں۔ سوا اُن کے اور کتنوں کی کہ دیکھنے والوں کو زندہ معلوم ہوتیں۔ جن کی وہ نقل تھی، اگر سامنے ہوتے دیکھنے والے اصل اور نقل میں تمیز نہ کر سکتے۔ فقیر یہ مکانِ ارزنگ نشان دیکھ کر اپنے گھر آیا۔

دیب صاحب نے بتقریبِ ضیافت مجھے طلب فرمایا۔ بموجبِ طلب بائیسویں تاریخ نومبر کی، میں ان کے مکان پر گیا۔ ازانجا کہ مہمان نوازی طریقہ رئیسوں کا ہے، خاص طرز انگریزوں کا۔ انھوں نے بہت اشفاق فرمایا اور اپنی دولڑکیوں پری پیکر پاس بٹھلایا۔ میز پر ہر قسم کا کھانا پینا نعمتوں کا چُنوایا۔ اپنے ساتھ مہربانی سے کھلایا۔ میں درمیان اُن دونوں گلوں کے کانٹا معلوم ہوتا۔ جب کھانا کھا چکے۔ آتشدانوں کے گرد سب برابر بیٹھے۔ ایک نے دونوں پریوں میں سے مجھ سے مخاطب ہوکر کہا آگ کیا خاصیت ہے اس کی اگر ہمارے ملک میں نہ ہوتی۔ بغیر اس کے بہت اذیت پہونچتی۔ میں نے کہا یہ خواص رکھتی ہے، پانی سے بجھتی ہے۔ مگر آگ حسن تمہارے کی غضب ڈھاتی ہے۔ ایک چنگاری اُس کی جس پر

057
www.taemeernews.com

گرے جان وجگر جلاتی ہے۔ پانی سے زیادہ بھڑک آتی ہے۔ حشر تک بجھنے نہیں پاتی ہے۔ آدھی رات تک یہی راز و نیاز رہا۔ بعد اس کے میں رخصت ہو کر اپنے گھر چلا۔ ایک گلی تنگ و تاریک میں پہونچا۔ ایک رنڈی رومال منہ میں لپیٹے چلاتی غل مچاتی۔ ایک مرد اس پر زیادتی کر رہا تھا۔ اُس سے اپنے تئیں بچاتی۔ مجھ کو دیکھتے ہی اس گرفتارِ پنجۂ ظالم نے مجھ کو پکارا کہ برائے خدا مجھ کو اس کے ہاتھ سے چھوڑا۔ مرد نے کہا اے شخص اگر ذرا بھی آگے بڑھا۔ میں نے تجھ کو مارا۔ میں سخت متردد ہوا۔ ہر طرف آدمیوں تھانے پولیس کو دیکھنے لگا۔ کوئی نہ نظر آیا۔ لاچار ہو کر دل میں سوچا۔ اگر تو اس عورت کو اس خرابی میں چھوڑ کر چلا جاتا ہے، خلاف جواں مردی اور آدمیت کے ہوتا ہے۔ اگر تھانہ دار کو خبر کرتا ہے، وقت ہاتھ سے جاتا ہے۔ اگر اُس آدمی سے اُلجھتا ہے اور آدمی تھانے کے دیکھ پاویں، ساتھ ان کے تجھ کو بھی گرفتار کر لے جاویں۔ سرِ دست بدنامی خدا راہ ہوئی۔ کوئی اصل مطلب سے آگاہ نہ ہوے۔ آخر دل میں یہی ٹھنا کہ اُس حرام کار سے اُس رنڈی کو بچالوں۔ یہ امر خدا راہ کا کرتا ہوں۔ اپنی ذات کا کچھ لگاؤ نہیں رکھتا ہوں۔ جو کچھ ہونا ہو سو ہوے۔ مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ۔ خدا کو یاد کر کے دونوں پانوں اُس کے زمین سے اُٹھا کر دے مارا اور اُس کے اوپر چڑھا۔ کشتی کے بیچ سے دونوں شانوں کو اس کے مضبوط گانٹھا۔ اس عورت سے کہا کہ میری کمر سے کھول شالی ٹپکا اُس سے اس کے پانوں باندھ۔ اُس نے ویسا ہی کیا۔ کمر بند میرا کھول کر پانوں کو اُس کے خوب باندھا۔ میں نے زمین میں اُس کو خوب سا رگڑ کر ہاتھ بھی باندھے۔ تب وہ مردک گڑگڑانے لگا کہ میں نے بڑا گناہ کیا، قصور میرا معاف کرو، خدا کے لیے مجھ کو چھوڑ دو، نہیں تو تھانہ میں گرفتار ہوؤں گا، سزا پاؤں گا۔ مجھ کو تم سے شرم آتی ہے۔ آنکھ نہیں سامنے کی جاتی ہے۔ لعنت میری اوقات پر کہ اپنے ہم جنس اور ہم مذہب سے ارادۂ بد رکھتا تھا۔ رحمتِ خدا تم پر کہ باوجود اجنبیت و بیگانہ وضعی کے اس بدی سے باز رکھا۔ میں

058
www.taemeernews.com

سمجھا کہ یہ اپنی سزا کو پہونچا۔ درصورتِ گرفتاریٔ تھانہ بہت ذلیل ہوگا۔قول وقرار لے کر چھوڑ دیا۔ اُس نے چھوٹتے ہی سلام کیا اور بھاگا، تب میں نے عورت سے پوچھا کہ اس وقت تمہارا نکلنا کیونکر ہوا اور یہ شخص نالائق تم سے کیا تعلق رکھتا تھا۔ اُس نے جواب دیا کہ میں اپنی ماں کے کام کو جاتی تھی۔ جب یہاں آکر پہونچی ،اس بدمست نے ہاتھ میرا پکڑا۔خیال بدی کا رکھتا تھا۔ اتنے میں خدا نے تم کو یہاں پہونچایا کہ مجھ کو اُس سے چھوڑایا۔ میں نے یہ سن کر اُس کے گھر تک پہونچا کر اپنے گھر کا راستہ لیا۔ اُس نے بہت مبالغہ سے بلا کر یہ حال اپنی ماں اور عزیزوں سے کہا۔ اُن لوگوں نے شکرگزار ہو کر مجھ کو کئی پیالے شراب کے پلائے اور پتا مکان کا پوچھنے لگے۔ میں نے اس خیال سے کہ مسافر کو کسی سے دوستی کرنا نہ چاہیے۔لاوُبالی پتا بتا کر رخصت ہوا اور اپنے گھر آیا۔

تیئسویں تاریخ نومبر کی کپتان لاڈ صاحب کے مکان پر گیا۔ اُن کو اپنے ساتھ لیا۔ جس مکان میں دیوانے اور سودائی قید تھے، دیکھنے چلا۔ حال اُس کا یہ ہے کہ شاہ لندن نے ایک مکان بنوایا ہے۔ جو کوئی لندن میں دیوانہ ہو جاتا ہے۔ وہ اُس مکان میں مقید ہوتا ہے۔ اُس مکانِ عالیشان میں کئی درجے ہیں۔ مرد رنڈیوں سے جدا رہتے ہیں۔ ڈاکٹر علاج و معالجہ کے لیے مقرر کیے گئے ہیں۔ جب کوئی اُن میں سے اچھا ہو جاتا ہے، اپنے گھر چلا آتا ہے۔ جب میں اُس مکان میں پہونچا، نگہبان نے روکا کہ بغیر چٹھی سند کے کوئی اندر نہیں جانے پاتا۔ میں نے اُس سے اظہار کیا۔ میں مسافر ہوں، دشوار ہے چٹھی ملنا، تو اپنی مہربانی سے اس مکان کو دکھلا۔ مسافرنوازی سے بعید نہ ہوگا۔ اس بات سے وہ برسرِ عنایت ہوا۔ مجھ کو اندر لے گیا۔ ہر ایک درجہ دکھلایا۔ دیوانوں کو دیکھا، جا بجا بیٹھے کوئی ہنستا، کوئی روتا، کوئی کاغذ اخبار پڑھتا۔ ایک نے اُن میں سے مجھ کو دیکھتے ہی بہت اشتیاق سے ہاتھ سے ہاتھ ملایا اور کہا، اتنے دنوں سے تو کہاں تھا۔ میں تیرا بہت مشتاق، نگراں تھا۔ میں تجھ کو خوب

059
www.taemeernews.com

پہچانتا تو قوم مملوک سے ہے۔ بونے پاٹ کی لڑائی میں شریک تھا۔ اُس کی گرم جوشی سے ڈاکٹر صاحب اور ہر ایک دیکھنے والا حیران ہوا کہ یہ شخص بیس برس سے قید ہے، کسو سے بات نہیں کرتا۔ تم سے اتنا کیوں ملتفت ہوا۔ ہم کو ہے مقام بڑے تعجب کا۔ حال اس کا یوں بیان کیا کہ یہ سارجن ہے نوکرِ بادشاہی تھا۔ بعد لڑائی بونے پاٹ کے کئی بادشاہ لندن کے سیر کو آئے۔ لارڈ منگلٹن صاحب نے سبھوں سے اُس کی تعریف فنونِ سپہ گری اور بہادری اس کے کی ظاہر کی۔ سب لوگ مشتاق دیکھنے کے ہوئے۔ اُس نے اِس میدان میں کہ کئی بادشاہ اور لاکھ سوار و پیادے موجود تھے، گھوڑے پر چڑھ کر کمال اپنے دکھلائے۔ شاہِ روس نے بہت تعریف کر کر کہا کہ ہم نے کوئی سوار اس کمال کا نہیں دیکھا۔ یہ شخص فنون سپہ گری میں کامل اور یکتا۔ تب سے یہ دیوانہ ہو کر اس حال کو پہونچا کہ یہاں آ کر قید ہوا۔ اُس مکان میں تین درجے تھے۔ پہلے میں وہ دیوانے کہ بسبب احتراق بلغم کے اختلالِ حواس بہم پہونچایا۔ مزاج اُن کا مائلِ نرمی و ملائمت تھا۔ دوسرے میں وہ لوگ کہ بسبب حرقتِ خون کے اُن کے دماغ میں فساد آیا۔ تیسرے میں نہایت دیوانے پرلے سرے کے جن کا مزاج بسبب احتراق سودا یا صفرا کے بالکل منحرف ہوا۔ ہر ایک کو ایک جگہ بلند کرسی کی شکل پر ہاتھ پاؤں باندھ کر بٹھلایا۔ کوئی مجال حس و حرکت کی نہیں رکھتا اس خیال سے کہ ناخونوں سے اپنی آنکھیں نہ پھوڑیں۔ ہاتھوں میں دستانہ چرمی پہنائے، دروازے آتشدانوں کے لوہے کے جعلی دار بنائے کہ مبادا کوئی اپنے تئیں اُس میں گرائے۔ اس طرح دوسری طرف رنڈیاں درجے بدرجے قید تھیں، حسن جمال میں بے مثال تھیں۔ دیکھنے والا ان کا دیوانہ بن جاتا۔ اپنے تئیں واسطے دیدارِ جمال اُن کے کے اُس مکان کا قیدی بناتا۔ بعضی اُن میں جو اچھی ہو چلی تھیں، علیحدہ مکان میں اپنے اپنے کام اور پیشہ میں لگی تھیں۔ میں دو تین عورتوں باہوش کو اس قید میں دیکھ کر بہت ملول ہوا۔ فی الفور باہر نکل کر اسکول میں آیا۔ وہاں دیکھا لڑکے بن

060
www.taemeernews.com

باپ کے یتیم پتلون زرد پہنے ہوئے لکھنے پڑھنے میں مشغول تھے۔ خرچ ضروری اُن کے بادشاہ کے وہاں سے مقرر اور معمول تھے۔ وہ سب لڑکے امیروں نامدار کے ہیں۔ بہت صاحبِ لیاقت طبیعت اُن کی نوشت وخواند پر ایسی مصروف پائی کہ مجھ کو حیرت آئی۔ اپنے دل میں کہا سبحان اللہ! لڑکے ہندوستان کے باوجود تاکید والدین کے تحصیلِ علم میں ہرگز نہیں مشغول ہوتے ہیں۔ اوقات اپنی مفت برباد دیتے ہیں۔ بلکہ چھٹ پنے میں حرکتیں بیجا کرتے ہیں۔ یعنی ماں باپ کو گالیاں دیتے اور ان کے سامنے حقہ پیتے ہیں۔ وہ انھیں باتوں میں لڑکپن ان کا سمجھ کر خوش ہوتے ہیں۔ ایک اور مکان میں گیا۔ اُس میں نصیحت کرنے والے اور پادری سرکار بادشاہی سے مقرر ہوئے ہیں۔ جو عورت زنا کاری سے باز آئے اور حرام کاری سے توبہ کرے، اُن کے پاس جا کر ظاہر کرے کہ میں تمہارے ہاتھ سے توبہ کرتی ہوں اور گناہوں سے باز آتی ہوں۔ وہ لوگ اُس کو اُس مکان میں رہنے کی جگہ دیتے ہیں۔ وعظ کہہ کر تعلیم کرتے ہیں اور سرکارِ شاہی سے اُس کے لیے کچھ خرچ مقرر کرواتے ہیں۔ جب وہ راہِ راست پر آوے، کسی مرد کے ساتھ نکاح کر دیتے ہیں۔ ایک اسکول اور ہے اُس میں اندھے لڑکے رہتے ہیں۔ روٹی کپڑا سرکار سے پاتے ہیں۔ پادری اشارے سے اُن کو تعلیم کرتے ہیں۔ بندگی عبادت بخوبی سکھاتے ہیں۔ ایک اسکول اور ہے، جو لڑکا چھنال رنڈیوں کا یا حرامی پیدا ہوے۔ وہ اس لڑکے کو وہاں ڈال جاوے۔ سرکار سے پرورش اُس کی ہوتی ہے۔ جب سنِ شعور کی نوبت پہونچتی ہے، پڑھایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس سے فراغت پاتا ہے۔ بعد اس کے کسی عہدے میں نوکر بادشاہی ہوتا ہے۔ اب صاحبانِ عقل غور کریں کہ ان باتوں میں کیا کیا فائدے ہیں۔ جہاں کہیں ہر مقدمہ میں ایسا انتظام ملحوظِ خاطر ہو۔ کیوں کر کسی امر میں خلل اور فساد ظاہر ہو۔ ایسے لوگ جہاں پر کس طرح مسلط اور قادر نہ ہوں۔ ہندوستان میں کوئی کسی کو نہیں پوچھتا ہے۔ بادشاہ فکر رعایا سے

061
www.taemeernews.com

غفلت رکھتا ہے۔ اگر کوئی عورت زنا کار ہوئی تمام عمر اُسی میں رہی، کوئی اُس کو نہ سمجھاوے کہ راہِ راست پر آوے۔ اگر کوئی لڑکا یتیم ہوتا ہے، کوئی شخص نہ اُس کو روٹی کپڑا دیتا ہے نہ پڑھاتا ہے۔ ان صورتوں میں خاک انتظام ہو۔ امورِ ملکی کا کیا سرانجام ہو۔ صاحبان انگریزوں کی عقل پر آفرین اور مرحبا کہ کیا اچھی باتوں کا رواج دیا۔ اپنی قوم سے کسی لڑکے کو بے علم و ہنر نہیں رکھتے ہیں۔ ہر ایک کے لیے ایک طرز جدا معاش کا مقرر کرتے ہیں غرض یہ سب امور لندن کے جو بندے نے لکھا بہت خوب اور مستحسن دیکھا۔ بعد ان سیروں کے ملک فرانس کے دیکھنے کا شوق ہوا۔

چھبیسویں تاریخ نومبر کی بوچڑ صاحب کے ساتھ ایک گاڈی پر سوار ہوکر کنارے دریا کے آیا۔ بوچڑ صاحب کے بھائی ہندوستان میں آتے تھے۔ ننکو نوکر اپنے کو اُن کے سپرد کیا۔ اُس نے بروقتِ رخصت بہت رنج کیا کہ تم نے مجھ کو اس شہر میں اکیلا چھوڑا۔ دل جدائی گوارا نہیں کرتا۔ میں اُس کو تسلی دلاسا دے کر جہاز پر سوار ہوکر چلا۔ نام اس جہاز کا گران ترک۔ زرنگار بنا تھا۔ ہر قسم کا کھانا پینا اُس پر موجود اور مہیا۔ کپتان جہاز کا نہایت خلیق اور شفیق حال غربا۔ راہ میں ایک رات بڑا طوفان آیا۔ جہاز ڈگمگایا۔ کپتان صاحب نے لنگر ڈالا۔ اُس پر بھی کچھ فائدہ مرتب نہ ہوا۔ اکثر صاحبوں اور بی بیوں کا حال حرکتِ جہاز سے پریشان ہوا۔ کوئی زیادتی ابکائی اور قے سے بیہوش اور ہراساں۔ کوئی دورانِ سر سے مصروفِ شور و فغاں۔ لڑکے بچارے اور زیادہ حیران۔ خلاصہ یہ کہ جہاز پر شورِ قیامت بپا تھا مگر عنایت ایزدی سے بندہ اپنے حال پر رہا۔ جب وقتِ صبح ہوا، جہاز قریب جزیرہ بلون (۱) کے پہونچا۔ کنارہ اُس کا دیکھ کر میں بہت خوش ہوا، اس لیے کہ کنارہ اُس کا پل کی طرح لٹھوں سے پٹا تھا صاحب لوگ مع بی بیوں کے اس پر چلتے پھرتے۔ دور سے صاف دکھائی دیتے۔ بندہ جہاز سے اُتر کر محصول گھر میں گیا۔ پروانہ اپنا وہاں کے اہلکاروں کو

062
www.taemeernews.com

دکھایا۔ بعد اس کے ایک سرا میں جا کر اُترا۔ ایک رات دن سیر و تماشا دیکھتا رہا۔ دوسرے دن صبح ہی اُٹھ کر گاڈی میل کوچ پر سوار ہو کر دارالسلطنت پارس (۱) کو روانہ ہوا۔ مواضع اور دہات راہ میں دیکھتے جاتے بہ نسبت دہات لندن کے خوبی اور آبادی میں بہت کم تھے۔ گاڈی میل کوچ بہت بڑی انگریزی میل کوچ سے زیادہ تھی۔ چھ گھوڑے اُس میں جتے مگر انگریزی گھوڑوں سے قوت میں کم اور آہستہ آہستہ چلتے۔ راہ میں نشیب و فراز اور کیچڑ چہلا تھا۔ اس لیے کہ مینہ برسا تھا اور برستا۔ گاڈیبان گھوڑوں کو ہانکتے ہانکتے تمام منزل تھک گیا۔ ہم تین شخصوں نے شریک ہو کر گاڈی میں مقام کیا کہ اُس میں تین آدمیوں کی جگہ بآسائش ہوتی ہے۔ کرایہ پر لیا تھا۔ تس پر بھی گاڈی کے تکان سے بچاؤ نہ ہوا۔ جاڑی کی خوب شدت تھی۔ راہ میں ہر چیز میسر آتی، کتنے گانوں کے بعد ایک موضع آباد ان پایا کہ عمارت اس کی بلند اور نام اس کا آمین (۲) تھا۔ میں نے اپنے دوست سے کہہ کر وہاں مقام کیا اور اس شہر کی سیر کو چلا۔ لڑکے فقیروں کے پیچھے لگے سوال کرتے ساتھ چلے۔ یہ رسم وہاں کی برخلاف لندن کے نظر آئی۔ وہاں کبھی نہ دیکھی تھی۔ اُس شہر میں ایک کلیسا دیکھا۔ تین سو بیاسی فٹ اونچا تھا۔ تمام شہر اس پر سے نظر آتا۔ تصویریں شاگردوں حضرت عیسیٰؑ اور مقدسوں کی رکھیں میں نے ویسی تصویریں کہیں نہیں دیکھیں۔ آئینہ جوڑیوں کے بہت صاف ایک روغن سے جلا دیے شفاف۔ اس زمانہ میں وہ روغن نہیں ملتا ہے بلکہ بن ہی نہیں سکتا۔ اُس کلیسا کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ بعد سیر کے سرا میں مقام کیا۔

غرض کہ پہلی تاریخ دسمبر کی دارالسلطنت پارس میں پہنچا۔ نزدیک بازار بادشاہی کے سرائے ڈلی میں اُترا۔ دوسرے دن شہر کا تماشا دیکھنے چلا۔ پہلے بازار بادشاہی میں آیا۔ اُس کا آدھ کوس کا گھیرا تھا۔ حال اُس کا سنا کہ زمانۂ سابق میں مکان بادشاہی تھا۔ گردشِ زمانہ سے اُس نے مفلس ہو کر بیچا، چنانچہ وہی مکان اب بازار ہوا۔ اسی سبب سے نام اس کا

063
www.taemeernews.com

بازار بادشاہی رہا۔ دوطرفہ دوکانیں سنگ مرمر کی تھیں۔ بعضوں میں جواہرات، بعضی شال دوشالوں کشمیری سے بھریں۔ کسی میں کپڑے رنگا رنگ رکھے۔ پھول اُن کے رنگوں سے شرماتے۔ راہ بازار کی، مابین دوکانوں، کے واسطے محافظت مینہ اور غبار کے شیشوں سے پٹی، عجب لطافت اور کیفیت رکھتی۔ قہوہ خانوں میں چھت پر زرستون سنگِ مرمر کے تھے۔ اندر ان کے میز پتھر کی رکھی۔ برابران کے کرسیاں زرنگار بچھیں۔ پریاں فرانس کی قہوہ پلانے کے لیے بیٹھیں۔ میں وہ مقام عشرت افزا دیکھ کر سرا میں آیا۔

دوسرے دن کلیسا ے نیوٹروم(۱) میں گیا۔ اُس شہر میں بہتر اُس سے کلیسا نہ تھا۔ عمارت اُس کی نہایت وسیع اور عالیشان۔ دوسری طرف باغِ جنّت نشان۔ اُس میں ہر ملک اور ہر قسم کے جانور موجود اور نمایاں۔ شمار ان کا نہیں یارا ے زبان۔ ایک جانور عرب کا نظر آیا کہ لنبائی قد میں قریب بیس ہاتھ کے تھا۔ اگلا دھڑ اس کا بلند، پچھلا پست۔ اُس سے دو چند شکل اس کی ملی ہوئی شیر و آہو سے تھی۔ زراف اس کو کہتے ہیں بزبانِ عربی۔ اس کی صورت دیکھنے سے مجھ کو عبرت و ہیبت آئی ایک کٹہرے میں سپید ریچھ بیٹھے وہ بھی بجاے تماشے کے تھے۔ رنڈیاں وہاں بیٹھیں، روٹی اور مٹھائی بیچتیں جو مسافر سیر کو جاتا ہے اُن سے روٹی مٹھائی مول لے کر ریچھوں کو کھلاتا ہے، وہ خوش ہوتے ہیں اور روٹی کھاتے ہیں۔

چوتھے دن باغ بادشاہی میں گیا۔ پھولوں کو کھلا ہوا، میووں سے بھرا پایا۔ ہر قسم کے پھول تھے۔ کثرت میووں سے درخت جھکے۔ پریزاد فرانس کے خوش رفتار، باغ میں عجب بہار، غرض کہ وہ قطعہ روکشِ بہشتِ بریں تھا۔ گل بوٹوں سے سراپا رنگیں تھا۔ دماغ اُس کی بو سے تازہ ہوا۔ دل شگفتگی اُس کی سے کِھلا۔

پانچویں دن پارس کی میوزیم میں گیا۔ وہاں کا تماشا دیکھا۔ ایک روغن مل کر ہر طرح کے جانوروں کو زندے کی طرح کھڑا کیا تھا۔ ہرگز زندہ مردہ میں سوا ے حس و حرکت کے

064
www.taemeernews.com

فرق نہ ہوتا۔ یہاں کئی جانور ایسے خوب دیکھے کہ لندن میں نہ تھے۔ چنانچہ اُن میں سے ایک ہاتھی اور شیر اور زراف تھا۔ عجیب وضع سے کھڑا تھا اور بیان اُس جگہ کا مناسب نہ دیکھا بعینہٖ لندن کا سا تھا۔

چھٹے دن میں بوچڑ صاحب کے ساتھ کھانا کھاتا۔ ایک بوڈھا، بہراسرا میں اُترا تھا۔ شام پین پی کر وہ مست ہوا۔ مجھ سے اور ولیم بوچڑ صاحب سے کہنے لگا۔ آؤ ہم تم مل کر ناچ گھر چلیں۔ وہاں کا سیر و تماشا دیکھیں۔ اُس مکان کو اُن کی زبان میں اپرہ (ا) کہتے ہیں۔ ہم اس کے کہنے پر راضی ہو کر ناچ گھر چلے وہاں جا کر سب مصروفِ تماشا ہوئے۔ دو رنڈیاں کہ ناچنے گانے میں یکتائے زماں تھیں۔ رقص و سماع میں مشغول ہوئیں۔ ایسے کرتب دکھائے کہ سب سرور میں آئے مگر مجھ کو ایک امر اُن کا پسند نہ آیا۔ وہ یہ کہ انھوں نے ناچتے وقت ایسا کپڑا مہین ریشمی پہنا کہ تمام بدن خصوص جسم نہانی ان کا صاف نظر آتا۔ ناچتے ناچتے جب پاؤں اُٹھاتیں، گویا لوگوں کو شرمگاہ اپنی دکھاتیں۔ مرد رنڈی سب تماشا دیکھتے۔ اس امر نا مناسب کو خلافِ حیا نہ سمجھتے۔ یہ ماجرا خلافِ عقل نظر آیا۔ میں نے اکثر انگریزوں کا حال سُنا کہ ہندوستان کی کسبیوں سے بسبب پہننے ننگی پوشاک اور کپڑے باریک چست کے نفرت کرتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کا راگ اور گانا نہیں سنتے ہیں۔ پر وہاں کوئی مانع نہ ہوا کہ ان کو اس حرکت بیجا سے باز رکھتا۔ قصہ مختصر وہ بوڈھا ساتھی ہمارا دیکھنے ہنروں ناچ اور مقام مخصوص اُن کے سے اور پینے شراب سے ایسا بے حال و بے خود ہوا کہ شور و غل مچاتا۔ اُس محفل میں حکم بادشاہی سوائے ناچنے گانے والوں کے کسی کے بولنے کا نہ تھا۔ جب وہ بوڈھا چلّانے لگا دو تین آدمی عزّت دار قوم نے منع کیا۔ وہ بہرا اُن ناچنے والیوں کے دریائے عشق میں ایسا ڈوبا تھا کہ ہرگز شنوا نہ ہوا۔ جب ہم نے دیکھا کہ وہ نہیں سنتا ہے اور رنگِ مجلس بدلتا ہے بلکہ اپنے نکالے جانے کا بھی باعث ہوتا ہے، اشارے کنائے سے

065
www.taemeernews.com

سمجھایا۔ شورغل سے اس کو باز رکھا اور اپنے دل میں عہد کیا کہ اس کے ساتھ اب کہیں نہ جاویں گے۔ ہمراہی اس کے سے آپ کو بچاویں گے۔ رات بھر ناچ کے تماشے میں رہے صبح ہی اپنے مقام پر آئے۔

ساتویں دن پھر ایسا ہی امر پیش آیا یعنی جب وہ بوڑھا کھانا کھا چکا اور شراب پی کر مست ہوا مجھ سے اور بوچڑ صاحب سے کہنے لگا آج میرے ساتھ کنسٹ (ا) میں چلو، وہاں کی سیر دیکھو، ہم نے تکرار کی کہ تمہارے ساتھ جانے سے دل میں انکار کی۔ تم بالطبع مست ہوتے ہو۔ کسی کا کہنا نہیں سنتے ہو۔ ایسا مبالغہ کیا کہ ساتھ جانا پڑا، مقام عذر نہ رہا۔ ناچار ہمراہ ہوئے، کنس ٹ گئے۔ وہ ایک مکان عالیشان بہت نفیس تھا۔ چند رئیسوں امیروں قوم نے شریک ہوکر اس کو بنوایا۔ کوچ عمدہ رکھے ہوئے۔ اس پر بچھونے اطلس ومخمل کے بچھے ہوئے۔ آٹھویں دن رات بھر مرد وزن کا جماؤ ہوتا ہے۔ ہر کوئی بجانے باجوں کا کمال دکھلاتا ہے اور شراب پی کر اپنی اپنی معشوقہ کا ہاتھ پکڑ کر ناچتا ہے۔ جب میں وہاں پہونچا فرانسیس کی پریوں کو دیکھا کہ کوچوں پر بیٹھی باجے بجاتیں۔ کیا خوب باجے تھے کہ آواز اُن کی سے مُردے جی اٹھتے۔ اتنے میں دورِ جام شروع ہوا۔ بعد اس کے ہر ایک مست ہوکر ایک ایک پری کا ہاتھ پکڑ کر ناچنے لگا۔ چونکہ بندہ تمام عمر کبھی ناچا نہ تھا ان صاحبوں کے سامنے اجنبی معلوم ہوتا۔ مگر اس حیلہ سے کامیاب مطلب تھا۔ اُس بڈھے نے بھی ہاتھ ایک بڑھیا کا کہ مٹاپے اور قد میں اس سے دگنی تھی، پکڑ کر ناچنا شروع کیا۔ بوجھ اس بڑھیا کا بھاری تھا۔ تھوڑی دیر میں تھک کر ہانپتے ہوئے کوچ پر بیٹھا اور سویا۔ میں نے اور بوچڑ صاحب نے تمام شب خوشی سے بسر کی۔ مگر وہ رات ایسی جلد کٹی کہ تھوڑی سی معلوم ہوئی۔ فقیر نے یہ شعر حسب حال پڑھی۔

امشب مگر بوقت نمی خواندایں خروس
عشاق بس نہ کردہ ہنوز از کنار و بوس

066
www.taemeernews.com

بالجملہ وہ شب ایسے لطف سے بسر ہوئی کہ بادشاہوں کو باوجود سامان کے میسر نہیں آتی۔ ہندوستان میں ایسی مجلس پریوں کی، خواب میں بھی نہیں دکھائی دیتی۔ صبح ہی اپنے مقام پر آیا۔

آٹھویں دن اپنے ہمراہیوں سے پیشتر جاگا۔ ایک شخص اٹھارہ برس کے سن کا شیشہ شراب بیر آگے رکھتا۔ قہوہ وغیرہ ملا ملا کر اُس کو پیتا۔ میں دیکھ کر متحیر ہوا کہ یہ کون ایسا ہے جو علی الصباح شراب بیر پیتا ہے۔ یہ وقت لال شراب پینے کا ہے اس لیے کہ شرابِ سرخ اس وقت پینا فائدہ اور رواج رکھتا ہے۔ میں اسی خیال میں تھا کہ اُس نے آپ ہی کہا آؤ شراب بیر پیو۔ میں نے کہا اس وقت معاف رکھو۔ ثابت ہوا کہ وہ امیر زادہ تھا۔ باپ اُس کے نے تحصیلِ علم کے واسطے فرانس میں بھیجا تھا۔ وہ یہاں آ کر ایسے امور بے جا میں پھنسا۔ شغل علم سے باز رہا۔ پھر اُس نے کہا ہمارے ساتھ چلو۔ سیر عجائبات اس ملک کی دیکھو۔ میں نے اقبال کیا۔ بوچڑ صاحب کو ساتھ لے کر ہمراہ اُس کے چلا۔ جاتے جاتے اُس جگہ لے گیا کہ در و دیوار شیشے کا تھا۔ جو کوئی گمنام زہر کھا کر مرتا ہے یا تلوار بندوق سے اپنے تئیں ہلاک کرتا ہے، لاش اس کی اس مکان میں رکھتے ہیں۔ فوّارے کی راہ حوضوں سے پانی اُس پر چھڑکتے ہیں۔ بعد تین چار روز جب تعفن آتا ہے اور کوئی وارث مردہ نہیں پیدا ہوتا ہے کہیں نہ کہیں دفن کر دیا جاتا ہے۔ اگر وارث اُس کا ہوتا ہے، ایّام مقرّرہ سے پہلے لاش لے جاتا ہے چنانچہ اُس وقت بھی لاش ایک رنڈی کی پڑی تھی۔ مجھ کو اس سے عبرت آئی۔ پارس میں چند روز رہا۔ کوئی دن ایسا نہ ہوا کہ دو تین آدمیوں نے اپنے تئیں نہ ہلاک کیا۔

نویں تاریخ دسمبر کی پکچر آف اڈس میں گیا۔ وہ تصویر خانہ تھا۔ ایسا مکان کہ بلندی میں آسمان سے باتیں کرتا۔ ستون اُس کے زرنگار اور مطلا فرش اس کا شفاف خوش رنگ لکڑی کا پل کی طرح پٹا ہوا۔ اگر کوئی عاقل اچانک اُس پر قدم رکھتا، یقین ہے کہ بسبب چکاہٹ

067 www.taemeernews.com

کے پھسل پڑتا۔ اُس مکان میں تصویریں مصوروں کامل اگلے زمانہ کی زیب پذیر تھیں۔ سب کی سب بے نظیر تھیں۔ اُستادوں کے ہاتھ کی بنیں۔ بموجب تخمینہ قریب دولاکھ کے نظر آئیں۔ اس جاے عشرت فزا کو دیکھ کے میں بہت خوش ہوا۔ بعدازاں ایک گاڑی کرایہ کر کے مع بوچڑ صاحب کے اُس پر سوار ہوکر پیالس بریسل (۱) کو چلا۔ وہ مقام پارس سے چھ کوس فاصلہ رکھتا۔ مکان جشن اگلے بادشاہ کا تھا۔ وہاں آکر مع اپنی بیویوں کے جشنِ جمشیدی کرتا۔ یعنی شراب پی کر اُن کے ساتھ عیش ونشاط میں مشغول ہوتا۔ راہ میں جا بجا آبادی و سبزی نظر آئی۔ دلِ حزیں نے اس سے شگفتگی بہم پہونچائی۔ دوگھڑی دن رہے وہاں پہونچا۔ گرد اُس کے پہاڑ اور سبزۂ مینارنگ تھا۔ قریب اُس کے ایک باغِ جنت آثار بوجھ پھلوں سے جھکے ہوے درختِ میوہ دار، پھول اُس کے رنگا رنگ۔ غیرت دہِ کارنامۂ ارژنگ۔ حوضوں پُر آب میں تصویریں عجیب وغریب قائم وبرپا۔ اُن کے منھ سے فوارہ پانی کا اُبلتا بعض حوض میں مرغابیاں اور چڑیاں دریائی تیر رہیں۔ گویا وہ چشمۂ حیات تھا اُن کے تئیں۔ اُس باغ کے دیکھنے سے دل میں طاقت آئی، آنکھوں نے طراوت پائی۔ اُسی کے پاس ایک مکان گنبد دار۔ اندر اُس کے کرسیاں سنگِ مرمر کی ترشی ہوئیں آبدار۔ بیچوں بیچ اُس کے حوض لبریز۔ پانی کا فوّارہ اُس میں جاری تھا۔ اگلے بادشاہ اس کو عرقِ انگور سے بھرتے۔ نازنینوں کے ساتھ پیتے۔ بعد اس کے مکانِ جشنِ بادشاہی نظر آیا۔ تصویروں سنگی اور رقمی سے بھرا ہوا تھا۔ ستون سنگ مرمر سپید کے ایسے زرنگار کہ پتھر نظر نہ آتا۔ سواے زرتابدار۔ چھت اور دیوار اس کی مینا کار۔ پاے نگاہ، شفافی اس کی سے پھسلتا ہر بار۔ میزاک ڈال سنگِ مرمر کی بچھے تھے۔ ہر ایک لاکھ لاکھ روپیہ سے قیمت زیادہ رکھتے اور سامانِ شاہانہ ایسا کہ عقل میں وصف اُس کا نہ آسکتا۔ حق یہ کہ وہ مکان روضۂ تاج بی بی سے لاکھوں درجے بہتر تھا۔ عمارتوں لندن اور ہندوستان سے کہیں خوب تر تھا۔ کوئی بادشاہوں زماں سے اب مجال نہیں رکھتا ہے کہ ویسا

068
www.taemeernews.com

مکان بنوائے۔ الحاصل وہ مکان حلقۂ زمین میں جوں نقشِ نگیں ہے یا بروے زمیں بہشت بریں ہے۔

گیارہویں دن بوچڑ صاحب کے ساتھ گاڈی پر سوار ہوکر بایشش (۱) میں گیا۔ وہ گورستان فرنسیسیوں کا تھا۔ شہر سے دوکوس فاصلہ رکھتا۔ دروازے اُس کے پر پھول والیاں بڑے تکلف سے ہار پھول بیچنے میں مشغول تھیں۔ جوکوئی اپنے دوستوں کی قبر پر جاتا، ہار اُن سے مول لے کر قبروں پر چڑھاتا۔ فقیر کو اس بات سے رسوم ہندوستان کا خیال آیا کہ وہاں بھی یہی طریقہ تھا۔ جب اُس کے اندر پہونچا قبریں سنگِ مرمر کی بنی دیکھیں طیار۔ اُن پر ایک چھوٹی سی کوٹھری کھڑکی دار۔ اُس میں دو بتیاں مومی اور کتاب نماز کی اور تصویر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اور پھولوں کے ہار۔ جوکوئی اپنے دوست کے قبر پر جاتا ہے، کھڑکی کھول کر اندر کوٹھری کے بیٹھ کر کتاب نماز پڑھتا ہے۔ ثواب اُس کا مردہ کی روح پر پہونچتا ہے۔ عود وغیرہ خوشبو کے لیے جلاتا ہے۔ طرفہ تکلف یہ دیکھا کہ ہر قبر کے پاس درخت پھولوں کا تھا۔ درختوں سرو کا سایہ ہر قبر پر رہتا۔ دھوپ کا ہرگز گذر نہ ہوتا۔ دو قبریں سنگِ مرمر کی الاڈالوزیا کی بہت مضبوطی بنی تھیں۔ شبیہیں ان کی پتھر پر لکھیں۔ وہ دونوں عاشقی معشوقی میں مثل لیلا و مجنوں یکتائے زمانہ ہوے ہیں۔ حالات اُن کے افسانہ زبان ہوئے ہیں۔ اس نواح میں اب جوکوئی کسی پر عاشق ہوتا ہے اُن کی قبر پر جاکے پھولوں کا ہار چڑھاتا ہے اور کتاب نماز پڑھ کر ثواب ان کی روح پر بھیجتا ہے۔ دو تین قبریں اور جرنیل لشکر بونے پاٹ کی نظر آئیں۔ بہت مستحکم اور مضبوط تھیں۔ سبب زیادتی سنگ مرمر کا یہ معلوم ہوا کہ وہاں سے قریب ملک اٹلی اور پہاڑ مرمر کا تھا۔ اُس سے یہ پتھر کُھد کُھد کر آتا۔ بندہ جہان میں پھرا پر ایسا قبرستان لطیف کسی قوم کا نہ دیکھا۔ قبرستان نہیں گلستان ہے۔ بظاہر مُردوں کے لیے بہشت کا سامان ہے۔ یہ بات دل کو پسند آئی اور قوموں میں نہ ہونے سے اس رسم سے

069
www.taemeernews.com

طبیعت غم کھائی۔ انگریز کہتے ہیں خاک مردوں کو تکلف ضرور نہیں۔ کیا اس سے اُن کو نجات ہے۔ یہ صحیح میں بھی جانتا ہوں لیکن اگر قبروں پر پھول رکھیں خوشبوئیں جلائیں کیا قباحت کی بات ہے۔ خوشبو ایسی چیز ہے کہ جانور، پرندہ مثل زنبورِ سیاہ وزنبورِ عسل اُس پر مائل ہوتے ہیں۔ ہندو اپنے بتوں پر ہار پھول چڑھاتے ہیں۔ مسلمان قبروں پر پھول لے جاتے ہیں۔ خوشبوئیں جلاتے ہیں۔ پس یہ رسم ہر مذہب میں خوشنما ہے۔ ظاہر ارواح کو اس سے لطف ہوتا ہے۔

بارہویں دن پنتھیم (۱) میں گیا۔ وہ خاص مدفن بادشاہوں فرانسیس کا تھا۔ عمارت عالی رکھتا۔ صورت اُس کی یہ کہ گنبد در گنبد مانند چھلکے پیاز کے بنا۔ اندر اُس کے تصویریں عمدہ کھچی ہوئیں، خوشنما سیڑھی گول چکر دار بنی تھی۔ لوگوں کو اوپر چڑھنے میں کیفیت اندر گنبد کے نظر آتی۔ سب سے اوپر چھت شیشے کی۔ محافظت گرد وغبار کے لیے بنائی۔ وہاں سے تمام عمارتیں شہر کی نظر آئی۔ اندر مکان کے تہ خانہ تھا کہ تابوت بادشاہوں کا اُس میں دفن کیا۔ نگہبان اُس مکان کا مجھ کو اندر لے گیا۔ اپنے دامن پر ایک لکڑی ہاتھ سے پکڑ کر ماری۔ توپ کی سی آواز کان میں آئی، معلوم ہوا کہ یہ بسبب مکان گنبد دار کے وہ شور تھا۔ قبر بادشاہوں کی دیکھ کر مجھ کو عبرت آئی کہ کیا کیا صورت تہ زمین سمائی۔ یہ بادشاہ کہ فرماں روا تھے۔ اب کوئی نشان سلطنت کا نہیں رکھتے۔ والٹیر (۲) جو بڑا عالم اپنے علم کا تھا آخر بسبب زیادتی علم کے بے دین ہوا تھا۔ اُس کی قبر بھی وہیں تھی۔ اُس پر تصویر اُس کی کھڑی۔

تیرھویں دن کتاب خانہ بادشاہی میں گیا۔ ہر علم اور ہر زبان کی کتابوں کا ڈھیر تھا۔ برابر رکھی ہوئیں بطرزِ خوشنما کہ کوئی عمرِ نوح پاوے اور رات دن ان کی سیر کرے، ہرگز ان کی نہایت کو نہ پہونچے۔ ان لوگوں کو شاباش اور آفریں جنھوں نے خونِ جگر کھا کر کتابیں جمع کیں۔

چودھویں دن اُس مکان میں گیا کہ تصویریں آدمیوں اور جانوروں کی اور ہر ایک

070
www.taemeernews.com

عضوان دونوں کے موم سے بنائے ہیں۔ایسا ثابت ہوتا کہ تصویر آدمیوں کی بات کیا چاہتی ہیں۔تمام اعضا ایسے بنے کہ سرِ مُو فرق نہ رکھتے۔ہاتھ چومیے بنانے والوں کے کہ کیا کمال کیا تھا۔جولڑکا شوق ڈاکتری کا رکھتا ہے۔مدّتہا وہاں رہ کر ہر عضو موی کو بغور دیکھتا ہے۔یہ بات خلاف عقل نظر آئی کہ محافظ وہاں کی ایک عورت تھی۔اُس نے ہر عضو تصویر مجھ کو دکھلایا۔ بعضا ان میں سے ایسا کہ قابل دیکھنے رنڈی کے نہ تھا۔صاحبان عقل سے بعید نظر آیا کہ اس خدمت پر اُس کو مقرّر کیا۔

پندرہویں دن ایک مکان میں گیا۔وہاں صدہا آدمی قالیچے شطرنجیاں بُن رہے تھے۔ بناوٹ میں تصویر عمدہ کھینچتے۔دریافت ہوا کہ وہ سب مصور تھے تصویریں قالین اور دریوں پر ایسی معلوم ہوتیں کہ کسی مصور کامل نے تصویریں کاغذ پر کھینچی ہیں۔اُن کی کاری گری دیکھ کر متحیر ہوا۔حال ان کا پوچھا۔ظاہر ہوا کہ واسطے فرش دیوان عام شاہ فرانسیس کے بُنتے ہیں اور کہیں نہیں بیچتے۔زبانِ فرانسیسی میں اس کام کو ٹپسٹری (۱) کہتے ہیں۔اُس کے بعد کونسل کے مقام پر گیا۔ایک مکانِ فلک بنیاد دیکھا۔ستون سنگ مرمر کے ایک ڈال راست اس میں لگے۔صاحبانِ کونسل اپنے رتبہ کے موافق جا بجا بیٹھے۔ہر ایک کے نمبر لکھے۔اُس مکان کی شکست وریخت کے لیے مزدور لگے تھے۔میں یہ حال دیکھ کر باہر نکلا۔پانی برسنے لگا۔ سارے کپڑے تر ہوئے مگر گرتے پڑتے گھر چلے۔راہ میں دو رنڈیاں ایک خوبصورت دوسری کریہ الہیئت ملیں۔میری وضع خلاف اُس شہر کے دیکھ کر ترک ترک کہتی، تماشا دیکھتی پیچھے دوڑی آتیں۔اکبار پاؤں پھسلا دونوں لڑکھڑا کر گریں۔میں نے قریب جا کر زنِ جمیلہ کا ہاتھ پکڑ کر اُٹھایا۔بدشکل کو ویسے ہی چھوڑا۔وہ بڑی محنت سے اُٹھ کر اپنی بولی میں کچھ کہنے لگی۔مگر اُس زبان سے مجھ کو آگہی نہ تھی۔آخر اُس نے ایک دھکا دیا مجھ کو زمین پر گرایا۔ دوسری عورت خوبصورت نے جس کو میں نے اُٹھایا تھا میری طرف ہو کر اُس سے مقابلہ کیا۔

071 www.taemeernews.com

میں جان بچانی غنیمت سمجھا۔ وہاں سے بھاگا۔ لڑکے کیچڑ بھرے ہوئے کپڑے اور بیگانہ وضع دیکھ کر تالیاں دیتے پیچھے میرے دوڑتے آتے۔ بہزار خرابی بھاگتے بھاگتے سرا میں پہنچا۔ میرا حال دیکھ کر سب ہمراہی ہنسنے لگے۔ میں سخت نادم وشرمندہ ہوا۔ پانوں میں چوٹ آئی تھی۔ اس سبب سے دو ایک دن قیام کیا۔ بعد اس کے اُس امیر زادہ کے ساتھ جو صبوحی شراب بیر پیتا تھا سیر کو چلا۔ مٹھائی بیچنے والیوں کی دوکان پر گیا۔ دیکھا کہ رنڈیاں خوبصورت تھال مٹھائی کے سلیقہ کے ساتھ جمائے ہوئے بیچ رہی ہیں۔ جب مجھ سے چار چشم ہوئیں، بے اختیار ہوگیا۔ دل ہاتھ سے کھوگیا۔ انھوں نے مجھ سے کہا قسم مٹھائی سے جو چاہو سو لو۔ میں نے جواب دیا تمہارے لبِ نوشیں کلام شیریں کے سامنے مٹھائی کی کیا اصل ہے۔ یہ اصل وہ نقل ہے تم خود شہد ہو۔ اس سے زیادہ کیا مٹھائی ہے بھلا سچ کہو۔ یہ سن کر وہ بہت ہنسیں اور باتیں معشوقانہ فرمائیں۔ اپنے پاس عنایت سے بٹھلایا۔ بندہ اُن کی شیریں گفتاری سے چاشنی یاب ہوا۔ جب چلنے کا ارادہ کیا انھوں نے پھر بٹھلایا۔ میں نے کہا مکھی کو اُسی قدر شہد پر بیٹھنا چاہیے کہ پھنس نہ جاوے۔ میں بھی اگر زیادہ ٹھہروں گا، پھنس جاؤں گا۔ پھر میں نے چلتے وقت تھوڑی مٹھائی مول لی اور روانہ ہوا۔ وہی امیر زادہ اور کتنے مکانوں میں لے گیا۔ بیان اُن کا نہیں ہوسکتا۔ حق یہ ہے کہ فرنگستان پرستان ہے۔ ہر ایک شخص حسن وجمال میں غیرتِ مہرِ درخشاں جو کوئی یہاں آتا ہے۔ وطن کو اپنے بھول جاتا ہے۔

سیہ چشم سبزانِ رنگین نگاہ
بشورِ نمک از شکر باج خواہ
رہِ مایہ دارانِ ایمان زنند
بخروار بیعِ دل وجان کنند

جائے فضل وکمال ہے۔ کانِ حسن وجمال ہے ملک پارس، دارالسلطنت فرانس نہایت

072
www.taemeernews.com

آبادان ہے اور ولایت جوں گلستان۔ مگر راہ کوچہ و بازار کا انتظام لندن سا نہ تھا۔ یعنی لندن میں ایسی سڑک بنی ہے۔ دونوں طرف سے بلند بیچ میں نیچی ہے۔ دو طرفہ راہ بلند پر آدمی آتے جاتے ہیں۔ راہ پست بیچ کی سے جانور اور گاڑی لے جاتے ہیں۔ یہاں سب راہ برابر ہے۔ یکساں سراسر ہے۔ آدمی اور جانور کی راہ میں کچھ فرق نہیں۔ بلکہ برسات میں بسبب نشیب و فراز فرش سنگی کی راہیں قابلِ آمد و رفت نہیں رہتیں۔ کہیں کہیں پانوں پھسلتے ہیں۔ آدمی اور جانور گرتے ہیں۔ مگر جب سے فلپ شاہ (۱) بادشاہ تخت پر بیٹھا ہے۔ راہوں کی طیاری میں جہدِ بلیغ رکھتا ہے۔ سابق اکثر جا روشنی چراغ و فانوس کی ہوتی تھی۔ بادشاہ موصوف وہاں آپ گیس روشن کرواتا ہے۔ عدل و انصاف کا پتلا ہے۔ بہت رسمیں بیجا جو پہلی تھیں اس نے اپنے عہد دولت سے موقوف کروادیں۔ جیسے قمار بازی وغیرہ وہاں کے لوگوں کی عادت تھی۔ اُس نے بالکل اُٹھادی۔ ہر امر میں احتیاط و ہوشیاری رکھتا ہے۔ اس کی تدبیر سے راستہ بھی مثلِ لندن کے طیار ہوتا ہے۔ مکانِ قواعد اور سلاح خانہ میں گیا۔ بارہ ہزار سپاہیوں کو قواعد میں مشغول پایا۔ پیادے فرانسیس کے قواعد اور قد اور چستی چالاکی میں پیادوں انگلش سے کم تھے۔ دل کا حال نہیں معلوم کہ شجاعت کم یا زیادہ رکھتے۔ سوار داڑھی موچھ والے البتہ ہیبت ناک تھے۔ قد و قامت میں دراز اور چالاک نظر آتے۔ گھوڑے اُن کے ضعیف البنیان۔ نہ مثل گھوڑوں انگلستان کے۔ گاڈیوں میں بھی گھوڑے چھوٹے لگے۔ لندن میں ایسے گھوڑے دیکھے کہ سُم اُن کے اونٹوں کے سے اور پٹھے ہاتھی کے سے تھے۔ جس قدر صفائی اور صیقل لندن کے ہتھیاروں میں دیکھی یہاں کی فوج کے ہتھیاروں میں نہ تھی۔ جب ان سیروں سے فارغ ہوا۔ گاڈی میل کوچ سے مقام کیا۔ کرایہ پر ٹھہرا کر دو تین صاحبوں کے ساتھ سوار ہوا اور لندن چلا۔ راہ میں گانوں آباد فرانسیس کے دیکھے۔ ہر ایک دیوار شہر پناہ رکھتی اور ہر ایک میں قلعہ اور خندق۔ قلعے میں پل بنے تھے۔ جو گاڈی اس پر سے

073 www.taemeernews.com

جاتی۔ سبکی وگرانی اس کی اُس پل سے دریافت ہوتی۔ کوئی جب تک پروانہ سند پاس نہ رکھتا ہو۔ اُس میں چہرہ اور خال وخط اُس کا نہ لکھا ہو۔ شہروں فرانسیس میں نہیں جاسکتا ہے۔ (۱) چلتے چلتے بندہ جزیرۂ بلون میں پہونچا۔ وہاں مچھلی پکڑنے والوں کے جہاز جمع تھے۔ بسبب افراط کے مچھلی بہت ارزاں بیچتے۔ آب وہوا وہاں کی اچھی۔ بارش، برف کی زیادتی۔ یہ جزیرہ کنارے سمندر کے عجب جائے عشرت فزا تھا۔ زمانہ قدیم سے بسا تھا۔ تین طرف سے دیوار شہر پناہ تھی۔ مگر ایک سمت جدھر حال سے آبادی ہوئی خالی۔ ایک قلعہ قدیمی بھی اُس میں تھا۔ وہاں پہونچ کر بوچڑ صاحب کا دل مائلِ قیام ہوا۔ بپاسِ خاطران کی، آٹھ روز مقام کیا۔ ہر روز سیر وتماشے میں رہتا۔ اسی عرصہ میں مجھ سے اور ایک عورت خوبصورت سے نہایت محبت ہوئی، مگر خالی اغراضِ نفسانی سے تھی۔ سن اس کا پندرہ سولہ برس کا۔ عقل ودانائی میں وحید دیکھا۔ اکثر اس کے ساتھ دریا کنارے سیر کرنے جاتا۔ ایک روز میں اور وہ مصروف تماشا اور کوئی مخلِ صحبت نہ تھا۔ اس نے شیشۂ ساعت نکال کر کوکا۔ حال ساعتوں دن کا دریافت کیا۔ گھڑی بیش قیمت تھی۔ میں نے یہ بات کہی۔ تم ہندیوں پر بے مروتی اور بے رحمی کا طعنہ دیتی ہو۔ اگر اس وقت میں تم کو دریا میں ڈال دوں اور گھڑی چھین لوں تم کیا کرو، کوئی پوچھنے والا نہ ہو۔ اُس نے جواب دیا کہ میں نے خوب سمجھ کر تم سے اتحاد کیا۔ اتنی عقل وتمیز رکھتی ہوں کہ جواہر کو پتھر سے جدا کروں۔ آٹھ دن کے بعد بمقتضائے ضرورت اُس نازنین سے جُدا ہوکر جہاز گران ترک پر سوار ہوا۔ اگرچہ مفارقت اُس کی کا سخت قلق تھا۔ مگر چارناچار صبر کیا۔ رات کو ہوا موافق تھی۔ جہاز چل نکلا اور سریع السیر ہوا۔ بندہ دو تین ہمراہیوں کے ساتھ اُس پر بیٹھا تھا اور لوگ بھی اُس میں تھے۔ رات کا کھانا کھا کر باتیں کرنے لگے۔ کسو نے شراب پی کر کچھ قصور کیا تھا، اُس کا تذکرہ آیا۔ کوئی کہتا، قابلِ تعزیر ہے، کوئی کہتا، سزاوار بخشش اُس کی تقصیر ہے۔ ایک شخص ظاہر میں بہت متقی اور دیندار تھا، علم

074
www.taemeernews.com

رکھتا۔ وہ بھی اُس کے حق میں باتیں طرح طرح کی کہتا۔ بندہ خاموش بیٹھا سنتا تھا۔ کسی کی بی بی خوبصورت اُس دیندار کے پاس بیٹھی تھی۔ جب سب لوگوں کو نیند آئی میں نے بھی اُس کی باتیں سنتے سنتے کپڑا منھ پر رکھ کر قصداً اپنے تئیں نیند میں ڈالا۔ اُس مرد دانا نے چپ وراست نظر کر کے بزعمِ خود سبھوں کو سوتا پایا۔ دروازہ کمرے کا بند کیا اور اُس عورتِ غیر کی سے مشغول لذات نفسانی ہوا۔ میں اپنے دل میں سوچا، یہ وہی شخص ہے جو دو گھڑی پیشتر دینداری کی باتیں کہتا۔ آپ ہی گناہ میں ڈوبا۔ عجب حال ہے اہل دنیا کا۔

ولایت کے سب سامان اور باتیں اور رسمیں اچھی ہیں۔ مگر بعضی رسمیں خلاف آئین ہیں۔ ایک اُن میں سے مقدمہ خاوند جورو کا ہے۔ بنظرِ انصاف دیکھا چاہیے کہ مرد بہزار محنت ومشقت وجہ معاش حاصل کرتا ہے۔ حقوق والدین سے کہ اُن سے زیادہ حق کسی کا نہیں، غافل ہوتا ہے، دل وجان سے بی بی کی خاطر داری میں مصروف رہتا ہے۔ سخت حیف ہے کہ وہ بی بی اور سے ملتفت ہوئے۔ ننگ وناموسِ شوہر برباد کرے۔ ہزاروں لعنت اُس مرد ملعون پر کہ پرائی جورو سے مرتکبِ مباشرت ہو۔ منھ کالا اُس عورت کا کہ غیر مرد سے مشغولِ لذّت ہو۔ یہ رسم اس ملک کی اپنے مزاج کے پسند نہ آئی۔ اس لیے کہ اس میں بہت فساد ہے اور برائی۔

قصہ مختصر بعد چند روز کے لندن میں پہونچ کر قدیمی مکان پر اُترا اور شہر کی سیر میں مشغول ہوا۔ لی بیس یہودی ایک کلیسا میں لے گیا۔ وہاں کی عبادت کرنے والوں کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام نہیں ہیں خدا کے بیٹے۔ بلکہ رسول ہیں خدا کے بھیجے۔ اسی طرح انگریزوں میں کئی مذہب دیکھے بلکہ ہر قوم میں سینکڑوں مذہب ہوے۔

میں نے خوب غور کیا، مذہبوں کا پردہ پایا۔ ہر ایک ہوا وحرصِ دنیا میں پھنسا ہے۔ مذہب کا نام رکھ لیا ہے۔ عمل اپنے طریقہ پر کوئی نہیں کرتا ہے۔ آخر بعد تحقیقات کے یہ ثابت ہوا کہ

075
www.taemeernews.com

مذہب سلیمانی ہی سب مذہبوں سے اچھا ہے۔ کلیہ اُس کا یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک جانے۔ جو کچھ معاش محنت ومشقت سے پیدا کرے کچھ اپنے خرچ میں لاوے باقی خدا کی راہ پر بانٹ دے۔ خدا نے جہاں میں پیدا کیں اقسام کی نعمتیں۔ بندوں کے لیے ہیں تا کہ کھاویں اور بانٹیں۔ جنت ودوزخ اسی دنیا میں موجود ہیں نہ اور کہیں۔ جس کی عمر رنج و مصیبت میں گزرے اُس کو دوزخ ہے یہیں۔ جس کی زندگی چین وآرام سے بسر ہوتی ہے اس کو ہے بہشتِ بریں۔ خدا تعالیٰ رحیم وکریم ہے۔ عدل وانصاف میں نہیں کوئی اس کا سہیم۔ یہ بات خلاف عدل وداد کے ہے کہ زندگی چند روزہ انسان کے لیے بہشت ودوزخ آباد کرے۔ اس زندگی چند روزہ میں اور مصیبتیں کیا کم ہیں۔ سینکڑوں مکروہات وغم ہیں۔ چڑیا اور جانوروں کو باوصف بے عقلی کے اپنے بچوں سے اتنی محبت ہوتی ہے کہ اُڑ کر دُور سے دانہ لا کر کھلاتے ہیں اور اُس کو بہر صورت تکلیفوں سے بچاتے ہیں۔ حق تعالیٰ جو ستر درجے ماں باپ سے زیادہ محبت اپنے بندوں سے رکھتا ہے کیوں کر عقل میں سماتا ہے کہ دوزخ میں ڈالے گا۔ آدمی زاد جب پیدا ہوا۔ فکر دودھ کا ہوا، جب کچھ بڑھا۔ محنت تحصیل ہنروں اور نوشت وخواند میں پڑا۔ جب اُس سے فراغت پا کر سنِ بلوغ کو پہونچا، جورو کے پھندے میں پھنسا۔ سب چوکڑی بھولا۔ جب کہ عیال دار ہوا اور زیادہ جکڑ گیا۔ عزیز وقریب والدین سب کو بھولا۔ ماں باپ کے مرنے کا غم طرّہ اُس پر ہوا۔ جب پچاس برس کا ہوا۔ کوئی بینائی سے معذور ہوتا ہے، کوئی کانوں سے نہیں سنتا ہے۔ اس سے زیادہ عذاب اور کیا ہوگا کہ ساری عمر بندے کی مصیبت میں گزری۔ اس کا نام دوزخ ہے۔ خداوند کریم ورحیم نے دوزخ اور کہیں نہیں بنائی کہ اُس میں بندوں کو ڈالے۔ خلاصہ مذہب سلیمانی کا یہ ہے سوا اس کے گمرہی ہے۔ ہر ایک مذہب برائے نام ہے۔ جو خدا کی راہ پر خرچ کرتا ہے۔ غریبوں مسکینوں کی پرورش مدنظر رکھتا ہے مردم آزاری سے باز رہتا ہے، وہی بندہ مقبول ہے کوئی مذہب رکھتا ہووے۔ اے یوسف

076 www.taemeernews.com

حلیم یہ قصہ بے پایاں ہے۔ زبان کو نہیں تابِ بیاں ہے۔ سر رشتہ سخن کا توڑ، باگ قلم کی طرف مطلب کے موڑ۔

پچیسویں تاریخ دسمبر کی تھی۔ اس روز عید انگریزوں (۱) کی ہوئی۔ پر اُن صاحب نے جو کپتان جہاز کے تھے۔ میری دعوت کی۔ بموجب طلب اُن کے قریب شام اُن کے مکان پر گیا۔ کتنے صاحبوں اور بی بیوں سے جو شریکِ دعوت تھے، فائزِ ملاقات ہوا۔ ساری رات عیش وعشرت میں رہا صبح ہی رخصت ہو کر اپنے گھر آیا۔ بعد چند روز کے تین دن تک مثل کہرہ کے ایسا برف پڑتا رہا کہ روزِ درخشاں رات کی طرح تاریک ہوا۔ کچھ نہ دکھائی دیتا۔ پانی دریائے سرپن ٹین (۲) کا جم گیا۔ فرش مرمر سپید کا سا نظر آتا۔ زن ومرد لوہے کی جوتیاں پہن کر اُس پر دوڑتے پھرتے۔ (۳) اس پار سے اُس پار آتے جاتے۔ میں نے ایسا ماجرا کبھی نہ دیکھا تھا۔ اچنبھا سمجھ کر دیکھ رہا تھا۔ آخر یادگاری کے لیے میں بھی کبھی اس پار آتا کبھی اُس پار جاتا۔ اس عرصہ میں آگس چیچہ یعنی خزانہ کے مکان میں آگ لگی۔ جو قریب مکان کمپنی کے تھا۔ لوگ سراسیمہ ہو کر دوڑے۔ آگ بجھانے میں مصروف ہوئے۔ ایک کل پانی کی سامنے لا کر کھڑی کی۔ نل اُس کے مقابل آگ کے کیے اور دیر تک گھماتے رہے۔ مگر بسبب برودت کے پانی کل کے اندر جم گیا تھا ہرگز رواں نہ ہوا۔ جب بہت لوگوں نے محنت کی، کل کے اندر گرمی پہونچائی۔ تب پانی نلوں کی راہ سے بہ نکلا، آگ کو بجھایا۔ لیکن بجھتے بجھتے سارا اسباب جل گیا۔ چند روز بعد کپتان لاڈ صاحب نے میری دعوت کی۔ نہایت مہربانی میرے حال پر فرمائی۔ ازراہِ عنایت مکان ڈوک صدر لین بھائی شاہ کا تماشا دکھانے اپنے ساتھ لے گیے۔ عمارت رفیع الشان، نقش ونگار بے پایاں نظر آئے۔ کمرے اُس کے بہت بڑے تھے۔ دروازے اس کے مکان بادشاہی سے زیادہ اُونچے۔ آتش خانہ سنگ مرمر کے ترشے عجیب وغریب بنے تھے۔ میں نے باوجود سیاحت کے ویسے کہیں نہیں دیکھے۔ محافظ

077 www.taemeernews.com

مکان سے پوچھا کہ ان آتشدانوں کی ساخت میں کیا خرچ ہوا۔ اس نے کہا ایک ایک کے ترشنے میں اسّی ہزار روپیہ صرف ہوا۔ اسی بات سے دریافت کیا چاہیے کہ اور صنعتوں میں کیا لاگت آئی ہوگی۔ جس کے فقط آتشدانوں کے تراشنے میں اتنی مزدوری اُٹھی۔ وہ مکان دیکھ کر بندہ بہت محظوظ ہوا۔

ماہ جنوری میں ایک دن برنڈن صاحب سے کہ اگلے دنوں میں شاہِ اودھ کے نوکر تھے، ملاقات ہوئی۔ بہت تپاک سے مل کر اپنے گھر لے جا کر میری ضیافت کی۔ دیر تک دوستانہ باتیں رہیں اور عجائبات اور خوبیاں لندن کی بیان ہوئیں۔ بعد اس کے ذکر اُس پل کا آیا کہ انگریزوں نے دریائے ٹیم (۱) کے نیچے بنوایا۔ وہ قریب اُن کے مکان کے تھا۔ میں نہایت مشتاق دیکھنے کا ہوا۔ آخر اُن کے ساتھ پل دیکھنے چلا۔ وہاں جا کر عجب حال دیکھا۔ اوپر ایک دریا جس میں جہازوں کا لنگر پڑا ہوا تھا، بہتا۔ نیچے اُس کے انگریزوں نے پل بنوایا۔ دو طرفہ اُس میں راہ آدمیوں کی۔ بیچ میں گاڑی بگھیوں کی۔ تھوڑے دن پیشتر ایک مقام پر ٹوٹ گیا تھا۔ پانی اس طرف سے اندر اُس کے آیا تھا۔ ٹپنل صاحب جو وہاں کے نگہبان تھے، کہنے لگے۔ اگر تم کو خوف نہ آتا ہو تو اس جگہ چلو۔ میں اپنے ساتھ لے چلوں۔ میں نے جواب دیا، بسم اللہ میں مستعد ہوں کپڑے اوٹے جوتے موٹے پہنے۔ دس آدمیوں نے پلیتے روشن کر لیے۔ اُس مقام پر پہونچ کر دیکھا عجب انداز کا تھا کہ عقل میں نہ آتا۔ جہاں درز پڑی تھی مرمت جاری تھی۔ پیچوں میں لگا کر اینٹ اُس جگہ تک پہونچاتے۔ ایک ایک مزدور چھ روپیہ روزینہ پاتے۔ اُس پل کی طیاری میں چوبیس کرور روپیہ خرچ ہوا اور اب تک ہوتا جاتا ہے۔ ایک بازار بھی وہاں بنا چاہتا ہے۔

بعد ان سیروں کے ایک دن خیال آیا۔ جو روپیہ میں زادِ راہ کے لیے لایا تھا، بہت خرچ ہوا، تھوڑا سا باقی رہا۔ اب مصلحت یہی ہے کہ یہاں سے چل دیجیے۔ جب یہ بھی اُٹھ جائے

078
www.taemeernews.com

گانہ رہنے میں لطف ہے نہ جانا بن پڑے گا۔ یہ سوچ کر اٹھارہویں تاریخ جنوری کی روانگی کا عزم مصمم کیا۔ اُس وقت سے وہاں کی ہر چیز کمال محبت سے دیکھتا تھا اور دل سے کہتا ایک دن وہ ہوگا کہ دیکھنے ان پریوں اور بازار اور گاڈیوں اور راہوں دلکش اور دوست آشناؤں سے جدا پڑوں گا جیسے مردے کے لیے سامان تجہیز و تکفین کا کرتے ہیں۔ اپنے سامانِ سفر میں مستعد تھا اور خشکی کی راہ سے ارادہ سفر کا کیا۔ بوچڑ صاحب اور دوستوں نے راہ دریا سے چلنے کو کہا۔ مگر میں نے سوچا۔ دیکھی ہوئی راہ کیا فائدہ پھر دیکھنا۔ آخر اٹھارہویں جنوری کو خشکی کی راہ سے اور اسباب بھاری اپنا بوچڑ صاحب کو سونپا کہ کسی کے جہاز پر رکھ کر ہندوستان میں میرے پاس بھیج دینا۔ اسباب ضروری ایک پٹاری چرمی میں رکھ کر اپنے ساتھ لیا۔ ایک جام شراب وین دوستوں کے ساتھ پی کر گاڈی میل کوچ پر سوار ہوا۔ وقت روانگی بوچڑ صاحب، راچر صاحب اور کئی دوست افسوس کھا کر رنج جدائی سے رونے لگے۔ میں بھی وہاں سے چلتے وقت ایسا ملول ہوا جیسے حضرت آدم بہشت سے نکلے۔ چونکہ ملتے ملاتے دوستوں سے رخصت لیتے مجھ کو دیر ہوئی۔ گاڈی میل کوچ آدمیوں سے بھر گئی۔ کہیں جگہ باقی نہ رہی۔ ناچار کوچوان کے پاس بیٹھا مگر دل پر مفارقت دوستوں کا قلق تھا۔ برف ایسا برستا کہ تمام راہ میں میری داڑھی مونچھ پر جم گیا۔ ڈیڑھ پہر رات گئے کرکوز انڈر (۱) میں پہونچا۔ وہ مقام لندن سے چوبیس کوس تھا۔ وہاں سے ایک مزدور نے میرا اسباب میل کوچ سے اُتار کر اپنی گاڈی پر رکھ کر مجھ کو ساتھ لے کر سرائے فلٹن میں پہونچایا۔ میرے نوکر نے کہا کیا کیا کھانا لاؤں۔ میں نے کہا سردی مارا، برف کا ستایا ہوں۔ آتش پرستی کروں گا۔ پہلے آگ لا۔ اُس کے پاس بیٹھ کر تاپوں گا۔ اُس نے آتشدان میں آگ جلائی۔ قریب اُس کے بیٹھ کر ایسی مجھ کو آرام آئی کہ آگ مجھ کو مثل آتش پرست عزیز ہوگئی۔ ہر شخص گاڈی سے اُتر کر خوشی میں مشغول ہوا مگر مفارقت میں ان دوستوں اور شہرِ جنت نشاں سے رنجیدہ اور چپ بیٹھا تھا۔

079
www.taemeernews.com

ایک شخص جبالڑ(۱) کو اپنی نوکری پر جاتا تھا۔ مجھ کو رنجیدہ دیکھ کر قریب آ بیٹھا۔ ہنگامہ صحبت گرم کیا۔ میں نے اُس کی میٹھی باتیں سن کر غم کو دل سے مٹا دیا۔ اُس کے ساتھ شراب شیریں دوستوں کو یاد کر کے پی اور ان کے حق میں دعا دی۔ پھر وہاں سے شہر لندن کی محبت سے دل اُٹھایا۔ دو پہر رات کو دھویں کے جہاز پر سوار ہوا۔ نام اُس کا مکس تھا۔ حال جہاز والوں کا بسبب برف کے متغیر ہوا۔ برف سطح جہاز پر چار چار انگل جم گیا۔ رسّیاں جہاز کی برف جمیں ٹکڑا بلور کا معلوم ہوتیں۔ یہاں تک کہ صبح ہی جہاز جزیرہ فال مت(۲) میں پہونچا۔ چاروں طرف اس کے پہاڑ تھا۔ وہاں طوفان جہاز کو آفت نہیں پہونچاتا ہے مگر بغیر ہوائے موافق کے جہاز وہاں سے نہیں ہلتا ہے۔ پہاڑوں پر سبزی تھی۔ دل کو اُس سے راحت آتی۔ رستے بازار کے لطیف تمام تھے۔ آدمی خوبصورت وخوش کلام تھے۔ وہاں سے لاڈنیکم صاحب مع اپنی میم صاحب کے اور ولیم سیڈ صاحب اور کئی صاحب مع بی بیوں اپنی کے سوار جہاز پر ہوئے۔ جہاز مصر کی طرف چلا۔ بعد دو ایک دن کے ایک شہر میں پہونچا۔ نام اس کا ویگو(۳) تھا۔ حاکم وہاں کے اسپانیل تھے۔ وہ بھی ہیں قوم انگریزوں سے۔ جہاز اُس جزیرے میں خط پہونچانے کے لیے ٹھہرا۔ خطوط کو اُس طرف ایک چھوٹی ناؤ پر لاد کر روانہ کیا۔ بندہ بھی اُس شہر کی سیر کو اُس پر سوار ہو کر کنارے اُترا۔ شہر دیکھا، پُر سبزہ وگلہائے خنداں مگر بسبب بے انتظامی اور لڑائی بھڑائی کے ویران۔ ایک قلعہ پرانا تھا ٹوٹا پھوٹا ہوا۔ توپوں کو کھود کر زمین میں گاڑا۔ مجھ کو دیکھنے ویرانے ملک اور بے سامانی سپاہ سے لکھنؤ یاد آیا۔ دائیں بائیں پھرا، دو رنڈیوں حسین کو دیکھا۔ کمر اُن کی مانند چیتے کی کمر کے تھی۔ آنکھ بھوں اُن کی ہرن کی سی۔ دل اگرچہ صورت دیکھنے اُن کے سے نہ بھرا۔ مگر خیال روانگی جہاز کا آیا کہ مبادا جہاز رواں ہوئے۔ اسی سوچ میں تھا کہ جہاز کی توپ کا دھماکا کان تلک پہونچا۔ یہ دستور ہے کہ جب جہاز کا لنگر کھولتے ہیں لوگوں کی اطلاع کے واسطے توپ چھوڑتے ہیں۔ تا کہ جو کوئی کہیں گیا

080 www.taemeernews.com

ہوئے جلدی سے چلا آئے۔ اپنے تئیں جہاز پر پہونچائے۔ توپ کی آواز سنتے ہی گرتے پڑتے میں جہاز پر آیا۔ جہاز وہاں سے چل نکلا۔ رات کو طوفان آیا۔ ہوائے مخالف کا غلبہ ہوا۔ مگر جہاز تباہی سے بچ کر بخیریت رواں تھا۔ مجھ کو خیال زندگی کا آیا کہ اسی طرح جہازِ عمر بہا جاتا ہے۔

ستائیسویں جنوری ۱۸۳۸ء کے شہر لزبن (۱) میں پہونچا۔ وہ ہے دارالسلطنت پرتگیزوں کا۔ وہاں جہاز تھے اور بھی کئی۔ ایک ڈونگی پرتگیزوں کی ہمارے جہاز کو راہ بتانے آئی۔ لزبن کنارے دریا ٹیگس (۲) کے ہے۔ دائیں طرف اُس کے شہر اور پہاڑ جانب چپ کے ہے۔ ڈونگی پرتگیزی اس لیے رہنمائی جہاز کو مقرر تھی کہ اس دریا میں کہیں پانی تھوڑا تھا۔ کہیں اندازہ سے بیشتر۔ جب جہاز ہمارا وہاں پہونچا، ہوا کا زور تھا مگر اُستادی کپتان سے جہاز سلامت رہا۔ ہمارے کپتان اور ناخدائے پرتگیز سے کسی بات پر تکرار ہوئی۔ یہ تو ڈم ڈم کہتے اکثر طرف ثانی کہتا فوٹر فوٹر۔ پہلے پرمٹ کی جگہ نظر آئی۔ وہ ایک میدان چٹانوں پتھر سے برابر تھا۔ اس میں ایک گھوڑا مع سوار کے پتھر سے تراشا کھڑا کیا۔ نیوٹن صاحب سوداگر میرے دوست تھے۔ وہ اُس شہر میں تشریف رکھتے۔ جب میرے آنے کی خبر پائی۔ بہت تکلف سے دعوت میری کی۔ کئی طرح کا کھانا میرے لیے پکوایا۔ جب اُس کو کھایا۔ دل کو بھایا۔ پھر سیر شہر کو چلا۔ وہاں کے آدمیوں کو کج اخلاق پایا۔ حسن و جمال عورتوں کا بہ نسبت لندن کے کم تھا۔ باربرداری کی گاڈیوں میں بیل لگے تھے۔ رستے بازار کے صاف ستھرے تھے مگر دکانیں بمقابلہ لندن اور فرانس کے بدقرینے۔ ایک کلیسا عجب وضع کا بنا تھا۔ تصویریں حضرت عیسیٰ اور مریم اور حواریوں کی نفیس بنی ہوئی رکھیں۔ اُن پر کام سونے کا۔ دو تین باغ دیکھے، بہت اچھے تھے۔ حاکم اور فرماں روا وہاں کے مثل لندن۔ ایک رنڈی کم سن تھی۔ تناسب اعضا اور جمال بدنی نہیں رکھتی تھی۔ بلکہ فربہ اور جسیم تھی۔ کنارے دریا کے ایک

081
www.taemeernews.com

مکان بنواتی ۔ وہ نہایت خوش قطع اور نادر تھا۔ بسبب کمی روپیہ کے ان دنوں بنتا اُس کا موقوف تھا۔ میں نے اُس کو خوب دیکھا۔

ایک دن ناچ گھر کا تماشا دیکھنے گیا۔ شہزادی حاکمہ بھی آئی۔ میرے قریب بیٹھی۔ شوہر اُس کا ایک امیر زادہ۔ بہت خوبصورت اور وجیہ ہمراہ تھا۔ سن وسال میں بیس برس کا۔ بندہ آدھی رات تک کیفیت دیکھتا رہا۔ پھر اُٹھ کر باہر آیا اور ملاّح سے کہا کہ ناؤ پر سوار کر کے مجھ کو جہاز تک پہونچادے۔ اس نے انکار کر کے کہا کہ رات کو ہمارے شہر میں کسی کو ناؤ پر نہیں چڑھاتے۔ اکبارگی مینھ بھی برسنے لگا۔ تب میں مجبور ہو کر سرا میں شب باش ہوا۔ صبح اُٹھ کر پھر سیر کو چلا۔ مکانات دیکھے، اوندھے پڑے۔ حال اُن کا پوچھا لوگوں نے کہا اسّی برس کا عرصہ ہوا کہ یہاں ایک بڑا زلزلہ آیا تھا۔ ساٹھ ہزار آدمی اُس میں مر گئے ۔ بہت مکان اُس میں گر گئے۔ پانی دریا کا اپنے ٹھکانے سے ہٹ گیا تھا۔ بعد اُس کے اس آبادی کا جو تم دیکھتے ہو، اتفاق ہوا۔ یہ حال دیکھ کر گھبرایا۔

دوسرے دن تیسرے پہر تک پھر سیر کرتا رہا۔ بعد اس کے جہاز وہاں سے رواں ہوا۔ میں اُس پر سوار ہوا۔ کتنے صاحب اور بی بیاں اور بھی تھیں۔ بی بی اسمٹ بھی مع دونوں بیٹیوں پریزاد کے اُس پر سوار ہوئیں۔ حرکتِ جہاز سے دونوں پریاں متلی اور ابکائی میں گرفتار ہوئیں۔ جہاز پر چڑھ کر نہایت بیزار ہوئیں۔ سچ ہے سواری جہاز کی عورتوں کو بہت ایذا دیتی ہے۔ مجھ کو اُن کی بے چینی سے بے قراری تھی۔ دو تین دن میں جہاز جاتے جاتے تیسرے پہر کو قریب شہر کندس (۱) کے ٹھہرا۔ کئی اسپانیوں (۲) نے کشتیوں کو ہمارے جہاز پاس پہونچایا۔ اکثر صاحب واسطے سیر شہر کے ناؤ پر سوار ہوے۔ ہم بھی مدّت سے مشتاق اس شہر کے دیکھنے کے تھے۔ ناؤ پر چڑھے بعد اس کے مینھ آیا۔ ہر شخص جہاز پر پھر گیا۔ مگر بندہ ناؤ پر بیٹھا رہا۔ اسپانیل جو ملاّح تھے اپنی زبان میں باہم باتیں کرتے اور میرے منھ کی طرف دیکھتے۔ بلا

082
www.taemeernews.com

تحاشا ناؤ کو کنارے لیے جاتے۔ ہر چند میں نے کنارے جانے سے انکار کیا۔ پر اُنھوں نے میری بات نہ سنی۔ ظاہراً معلوم ہوتا کہ کنارے لے جا کر گھڑی اور اسباب طلائی میرا چھین لیتے اور جان سے ہلاک کرتے۔ ناگاہ جہاز کے چھوٹے کپتان نے میرے حال پر رحم کیا۔ چھوٹی ناؤ پر سوار ہو کر میری ناؤ کو خار آہنی سے اپنی طرف کھینچ کر جہاز پر پہونچایا اور اُس آفت سے مجھ کو بچایا۔ بسبب مینھ کے اُس شہر میں جانے کا اتفاق نہ پڑا۔ مگر سامنے سے بخوبی نظر آتا۔ عمارت عالیشان، وہاں حسن و جمال کی کان تھی۔ لاڈبیرن شاعر نے وہاں کے حسن کی تعریف کی ہے۔ دادِ سخنوری دی ہے۔

اکیسویں تاریخ جنوری ۱۸۳۸ء کے دو گھڑی رات رہے میں جاگا۔ جہاز کے قریب بڑا سا پہاڑ نظر آیا۔ میں متحیر ہوا کہ یہ پہاڑ کہاں سے آیا۔ پوچھنے سے معلوم ہوا کہ یہی ہے قلعہ جبالٹر کا۔ یہ شہر سابقاً ترک کے عمل میں تھا۔ جبالٹر مخفف ہے جبال ٹائر کا۔ ٹائر نام حاکم کا تھا۔ یہ قلعہ اُسی نام پر مشہور ہوا۔ پس جبال ٹائر (ا) کہلایا۔ اب بسبب کثرتِ استعمال کے جبالٹر نام پڑ گیا۔ ترک سے انگریزوں کے قبضہ میں آیا۔ جب جہاز وہاں پہونچا۔ سب لوگ ناؤ پر سوار ہوئے۔ قلعہ کی سیر کو چلے۔ بی بی اسمٹ کی دو بیٹیاں بھی اُتریں۔ میں نے اُن سے کیفیتیں جہاز کی پوچھیں۔ انھوں نے کہا ہم نے توبہ کی کہ پھر جہاز پر نہ سوار ہوں کبھی۔ قلعہ کے دروازے پر ایک چوکیدار بیٹھا تھا۔ سب کو اندر جانے دیا مگر مجھ کو روکا۔ اس وجہ سے کہ میں پروانۂ سند نہ رکھتا۔ میں نے کہا اپنی خوشی سے تیرے پاس بیٹھا ہوں۔ کہیں نہیں جاتا ہوں۔ مگر میرے کھانے پینے کی فکر کر۔ بعد دو گھڑی کے ایک انگریز آیا۔ میری وضع سے حال لیاقت دریافت کر کے دلاسا دینے لگا اور ایک بلند کرسی پر بٹھلا کر کہا تم کچھ رنج اور فکر نہ کرو، میں حاضر ہوں تمہاری خدمت گزاری کو۔ ناگاہ پرنکل صاحب میرے دوست نظر آئے۔ ولایت سے ہندوستان آتے تھے۔ مجھ کو اُس حال میں دیکھ کر تسلی دینے لگے کہ ہم جاتے ہیں

083 www.taemeernews.com

تمہاری تدبیر کے لیے۔ یہ کہہ کر وہاں کے حاکم پاس گئے، میرے لیے پروانہ لکھوا کر چھڑا لائے اور سرا میں اپنے مقام پر لے گیے۔ تعریف مہربانی انگریزوں کی کیا کروں۔ یارائے زبان نہیں رکھتا ہوں۔ پر نکل صاحب سے اور مجھ سے فقط شناسائی تھی۔ نہ رتبہ اتحاد وفرطِ دوستی۔ پاسِ شناسائی سے انھوں نے مجھ کو چھڑایا۔ ہندوستان میں ایسی محبت اپنے ہم جنسوں سے کوئی نہیں کرتا۔ میں جب تک دم میں دم رکھتا ہوں۔ دم شکر گزاری ان کے کا بھرتا ہوں۔ قلعہ جبالٹر کا یہ حال دیکھا کہ توپ کے گولوں کا انبار تھا۔ ہر چہار طرف اُس کے توپیں لگیں۔ آدمی مقرر ہیں، چوکی پہرے کی تھیں۔ گرد قلعہ کے پہاڑ ہیں۔ اُن کے گرد دریاے قہار۔ دریا میں چاروں طرف جہاز جنگی حفاظت کے لیے رہتے ہیں مستعد اور تیار۔ بلندی قلعہ کی چودہ سو فٹ کی۔ ایک مکان اور اُس کے سوا ے ہے۔ اُس کے گرد بھی توپیں ہیں۔ اونچائی اُس کی گیارہ سو پچیس فٹ کی ہے۔ اُس پر جہاز تینتیس کوس کے مفاصلہ کے نظر آتے ہیں۔ پہاڑ میں بڑے غار ہیں۔ انگریزوں نے اُسے تراش کر عمارت سنگی بنائی ہے استوار۔ اُس میں لوہے کی گاڈیوں پیچدار پر توپیں لگائی ہیں۔ جدھر کل گاڈی کی پھیرتے ہیں، منھ توپ کا بھی اُدھر پھر جاتا ہے۔ سوا اُن کے اور بھی توپیں ہیں۔ چاروں طرف پہاڑ کے سمندر ہے مگر ایک طرف سوکھی رہگذر ہے۔ ادھر سے قریب شہر اسپانیل (۱) ہے۔ وہاں سے پاؤ کوس پر عمل اسپانیل کا ہے۔ جب چاہتے ہیں اُس راہِ خشک کو بھی پانی لا کر بند کر دیتے ہیں۔ کسی غیر قوم آدمی کو رات کے رہنے کا وہاں حکم نہیں۔ دن کو اسپانیل یہاں کی سیر کو جاتے ہیں۔ یہاں کے رہنے والے بھی عمل اسپانیل میں کھیتی کرتے ہیں۔ دن ہی کو چلے آتے ہیں۔ لارڈ بنکم صاحب حسبِ اتفاق اُن دنوں اُس قلعہ میں آیا تھا۔ قلعہ دار مراسم مہمانداری میں بہ دل وجان مصروف ہوا۔ قواعد پلٹون نمبر تینتیس، چھیالیس، باون، اکیاسی، بیاسی کی دکھلائی۔ لارڈ صاحب نے قواعد دیکھ کر بہت خوش ہو کر عنایت مبذول فرمائی۔ جو مسافر وہاں پہونچے، چاہیے کہ ضرور اُس قلعہ کو دیکھے۔ اگر بارہ لاکھ آدمی اُس پر حملہ کریں۔ میری عقل

084
www.taemeernews.com

ناقص میں یہ ہے کہ ہرگز فتحیاب نہ ہوئیں۔ بلکہ سابق اسپانیل اور فرانسیس اور پرتگیز نے مل کر اُس کو گھیرا تھا۔ دو تین برس تک لڑتے رہے مگر فتحیاب نہ ہوئے۔ آخر نا اُمید پھر گئے۔ غرض کہ ایسا قلعہ مستحکم روے زمین میں کہیں نہیں ہے۔ ہم نے کرایہ جہاز کا کرلوز اندسے جبا لٹر تک ایک سو اسی روپیہ دیے۔ وہاں سے اسپٹ فا بہ جہاز پر سوار ہو کر تیسری فروری کو آگے چلے۔ کرایہ جہاز کا جبرالٹر سے مالٹا(۱) تک کا ایک سو تیس روپیہ ٹھہرائے۔ وقت روانگی جہاز کے دو تین عورتیں اسپین کی نظر آئیں۔ جمال میں غیرتِ مہر تاباں تھیں۔ دل میرے سے بے اختیار شور اُٹھا کہ پھر ان کا دیکھنا کاہے کو میسر آوے گا۔ راہ میں جہاز پر سے پہاڑ اسپین کے نظر آتے۔ زیادتی برف باری سے سپید ہوئے تھے۔

چوتھی فروری کو جہاز ہمارا قریب شہر الجر(۲) کے کہ کوہستان ہے پہونچا۔ سابق وہ عمل عرب میں تھا۔ اہلِ عرب زمانہ حکومت اپنی میں جہازوں کو لوٹتے۔ آدمیوں کو جان سے مار ڈالتے۔ جو کوئی زندہ رہتا اُس کو غلام بنا کر زندگی پھر نہ چھوڑتے۔ اس سبب سے جہاز اُس راہ سے نہ جاتے۔ اسی خیال سے فرانسیس اُس شہر کو اپنے قبض وتصرف میں لائے۔ اب جہاز اُس راہ سے بخیریت جاتا ہے۔ کوئی مزاحمت نہیں پہونچاتا ہے۔

ساتویں فروری کو جہاز قریب اس قلعہ کے پہونچا کہ ڈرزٹا(۳) نام رکھتا۔ خوب مضبوط بنا۔ اُس کے برابر ایک شہر بسا۔ جھول، نام بہت آباد عملِ عرب میں تھا۔ اُس سے ایک شہر لطافت بنیاد خوب آباد توئس(۴) نام رکھتا۔ چند روز پیشتر وہاں عربوں سے لڑتے تھے۔ دونوں طرف سے ہزاروں آدمی کام آئے۔ سوا اُس کے اور شہر بہتیرے دیکھے کہ بہت آباد اور عرب کے عمل میں تھے۔ اس کے بعد شہر جبش(۵) اور اٹلی(۶) اور اٹنا(۷) پہاڑ نظر آیا۔ اُس سے شعلہ آگ کا نکلتا۔ مگر بہ جہت دوری اور تاریکی ابرِ غلیظ کے دھویں کی صورت دکھائی دیتا۔

085
www.taemeernews.com

آٹھویں فروری ۱۸۳۸ء کو ڈیڑھ پہر رات گئے، مالٹا میں پہونچا۔ جہاز سے اُترا۔ دوسرا جہاز ملیزر نام اسکندریہ(۱) تک ایک سو بیس روپیہ کرایہ پر ٹھہرا کر اسباب اپنا اُس پر لے گیا۔ اُس وقت سب صاحبان عالیشان نے میری سفارش کی چٹھی کرنیل لو صاحب رزیڈنٹ لکھنؤ کے نام پر لکھ کر مرحمت فرمائی۔ لارڈ بنکہم صاحب نے بھی چٹھی میں بہت طرح سے سعی کی۔ اُن صاحبوں کی خوبیوں کو میں بیان نہیں کرسکتا ہوں کہ مجھ مسافر پر کیا کیا عنایت فرمائی۔ میں ملیزر جہاز کے کپتان سے دو پہر کی رخصت لے کر مالٹا کی سیر کرنے چلا۔ کپتان صاحب نے مجھ سے چلتے وقت کہا کہ اگر تم کو آنے میں عرصہ کھچے گا۔ جہاز روانہ ہووے گا، تم کو یہیں رہنا پڑے گا۔ میں ڈرتے ڈرتے سیر کو گیا۔ شہر دیکھا آباد خجستہ بنیاد۔ فرشِ بازار سنگ مرمر سے بنا۔ دو طرفہ میوہ فروشوں کی دوکان پر میوہ چُنا۔ زیادتی میوہ جات سے بازار باغ معلوم ہوتا۔ دیکھتے دیکھتے کلیسائے سنٹ جان تک پہونچا۔ وہ بہت قدیمی رومن کا بنایا ہوا تھا۔ عمارت اُس کی بلند، کنگرے فلک پیوند۔ تصویریں حواریوں وغیرہ کی رکھیں۔ بندگی کے لیے کھڑے تھے صاحبان دین۔ دوسری طرف ایک مکان میں گیا۔ وہاں پادریوں نے ترک دنیا کر کے رہنا اختیار کیا۔ گوشہ تنہائی میں تجرد سے موافقت کر کے تعلقاتِ دنیا سے ہاتھ اُٹھایا۔ اُن کے معتقد اور مرید کھانا بھیجتے ہیں اور غذائے نفیس اُن کو کھلاتے ہیں۔ دنیاداروں سے اُن کو زیادہ موٹا اور فربہ پایا۔ سمجھا کہ گوشہ کا بیٹھنا محض کھانوں لطیف اور زیادتی معتقدوں کے لیے تھا۔ اُن سے یہ حرکت بدنظر آئی۔ ماباپ نے کس محنتوں سے اُن کی پرورش کی۔ اس خیال سے کہ بوڑھاپے میں ہمارے کام آویں۔ افسوس کہ وہ جوان ہوکر اس سعادت سے باز رہیں بلکہ آپ اوروں کے ٹکڑوں پر نظر لگاویں۔ میرے نزدیک بہتر وہ شخص ہے کہ باوجود تعلق دنیوی اور بارِ عیال واطفال کے فکر عاقبت سے غافل نہ ہو۔ سوائے اپنی جورو کے اور کسی عورت پر مائل نہ ہو۔ عذابِ خدا تعالیٰ سے ہمیشہ ڈرتا

086
www.taemeernews.com

رہے۔ حتی الامکان بندگانِ خدا سے نیکی کرتا رہے۔ درحقیقت وہ پادری گوشہ نشین مانند سانڈوں بنارس کے موٹے تازے نظر آئے۔ بے محنت باربرداری کے دانہ گھاس غیروں کا کھا کر موٹے ہوتے ہیں۔ بعد اُس کے اور تین مکانوں عالیشان کی سیر کی۔ عمارت اُن کی پسند طبیعت آئی۔ پھر وہاں سے اُس سرا میں کہ لارڈ بنکہم صاحب تشریف رکھتے تھے گیا۔ اُن سے اور اُن کی بی بی سے رخصت چاہنے والا ہوا۔ دونوں صاحبوں نے اس فقیر کو شراب وین پلائی۔ جدائی میری سے رنجش خاطر بہم پہونچائی، مجھ کو بھی رقّت آئی۔ اس لیے کہ جہاز پر ہر روز لارڈ صاحب اور بی بی ان کی شراب وین پلاتی تھیں اور باتوں عنایت آمیز سے دل میرا خوش فرماتی تھیں۔ خدا اُن کو آفاتِ زمانہ سے بچاوے اور ہمیشہ روزِ عیش وعشرت دکھلاوے۔ ناگاہ آواز توپ جہاز کی کان میں آئی۔ واماندوں نے روانگی جہاز کی خبر پائی۔ بندہ مضطرب ہوکر لارڈ صاحب کے پاس سے اُٹھ کر کنارے دریا کے آیا۔ لنگر جہاز کا کھلا دیکھا اور قریب روانگی کے تھا۔ ایک اور جہاز جنگی ایشیہ نام وہیں قیام رکھتا۔ نول صاحب کپتان اُس کے نے مجھ کو بڑے اصرار سے جہاز پر بلایا اور اُس کا تماشا دکھلایا۔ چوراسی ضرب توپ اُس میں لگیں۔ جہاز مضبوطی میں جوں قلعہ آہنیں۔ ازانجا کہ ہمارا جہاز آمادۂ روانگی تھا، زیادہ ٹھہرنا مناسب نہ جانا۔ ایک دوکلمہ کہہ سن کر اپنے جہاز پر سوار ہوا، کپتان نے کہا۔ اگر تم آنے میں ایک لحظہ دیر کرتے، جہاز روانہ ہوتا۔ تم ہرگز ہم تک نہ پہونچتے مانند پادریوں سائل نان طلب کے یہیں اوقات گزاری کرتے۔ بندہ درگاہِ الٰہی میں شکر بجالایا اور جہاز پر سوار ہوکر آگے چلا۔

تیرھویں تاریخ فروری ۱۸۳۸ء کے جہاز ہمارا شہر اسکندریہ میں پہونچا۔ جہاز سے اُتر کر مع دوست واحباب روانہ شہر ہوا۔ کنارے دریا کے لڑکے عرب کے گدہے کرائے کے لیے ہوئے کھڑے تھے۔ ہر وضیع وشریف کو ان پر سوار کر کر لے جاتے۔ ہر چند ابتدا میں

087
www.taemeernews.com

اُس سواری سے نفرت ہوئی۔ لیکن بموجب ہر ملکے وہر رسے کے آخر ہم نے بھی گدھوں کی سواری کی اور سرا کی راہ لی۔ گلی کوچے تنگ اور راہی بہت تھے۔ اس لیے لڑکے گدہے والے آگے بجائے بچو بچو کے یمشی یمشی پکارتے۔ لوگوں کو آگے سے ہٹاتے، نہیں تو گذرنا اُس راہ سے دشوار تھا۔ بندہ راہ بھر اُس شہر کا تماشا دیکھتا چلا۔ کنارے شہر کے محمد علی (۱) شاہ مصر کے دو تین مکان بنائے ہوئے نظر آئے۔ ایک قلعہ قدیمی تھا۔ وہیں اُس میں توپیں ناقص از کار رفتہ پڑیں۔ محمد علی شاہ بادشاہ مصر کا ہے۔ بہتر برس کی عمر رکھتا ہے۔ بہت صاحبِ تدبیر وانتظام ہے۔ جہاز جنگی اُس کے پُر استحکام۔ صفائی اور سب باتوں میں مثلِ جہازِ انگریزی۔ مگر افسروں جہاز کی پوشاک نفاست میں بہ نسبت جہازیوں انگریزی کے کم تھی۔ عقلِ شاہِ مصر پر صد ہزار آفریں کہ ایسی باتیں رواج دیں۔ غرض کہ دیکھتا بھالتا گدہے پر سوار سرا میں پہونچا۔ اسباب اُتارا۔ پھر سیر کرنے کنارے دریا کے آیا۔ کپتان ملریز جہاز کے سے ملاقات ہوئی۔ اس نے نہایت اشتیاق سے یہ بات فرمائی کہ آؤ میں نے ذکر تمہارا یہاں کے بڑے صاحب سے کیا ہے اور تمہاری تلاش میں تھا۔ بندہ بپاسِ خاطر اُن کی ہمراہ ہو کر بڑے صاحب کی ملاقات کو گیا۔ بڑے صاحب اور میم اُن کی نے نہایت عنایت فرمائی اور وقت شام کے دعوت کی۔ بندے نے قبول کر کے مان لی۔ بعد اس کے صاحب موصوف سے یہ غرض عرض کی کہ میں ارادہ رکھتا ہوں، یہاں کے مکانوں اور عجائبات کو دیکھوں۔ کوئی آدمی ہوشیار اپنا میرے ساتھ کیجیے کہ ایسے مکانات اور اشیاء عجیب مجھ کو دکھلاوے۔ انھوں نے ایک آدمی رفیق اپنا میرے ساتھ کیا۔ نام اس کا مصطفیٰ تھا کہ یہ شخص اچھی طرح سے سب مکان تم کو دکھلائے گا۔ میں نے مصطفیٰ کے ساتھ باہر آ کر پوچھا۔ وطن تیرا کہاں ہے اور نام تیرا کیا۔ اُس نے کہا وطن میرا حبش ہے اور نام مصطفیٰ۔ ہندی زبان میں بات کی۔ مجھے حیرت تھی کہ رہنے والا حبش کا ہے اردو زبان کیونکر جانتا ہے۔ پھر اُس نے چٹھی نیک نامی

088
www.taemeernews.com

اپنی کی دکھلائی۔ اُس میں تعریف چستی اور چالاکی اُس کی لکھی تھی کہ یہ شخص بہت کاردان اور دانا ہے۔ ساتھ ہمارے ہندوستان، ایران، توران، انگلستان، فرانسیس میں پھرا ہے۔ میں نے چٹھی دیکھ کر اُس سے حال لندن کا پوچھا کہ آیا وہ شہر تجھ کو کچھ بھایا۔ کہا وصف اُس کا ہرگز نہیں قابلِ بیان ہے۔ فی الواقعی وہ ملکِ پرستان ہے۔ جن کا میں نوکر تھا انھوں نے لندن میں تین ہزار روپے مجھ کو دیے تھے۔ میں نے سب پریزادوں کی صحبت میں صرف کیے۔ یہ سن کر ہم سب ہنسے اور اُس کے ساتھ باہر آئے۔ وہ باہر نکل کر دوڑا۔ عرب بچوں کو جو گدہے کرائے کے اپنے ساتھ رکھتے، دو چار لات مکّے مار کر اپنے ساتھ مع تین گدھوں تیز قدم کے لایا۔ مجھ کو اور ہیڈ صاحب اور پرنکل صاحب کو ان پر سوار کر کے چلا اور گدھوں کو ہانک کر دوڑایا۔ اتنے میں ہیڈ صاحب کا گدھا ٹھوکر کھا کر گرا اور ہیڈ صاحب کو گرایا۔ وہ بچارے گر کر بہت نادم اور شرمندہ ہوئے۔ مصطفیٰ نے دو تین کوڑے اُس گدہے والے کو مارے۔ وہ بلبلا کر زمین پر گرا۔ زمین کا چھلا اُچھل کر ہیڈ صاحب کے کپڑوں پر پڑا۔ وہ بہت ناخوش ہوئے اور جس سرا میں اُترے تھے، پھر گئے۔ میں نے مصطفیٰ سے کہا اس قدر ظلم و بدعت بے جا ہے۔ کہا قوم عرب بدذات اور شریر ہوتے ہیں۔ بغیر تنبیہ کے راستی پر نہیں آتے۔ میں نے کہا تم بھی اسی قوم سے ہو۔ انھیں کی سی خلقت رکھتے ہو، جواب دیا۔ اگرچہ وطن میرا بھی یہی ہے۔ مگر میں نے اور شہروں میں رہ کر خُو یہاں کی سر سے دور کی ہے۔ پھر میں نے مصطفیٰ سے کہا۔ میرا قصد ہے حمام میں نہانے کا۔ وہ ایک حمام میں لے گیا اندر اُس کے حوض بھرا پانی کا تھا۔ راہ فوّاروں سے پانی بہتا۔ کئی ترک کنارہ اُس کے بیٹھے لطف کر رہے تھے۔ کوئی قہوہ، کوئی چپک پیتا۔ بندہ نے موافق قاعدہ مقرر کے وہاں جا کر کپڑے نکالے۔ پانچ چھ حمامی مالشِ بدن میں مشغول ہوئے۔ اپنی زبان میں کچھ گاتے جاتے مگر مضامین اس کے میری سمجھ میں نہ آتے۔ جب وہ ہنستے، میں بھی ہنستا، جب وہ چپ رہتے، میں بھی چپ رہتا۔

089
www.taemeernews.com

میں نے کہا مصطفیٰ سے کہ ان سے کہہ دے موافق رسم اس ملک کے بدن ملیں، کسی طرح سے کمی نہ کریں۔ ان رسموں سے مجھ کو پرہیز نہیں۔ مذہب سلیمانی میں ہر امر موقوف ہے ایک وقت کا۔ ایک وقت وہ ہوا کہ میں جہاز میں میلا کچیلا تھا۔ ایک وقت یہ ہے کہ نہا رہا ہوں۔ میں ان کو راضی کروں گا خوب سا انعام دوں گا۔ انھوں نے بموجب کہنے کے بدن خوب سا ملا اور اچھی طرح نہلایا۔ بعد فراغت کے ایک اور مکان میں لے گئے۔ اُس میں فرش صاف تھا۔ گرد اُس کے تکیے لگے۔ اُس پر بٹھلا کر پوشاک پہنائی۔ مجھ کو اُس سے راحت آئی۔ بعد ایک دم کے تین لڑکے خوبصورت کشتیاں ہاتھ میں لے کر آئے۔ ایک میں قہوہ، دوسری میں شربت، تیسری میں قلیاں چپک رکھ لائے۔ فقیر نے شربت اور قہوہ پیا۔ حقہ چپک کا دم کھینچا۔ پھر ایک خوشبو مانند عطر کے مانگ کر لگائی۔ بتیاں اگر وغیرہ جلائی۔ حمام کیا بجائے خود ایک بہشت تھا۔ دل میں خیال آیا اگر شاہدِ شیریں ادا غم زدہ ہو، یہ مقام غیرت دہِ روضۂ رضواں کا ہو۔ دو گھڑی وہاں ٹھہرا پھر باہر نکل کر کئی روپیے حماموں کو دے کر بڑے صاحب کے مکان پر آیا۔ نام ان کا ٹن بن صاحب تھا۔ کپتان صاحب جنھوں نے میری تقریب کی تھی وہ بھی موجود تھے۔ جا بجا کی باتیں اور ذکر رہے۔ بعد اس کے میں نے ٹن بن صاحب سے پوچھا کہ یہاں افسران فوج سے تمہاری ملاقات ہے یا نہ۔ انھوں نے کہا، آگے مجھ سے اُن سے بہت دوستی تھی۔ مگر ان کی حرکتوں سے طبیعت کو نفرت ہوئی۔ اس واسطے اُن سے ملاقات ترک کی۔ اکثر وہ لوگ میرے مکان پر آ کر شراب برانڈی پیتے اور چپک کے اتنے دم کھینچتے کہ مکان دھویں سے سیاہ ہوتا۔ لاچار میں نے اُن سے کنارہ کیا۔ اے عزیزانِ ذی شعور۔ اگر جناب رسول مقبول اجازت شراب نوشی کی دیتے۔ یہ لوگ شراب پی مست ہو کر کیا کیا فساد برپا کرتے۔ باوجود ممانعت کے یہ حرکتیں کرتے ہیں۔ اگر منع نہ ہوتا خدا جانے کیا فتنہ و غضب نازل کرتے۔ لڑ لڑ مرتے۔ چنانچہ راہ میں اکثر ترک دیکھنے میں آئے۔ قہوہ

090
www.taemeernews.com

خانوں میں شراب بھی ہوتی ہے اُس کو لے کر پیتے تھے۔

دوسرے دن گدھے پر سوار ہو کر شہر کا تماشا دیکھنے گیا۔ آدمیوں کو میلے اور کثیف کپڑے پہنے پایا۔ اکثروں کو نابینا دیکھا۔ سبب اُس کا یہ قیاس میں آیا کہ اُس شہر میں ہوا تند چلتی ہے، مٹی کنکریلی اُڑ کر آنکھوں میں پڑتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ لوگ وہاں کے اپنی اولاد کی ایک آنکھ یا اگلے دانت بخوفِ گرفتاری نوکری فوج محمد علی شاہ کے پھوڑ توڑ ڈالتے ہیں۔ اس عیب سے نوکری بادشاہی سے کہ بدتر غلامی سے ہے، بچاتے ہیں۔ لباس وہاں کے لوگوں کا میرے پسند نہ آیا۔ کثیف اور کالا مانند لباس مشعل چیوں کے تھا۔ قواعد پلٹنوں کی دیکھی۔ مثل قواعد فوج انگریزی کے تھی۔ ہر ایک سپاہی کے کندھے پر بندوق فرانسیسی۔ سب جوان جسیم اور موٹے مگر قد و قامت کے چھوٹے۔ کپڑے پُرانے، سڑیل پہنے۔ افسر اُن کے بھی ویسے ہی کثیف پوش تھے۔ اگر ایسے لوگ توانا اور قوی فوج انگریزی میں ہوں۔ بادشاہ روے زمین کے مقابلہ میں عاجز ہوں اور زبوں۔ مگر یہاں خرابی میں مبتلا تھے۔ کوئی کسی کو نہ پوچھتا کوئی شخص نوکری فوج شاہی میں بخوشی نہیں قبول کرتا ہے۔ شاہ مصر زبردستی نوکر رکھتا ہے اس لیے کہ خوفِ مضرت و ہلاکت وقلتِ منفعت ہے۔ لوگ اپنی اولاد کو عیبی کرتے ہیں۔ یعنی آنکھ یا دانت توڑتے ہیں تا کہ نوکریٔ سپاہ سے بچیں۔ نوکر ہونے کے ساتھی دائیں ہاتھ پر سپاہی کے بموجب حکم شاہی کے داغ دیا جاتا ہے۔ پھر عمر بھر اُسی نوکری میں رہتا ہے۔ ماں باپ عزیز و اقربا پاس نہیں جا سکتا ہے۔ چھاؤنی فوج کی مانند گھر سوروں کے مٹی اینٹ سے بنی۔ ہر ایک کوٹھری میں سوا ایک آدمی کے دوسرے کی جگہ نہ تھی۔ اونچاؤ اُس کا ایسا کہ کوئی آدمی سیدھا کھڑا نہ ہو سکتا۔ کھانے کا یہ حال تھا کہ شام کو گوشت چاول کا ہریسہ سا پکتا۔ طباقوں میں نکال کر رکھ دیتے۔ ایک طباق میں کئی آدمیوں کو شریک کر کے کھلاتے معاذ اللہ یہ نوکری کیا بدتر ہے۔ اکبارگی اپنے تئیں دریا یا کنویں میں گرانا بہتر ہے

091
www.taemeernews.com

اُس شاہِ والاشان سے یہ امر بعید نظر آتا ہے کہ لوگوں کو زبردستی سے نوکر رکھتا ہے اور اُن پر جبر کرتا ہے۔

خیر بندہ تماشا دیکھتے ہوئے باہر شہر کے گیا۔ ایک گورستان دیکھا۔ اُس میں ہزاروں قبریں نظر آئیں۔ دیکھنے والے کو باعثِ حیرت تھیں۔ میں نے لوگوں سے پوچھا اس قدر زیادتی قبروں کا سبب کیا۔ دریافت ہوا کہ یہاں اکثر وبا آتی ہے، ہزاروں آدمیوں کو ہلاک کرتی ہے۔ مکینوں کی اُسی سے آبادی ہے۔ اسکندریہ آباد کیا ہوا اسکندر کا ہے۔ وقت آباد کرنے کے ایک بڑا سا پتھر کھڑا کیا تھا۔ اب تلک قائم اور کھڑا ہے۔ راہوں اور کوچوں میں تنگی ہے۔ اس سبب سے بیشتر وبا آتی ہے۔ آدمی وہاں کے مفلس و پریشان اکثر تھے۔ بعضے راہ میں فاقہ مست اور خراب پڑے ہوئے مثلِ سگانِ بازاری، ہندوستان کے۔ دیکھنے اُن کے سے سخت تنفر ہوا۔ آگے بڑھا۔ ایک اور پرانا تکیہ دیکھا، وہاں فرانسیسوں نے محمد علی شاہ کی اجازت سے قبروں کو کھودا ہے۔ مُردوں کو شیشہ کے صندوق میں رکھا پایا ہے۔ ظاہرا ہزار دو ہزار برس پہلے مُردوں کو شیشے کے صندوقوں میں رکھ کے دفن کرتے تھے۔ نہیں مردے صندوقوں میں کیوں کر نکلتے۔ اگرچہ عمارت اُس شہر کی شکستہ ویران تھی۔ مگر آبادی زمانہ سابق سے خبر دیتی۔ کئی وجہوں سے ثابت ہوتا کہ یہ شہر اگلے دنوں میں پُر عمارت اور خوب آباد ہوگا۔ اس واسطے کہ جا بجا اینٹ کا اور پتھر کا نشان تھا۔ زمین کے نیچے سے اکثر سنگِ مرمر نکلتا۔ ان دنوں کئی مکان کوٹھی فرانسیسوں اور انگریزوں کے خوب طیار ہوئے ہیں۔ سوا اُن کے اور سب مکان ٹوٹے پھوٹے ہیں۔

پندرہویں تاریخ فروری ۱۸۳۸ء کو میں اور پرنکل صاحب، ہیڈ صاحب اور ہل صاحب باورچی سرائے مصر کی کشتی پر سوار ہو کر شہر محمدی کو چلے۔ یہاں سے حال سنیے۔ ناؤ نہر محمدی میں رواں ہوئی۔ کیفیت اُس کی اس طرح پر کہ سابق میں وہ نہر تھی۔ محمد علی شاہ نے

092
www.taemeernews.com

اپنے زمانہ سلطنت میں کھدوائی۔ مردوں اور رنڈیوں کو زور ظلم سے پکڑا، نہر کھودنے میں لگایا۔ سات دن میں اسکندریہ سے محمدی تک نہر کو کھدوایا۔ یہاں سے وہاں تک فاصلہ چوبیس کوس کا تھا۔ اس محنتِ شاقہ رات دن کی میں قریب ساٹھ ہزار آدمیوں کے مرے۔ اب اس نہر میں ناؤ آتی جاتی ہے۔ راہ نہر میں کنارے شہر کے ویرانی گانوں کے دہات صوبہ اودھ سے یاد دلاتی۔ بسبب ظلم شاہ مصر کے رعیت برباد ہوئی بلکہ بستی اُجڑ گئی۔ تمام راہ میں دیکھتا گیا۔ زمین قابل زراعت کو اُفتادہ پایا۔ عامل تردِدِ زراعت میں رہتے ہیں مگر لوگ بہ سبب سخت گیری اور جبر اُن کے کے کاشتکاری سے کنارہ کرتے ہیں۔ شاہِ مصر اگرچہ ہر بات میں مردِ دانا ہے پر رعیت پر سخت ظلم کرتا ہے۔ ہر شخص اُس کے ہاتھ سے دست باخدا ہے۔

فقیر چار روز میں اسکندریہ سے محمدی پہونچا۔ پرمٹ گھاٹ پر ناؤ سے اسباب اُتارا۔ محمدی میں صد ہا زن و مرد نابینا نظر آئے۔ بہتیرے لڑکے بغل میں دابے میلے کپڑے پہنے بیٹھے۔ آدمیت سے مطلق بہرہ نہ رکھتے اور میل بدن کے سبب سے ہر ایک کے کپڑے میں جوں پڑی۔ چنانچہ وہ لوگ جوں مارنے میں مشغول تھے۔ یہ حال دیکھ کر مجھ کو نفرت آئی طبیعت گھبرائی۔ ایک اور امر عجیب دیکھا۔ جس ناؤ پر علم انگریزی ہوتا کوئی مزاحم نہ ہوتا۔ محصول پر مٹ کم دینا پڑتا اور جس کشتی پر نشان ترکوں کا دیکھتے۔ ایذا دے کر محصول زیادہ لیتے۔

سبحان اللہ جس کو حق تعالیٰ صاحبِ اقبال کرتا ہے۔ ہر ایک اُس کا پاس کرتا ہے اور ڈرتا ہے۔ جزیرہ انگریزوں کا چھوٹا اور ان کے ملکوں کے سامنے کیا اصل رکھتا۔ مگر بہ سبب اقبال بے زوال انگریزوں کے، یہاں کے لوگ ڈرتے ہیں۔ کسی طرح کی تکلیف اور ایذا اُن کے متوسلوں کو نہیں پہونچا سکتے ہیں۔ محمدی میں ہر چیز کی تجارت ہوتی ہے۔ خلقت خرید و فروخت اسباب کی کرتی ہے۔ میں یہاں سے کشتی رودِ نیل پر سوار ہوا۔ مصر کو چلا۔ پانی نیل کا شیریں اور ہاضمِ طعام ہے بلکہ مثل معجون کے مقوی اعضاء رئیسہ اندام ہے۔ اسی سبب سے

093
www.taemeernews.com

وہاں کے لوگوں کو توانائی میں اوروں سے زیادہ پایا۔ کنارے نیل کے سبزہ زمرد رنگ نظر آیا۔ سبزہ کنارے گنگا کا اس کو دیکھ کر یاد آیا۔ حق یہ ہے کہ ایسا سبزہ اور میٹھا پانی اس کا ہرگز نہ تھا۔ ملاح عربی بہ نسبت ہندیوں کے ناؤ چلانے میں زیادہ مہارت رکھتے ہیں۔ سر سے پاؤں تک فقط ایک کرتا پہنتے ہیں۔ وقت ناؤ کھینچنے کے اُس کو بھی کمر سے لپیٹتے ہیں۔ بے شرم وحجاب ننگے ہوتے ہیں۔ اس لیے ہندوستان یا انگلستان کی رنڈیوں کو اُن کی ناؤ پر سوار ہونا نہ چاہیے۔ کشتی ہماری اُستادی ملاحوں عرب کی سے لطف سے رواں تھی کہ اُسی عرصہ میں ایک کشتی علم انگریزی کی نظر آئی۔ اُس پر ایک شخص بیٹھا پیالہ شراب کا ہاتھ میں لیے شراب پیتا۔ ایک آدمی نے ہماری ناؤ پر سے اُس کو پکارا۔ وہ زبان انگریزی سن کر بہت خوش ہوا۔ اپنی کشتی ہماری کشتی کے پاس لایا اور دست بدست ہماری کشتی پر آیا۔ نشے میں ایسا مست تھا کہ وقت آنے کے کپڑا اُس کا پانی نیل میں بھیگ گیا۔ ایک پیالہ شراب دین ہم کو پلائی۔ اُسی کے ہاتھ کی کھینچی تھی۔ بعد اس کے اپنی ناؤ پر معشوقہ مصری پاس گیا۔ ظاہر اوہ شخص فقط تفریح طبع کے لیے پھرتا تھا۔ مجھ کو پینے جام دین سے لطف اُٹھا کہ سابق ہرگز نہ تھا۔ دل مثل آئینہ زنگ زدودہ کے صاف ہوا۔ کنارے نیل کے بہت جانور ہیں۔ جو شائق شکار بیشتر ہیں۔ چاہیے کہ وہاں شکار کریں اور تماشا نیل کا دیکھیں۔ بندہ نے بھی شکار بطخ وقاز وغیرہ کا کیا۔ بہت محظوظ ہوا۔

اٹھارہویں تاریخ فروری کو دو گھڑی رات گئے مصر (۱) میں پہونچے، شکرانہ خدا کا بجا لائے۔ گرد مصر کے دیوارِ شہر پناہ عظیم الشان ہے۔ شام سے پھاٹک بند ہوتا ہے اُس وقت اندر جانے کا کسی کو نہ امکان ہے۔ ہم سخت متحیّر ہوئے کہ اندر شہر کے کیوں کر پہونچے۔ ہل صاحب مصر کی سرا کے باورچی ایک راہ جانتے تھے، اُدھر لے گئے۔ ہم سب دیوار پر چڑھے، اندر شہر کے کودے۔ خدا نے بڑا فضل کیا کہ چوکیداروں نے نہیں دیکھا۔ ورنہ بلا

094
www.taemeernews.com

تحاشا گولی مارتے۔ شاہِ مصر سے اجازت اس کی رکھتے۔ ہم ہل صاحب کے ساتھ ان کی سرا میں گئے۔ میز پر کھانا کھانے بیٹھے۔ کئی انگریز ترکی لباس پہنے کھا رہے تھے۔ ہم ابتداً اُن کو ترک سمجھے، جب وہ کلام کرنے لگے، انگریز ثابت ہوئے۔ ملازم شاہ مصر کے تھے۔ تمغہ بادشاہی نمایاں رکھتے۔ مگر دو شخص نوجوان بیس برس کے بے تمغہ تھے۔ اُن سے فقیر نے پوچھا کہ تم یہاں کیوں اور کس لیے آئے۔ جواب دیا سیر کے لیے۔ باپ ہمارا صاحب دولت وحشمت ہے۔ ہم کو سیر ملکوں کی اُس کی اجازت ہے۔ چنانچہ ہم سیر ملکوں کے لیے پھرتے ہیں۔ تلاش کسی بات کی نہیں رکھتے ہیں۔ مجھ کو اس بات سے حیرت آئی کہ اس عمر میں لڑکے ہندوستان کے کھیل کود میں مشغول رہتے ہیں۔ لہو ولعب میں ایسے مبتلا کہ اپنے تئیں نہیں پہچانتے ہیں۔ یہ کون لوگ ہیں کہ باوجود ثروت وعیش کے اپنے اوپر تکلیف گوارا کر کے شہروں میں پھرتے ہیں۔ تجربہ نیک وبد زمانہ کا حاصل کرتے ہیں۔ انھیں باتوں سے انگریز جہاں میں قابض اور مسلّط ہوئے ہیں۔ میں نے ان کی صحبت میں سے کئی پیالے شراب وین پی کر دل کو راحت دی۔ پھر نیند آئی سو رہا۔ صبح اٹھا۔ عمارت سرا کی دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں ملّاح نیل نے آ کر ہل صاحب سے انعام مانگا۔ ہل صاحب نے اُس کو گالیاں دیں اور مارا۔ ایک خرمہرہ انعام نہ دیا۔ مجھ کو اس بات سے رنج ہوا مگر ملّاح کے عوض لڑنا مناسب نہ سمجھا۔ بعض انگریز مردم آزار، سنگدل جو ہندوستان یا عربستان یا اور جگہ جاتے ہیں۔ بے وجہ ناحق لوگوں کو ستاتے ہیں۔ بخوفِ شاہ انگلستان لوگ اُن کی خاطر کر جاتے ہیں۔ مگر عمل انگریزی میں ظلم وجبر نہیں کر سکتے ہیں۔ ہل صاحب عملداری انگریز میں اگر ملّاح کو مارتے، وہ بھی ایسا گھونسا اُن کے منھ پر مارتا کہ دانت ٹوٹتے مگر یہاں پاسداری شاہ انگلش سے کسی کو طاقت مقابلہ کی نہیں۔ عالی ظرف باوجود اقتدار واختیار کے کسی کو نہیں ستاتے ہیں۔ اگر ایک شخص کوتاہی دست یا خوف حاکم کے سے ایذا رسانی سے باز رہے۔ اُس کی کوئی کیا تعریف

095 www.taemeernews.com

کرے کہ اور کے خوف سے ہے۔ قابلِ تعریف وہ ہے کہ باوصف حکومت و اختیار کے کسی کو نہ ستاوے بلکہ مطیع ہونے اور فرماں برداری آدمیوں کا شکر خدا کی درگاہ میں بجالاوے۔ عجز و انکسار کو مصاحب دائمی کرے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انتیسویں تاریخ فروری ۱۸۳۸ء کے بموجب رسم اُس ملک کے ہم گدہے پر سوار ہوئے اور عنایت پرنکل صاحب سے ایک چوبدار بادشاہی راہ بتانے کے لیے ساتھ لے کر بازار کا تماشا دیکھنے چلے۔ ہر ایک دوکان اور تنگی راہ وہاں کی اور خرید و فروخت اشیا کی مثل بنارس کے تھی۔ مگر ساخت بازار میں البتہ صورت دوسری یعنی یہاں درمیان دوکانوں کے چھپّر گھاس پھوس کا ڈالا ہے۔ بہ سبب اُس کے مینھ اور غبار سے صحن بازار کا بچتا ہے۔ دوکانیں حلوائیوں اور باورچیوں کی مانند دوکانوں ہندوستان کے آباد۔ نان بائیوں کی دوکان پر ترک و عرب روٹی کھا رہے تھے دل شاد۔ چھوارا بیچنے والے دوکانوں پر بیٹھے چھوارا بیچتے۔ مکھیوں کے ان کے پاس ہجوم تھے۔ راہ میں ہندوستان کی طرح جا بجا اسباب عمدہ رکھے۔ کسی طرف سے بگھیوں کے رستے نہ تھے۔ ایک آدھ راہ سے بگھی شاہ مصر کی بدشواری جا سکتی۔ قصابوں کی یہ صورت تھی کہ میلے کپڑے پہنے اور ایک چیتھڑا میلا گوشت پر ڈالے گوشت بیچ رہے تھے۔ آبادی شہر مصر کی ایسی ہے کہ شہر بھر کی چھت ایک دوسری سے ملی ہے۔ اگر کوئی ایک چھت پر چڑھے۔ سب چھتوں پر بے تکلف جا سکے۔ اس کثرتِ آبادی سے یہ بات ثابت ہوتی کہ فصل گرمی میں نہایت گرمی ہوتی ہوگی۔

سیر کرتے ہوئے ایک قدیمی مکان میں گیا۔ زبانی لوگوں کے ثابت ہوا کہ فرعون کے زمانہ کا بنا تھا۔ بلندی اور گنبد اُس مکان کا جامع مسجد شاہجہان آباد سے زیادہ۔ گرد اگرد اُس کے دیوار پختہ ایستادہ۔ مکانِ عالیشان تھا۔ در و دیوار میں جا بجا نشانِ خون نمایاں۔ بہت سے تابوت وہاں رکھے۔ عبرت ہوتی اُن کے دیکھنے سے۔ میں نے حیران ہو کر پوچھا کہ در دیوار میں خون لگنے کا سبب کیا۔ لوگوں نے بیان کیا کہ ایک قوم عرب نام اس کا

096
www.taemeernews.com

مملوک (۱) تھا۔ مدّت سے اس شہر میں رہتے، شجاعت و بہادری میں بے نظیر تھی۔ اطاعت بادشاہ کی بسبب جرأت کے نہ کرتے۔ سب سات سو نفر تھے۔ آخر ایک دن شاہ مصر نے اُن سے فریب کیا یعنی بہانہ دعوت سے سب کو اُس مکان میں بلایا۔ جب وہ سب جمع ہوئے۔ دروازے بند کروا دیے اور اپنے لوگوں کو دیواروں پر چڑھایا۔ گولی، نیزے، تلوار سے اُن کو مروایا۔ وہ زخموں سے چور دوڑے دوڑے پھرتے۔ یہ دھبّے اُنھی کے خون کے ہیں، جو دکھائی دیتے۔ (۲) یہ حال سن کر میں نے بہت افسوس کیا کہ یہ امر دانائی و شجاعت سے دُور ہے بہت سا۔ اوّل عنایت و مہربانی سے بلانا، پھر دغابازی سے قتل کرنا خلاف دیانت و امانت کے ہے۔ جو شخص اپنے کہے پر قائم نہ رہے، کتّے سے بدتر ہے۔ اس واسطے کہ کتا حقِ نمک ملحوظ رکھتا ہے۔ پس یہ شخص کتّے سے بھی بُرا ہے۔ دنیا ناپایدار ہے کسی کو یہاں قرار ہے۔ افسوس کہ اُس پر بھی آدمی نہیں سمجھتے ہیں۔ ظلم و بدعت پر آمادہ ہو قتل انسان کرتے ہیں۔ بالاتفاق ہر مذہب میں ثابت ہے کہ کوئی گناہ قتلِ بنی آدم سے نہیں زیادہ ہے۔ باوجود اس کے جس کو دیکھیے از راہِ نفسانیت خوں ریزی پر آمادہ ہے۔ انسان نمونہ قدرت کاملہ حق تعالیٰ کا ہے۔ جو اُس کو قتل کرتا ہے دونوں جہاں میں منھ اُس کا کالا ہے۔

قصہ مختصر وہاں سے پھر کر اُس بازار میں آیا کہ لونڈی غلاموں کے بکنے کا وہ مقام تھا۔ بردہ فروش لونڈیاں علانیہ بیچتے ہیں۔ خوف حاکم و عسس نہیں رکھتے ہیں جو لونڈیاں خوبصورت کم سِن دیکھتے ہیں۔ ان کو علیٰحدہ ایک مکان میں پردہ نشین کرتے ہیں۔ جس خریدار کو صاحبِ عزّت و ثروت جانتے ہیں اُس مکان میں لے جا کر دکھلاتے ہیں۔ باقی اور لونڈیاں سر بازار بٹھلا کر بیچتے ہیں۔ لوگ دیکھ بھال کر مول لیتے ہیں۔ حال اُن بے چاریوں کا اُن ظالموں کے ہاتھ سے متغیر تھا۔ کسی کا بہ سبب فاقہ کشی کے بدن میں فقط چمڑا رہا، کسی کا سارا بدن ننگا۔ بندہ کپڑے سپید انگریزی پہنے تھا۔ اظہارِ خریداری لونڈی خوبصورت کا کیا۔

097 www.taemeernews.com

بردہ فروشوں نے اندر مکان کے لے جا کر لونڈیاں خوبصورت دکھلائیں۔ صورت شکل میں سب پری کے مانند تھیں۔ مگر بسبب تکلیف دینے اُن ظالموں کے، روٹی کپڑے سے سوکھ کر پوست واستخواں رہیں۔ سب کی سب میری طرف دیکھ کر عاجزی سے اشارہ خریداری اپنی کا کرتیں۔ میں دیکھنے حال تکلیف اور مصیبت اُن پریوں سے سخت رنجیدہ ہو کر باہر آیا۔ بخدا اگر مجھ کو مقدور ہوتا۔ اُن ستمگاروں ناخدا ترس سے سب کو مول لے کر آزاد کر دیتا۔ مگر لاچار ہوا کہ اتنا روپیہ کہاں سے لاتا۔ بجز غم کھانے کے چارہ نہ دیکھا۔ دل میں تعجب آیا کہ اس قدر زیادتی لونڈیوں کا باعث کیا۔۔ لوگوں نے کہا محمد علی شاہ مصر کا جس ملک کو فتح کرتا ہے۔ اُس شہر کے زن و مرد پکڑ لاتا ہے۔ اُن کو درماہے کے عوض سپاہیوں کو تقسیم کر دیتا ہے۔ ہر ایک سپاہی اُن کو اس بازار میں لا کر سرِ دست اِن ظالموں کے ہاتھ کم قیمت پر بیچ جاتا ہے۔ یہ بتدریج بیچتے ہیں، قیمت زیادہ لیتے ہیں۔ شاہ مصر کی دانائی سے بعید معلوم ہوتا ہے کہ رعیت پر اس قدر ظلم گوارا کرتا ہے باوصف کمال ہوشیاری کے خدا تعالیٰ سے نہیں ڈرتا ہے۔ میں حیران ہوں کہ اس ظلم سے قیام سلطنت اس کی کا کیوں کر ہوتا ہے۔ آخر ایک دن خدا فریاد مظلوموں کی سنے گا۔ ان اعمالوں سے سلطنت اُس کی خاک میں ملاوے گا۔(۱)

آگے چلا، ایک مکان بادشاہی دیکھا نیا بنتا تھا۔ ہر ستون اور فرش اُس کا ترشا سنگِ مرمر کا۔ یقین کہ بعد طیاری کے بہت خوب ہوگا۔ سنگِ مرمر جا بجا سے بہت تلاش سے بہم پہونچایا۔ وہ مکان نہایت عالیشان تھا۔ اُس کے بعد ایک اور عمارت نظر آئی۔ پاس اُس کے دوکان نان بائی کی۔ میں نے پوچھا یہ مکان کس کا ہے۔ لوگوں نے اظہار کیا۔ دیوانے تمام شہر کے اس میں قید رہتے ہیں۔ جو مسافر اُدھر سے گزرتے ہیں۔ نان بائی کی دوکان سے روٹی مول لے کر اُن کو کھلاتے ہیں۔ میں نے بھی اُس دکان سے روٹی مول لی، اُس مکان میں جانے کی نیت کی۔ اندر گیا۔ دیوانوں کو دیکھا، کتوں کی طرح دست و پا زنجیر میں

098
www.taemeernews.com

بندھے، چٹائی پر بیٹھے۔ گلوں میں طوق آہنی پڑے۔ کثافت سے کپڑوں میں جوں پڑی تھیں۔ مکھیوں کے غول ہر ایک پاس بھن بھنا رہے تھے۔ اسی طرح دوسری طرف رنڈیاں دیوانیاں گرفتار۔ وہ بھی یوں ہی بحالِ زار۔ ان قیدیوں کا حال دیکھ کر مجھ کو عبرت آئی۔ روٹی ہر ایک کے سامنے پھینک دی۔ ایسے بھوکے تھے کہ جلدی سے روٹی منھ میں ڈال کر کتوں کی طرح نگل گئے۔ اُن کے لیے سرکار شاہ مصر سے کھانا مقرر تھا۔ مگر کارندوں کی بددیانتی سے ایک ٹکڑا روٹی کا بھی اُن کو نہ ملتا۔ خوراک اُن کی مسافروں کے آنے پر ہے۔ سو بھی جو مسافر نرم دل اُس راہ سے گزرتا ہے اور حال اُن کا سنتا ہے۔ اُس مکان میں جا کر اُن کو روٹی کھلاتا ہے نہیں تو اپنی راہ چلا جاتا ہے۔ ان میں ایک جوان وجیہ، لئیق ترکی نژاد عمر چالیس برس کا اسی حال میں مبتلا تھا۔ اُس کے پاس جا کر میں نے حال پوچھا۔ زبانِ ترکی سے کچھ کلام کیا۔ مگر میں اُس کو نہ سمجھا۔ بہر حال وہ شخص عقل و ہوش رکھتا۔ ناحق اُس مکان میں قید تھا۔ یہ ثابت ہوا کہ مصر میں اگر کسی کو کسی سے عناد ہوتا ہے قاضی کو رشوت دے کر اُس کو دیوانہ ظاہر کر کے اُس مکان میں قید کرواتا ہے۔ مجھ کو تعجب اور تاسف آتا ہے کہ رعیت پر، خاص دیوانوں پر، اتنا ظلم ہوتا ہے۔ مگر بڑا صاحب جو وہاں رہتا ہے، شاہ مصر سے اُن کے مقدمے میں کچھ نہیں کہتا ہے۔ سوا اُس کے اکثر انگریز اور اُس راہ سے گزرتے ہیں۔ مگر ان دیوانوں کے حق میں شاہ مصر سے کلمۃ الخیر نہیں بولتے ہیں۔ باوجودے کہ نیّت صاحبانِ انگریز کی رفاہیتِ خلائق پر مصروف ہے اور باگ ارادے اُن کے بہبود خلقت پر معطوف ہے۔ جو کوئی اُن بچاروں کو اُس مصیبت سے چھڑا لے، دنیا و آخرت میں اجرِ عظیم پاوے۔ ایک مکان سودائیوں کا لندن میں دیکھا تھا۔ ہر ایک نفاست سے سنگِ مرمر کی کرسی پر بیٹھا تھا۔ پوشاک نفیس پہنے ہوئے۔ آدمی خدمت کے لیے سرکار سے مقرّر تھے۔ ڈاکٹر علاج کے واسطے مقرّر۔ ہر طرح کی دوا و غذا سرکار سے میسّر۔ مکان ایسا صاف اور بہتر تھا کہ مکھی کا ہرگز گذر نہ تھا۔ جب کوئی

099
www.taemeernews.com

جنوں سے صحت پاتا ہے اپنے گھر خیریت سے بھیج دیا جاتا ہے۔ یا ملازم سرکاری ہوتا ہے۔ یہاں برخلاف اُس کے عمل میں آتا ہے۔ کوئی اُن دیوانوں کی خبر نہیں لیتا ہے۔ اگر مسافر آنکلے، اُن کو کچھ کھلاوے نہیں تو فاقہ کریں، مصیبت میں رہیں۔ اگر خدا کی قدرت سے بے دوا اور علاج کوئی اچھا ہو جاوے، اس مکان سے نکلنے نہ پائے انگلستان میں کتے بھی ان دیوانوں سے اچھے رہتے ہیں۔ کھانے کی طرف سے ہرگز تکلیف نہیں کھینچتے ہیں۔ یہ عجب بادشاہ اور عجب کارندے ہیں۔ بنی آدم کو ایسی تکلیف میں ڈال کر روٹی کی خبر نہیں لیتے ہیں۔

یہاں کا حال دیکھ کر اُس تہ خانہ میں گیا کہ فرعون علیہ اللعنت (۱) نے حضرت یوسف کو اُس میں قید کیا تھا۔ دروازہ اُس کا ہمیشہ بند رہتا۔ میرے ساتھ چوبدار بڑے صاحب کا تھا۔ اس لیے ایک عورت نے دروازہ کھولا اور ہاتھ میں مشعل لے کر اندر دکھایا۔ میں نے چاروں طرف دیکھا۔ فرش زمین پتھر کا تھا اور وہ تہ خانہ سنگستان میں بنا۔ بیچوں بیچ اُس کے ایک کنواں گہرا۔ بعد اس کے ایک اور مکان میں گیا۔ وہ دریائے نیل (۲) کے پار تھا، پہاڑ کے مانند بڑا اور اونچا۔ تین کنگرے رکھتا۔ (۳) مجھ کو نیل کے اترنے میں دیر ہوئی۔ یہاں تک کہ شام ہوگئی۔ آدمی پرنکل صاحب کا دوڑا آیا کہ جلدی چلے آؤ نہیں تو دروازہ شہر پناہ کا بند ہو جائے گا۔ پھر شہر میں پہونچنا دشوار ہو جائے گا اور پرنکل صاحب کا قصد ہے کل یہاں سے روانگی کا۔ بندہ یہ بات سنتے ہی سیر اُس مکان سے پھرا۔ دروازۂ شہر پناہ پر آپہونچا، پھاٹک بند ہوتا تھا۔ میں چستی سے اندر آیا اور اپنے مقام پر پہونچا۔ بخوبی نہ دیکھنے اُس مکان سے بہت تاسف کیا۔ الّا لاچار ہوا کچھ بن نہ پڑا۔ میرے نزدیک مصر میں یہ طریقہ اچھا ہے کہ رات کو کوئی بے روشنی قندیل کے باہر نہیں نکلتا ہے۔ اگر چوکیدار کسو کو بے قندیل دیکھتے ہیں، بے دھڑک گرفتار کر لیتے ہیں۔ اس سبب سے چور اور شاہ پہچانا جاتا ہے۔ چور چوری نہیں کر سکتا ہے۔ سوا اس کے ہر محلّہ میں ایک پھاٹک لگا ہے۔ رات کو بند ہو جاتا ہے۔

100
www.taemeernews.com

کوئی ادھر سے اُدھر نہیں جانے پاتا ہے۔ نہ شب کو کوئی تماشا ہے کہ آدمی اُس کو دیکھنے نکلے اور سیر کرے۔ مگر ایک امر قابل دید ہے۔ نادیدو ناشنید ہے۔ وہ یہ کہ رات کے وقت ترک اور عرب قہوہ خانوں میں بیٹھ کر حقہ چپک کے دم کھینچتے ہیں اور شراب پیتے ہیں۔ داستان گو اُن کے سامنے قصہ کہانیاں نادر کہتے ہیں۔ سابق شراب نوشی کا رواج نہ تھا۔ محمد علی شاہ کے زمانہ سے اس کا بہت چرچا ہوا، اس لیے کہ بادشاہ اور شہزادہ ولی عہد علانیہ شراب پیتے ہیں۔ سفر اور حضر میں اس کو ساتھ رکھتے ہیں۔ شاہزادہ ولی عہد محمد ابراہیم نام رکھتا ہے۔ زبانی وہاں کے لوگوں کے شجاعت و بہادری میں یکتا ہے۔ باوصف اس قدر حکومت واقتدار کے لڑائی کے وقت سامان آسائش کا ساتھ نہیں لے جاتا ہے۔ خیالِ سبکباری سے جریدہ رہتا ہے۔ ایک دن لڑائی میں دو تین اونٹ بوجھ لدے ہوئے نظر پڑے۔ پوچھا کہ یہ اسباب کس کا اور اونٹ کس کے۔ مصاحبوں نے عرض کیا کہ ان پر اسباب ہمارا لدا ہوا ہے۔ بہت ناخوش ہو کر کہا میں اپنے ساتھ کچھ سامان نہیں رکھتا اور رات کو زمین پر سوتا، تم کو اس قدر اسباب ساتھ لے چلنا کیا ضرور تھا۔ اس آرام طلبی کی وجہ سے اُن کو نوکری سے جواب دیا۔ ازانجا کہ مزاج بادشاہ اور شہزادے کا متوجہ شراب نوشی کے ہے۔ ساری فوج اور رعیت کو اثر اُس کا آیا ہے۔ یعنی ہر ایک شراب پیتا ہے۔ چنانچہ سعدی شیرازی نے فرمایا الناس علی دین ملوکہم۔

قبل اجلاس اس بادشاہ کے مصر میں انگریزوں کو گھوڑے پر سوار ہونے کا حکم نہ تھا۔ محمد علی شاہ نے اپنے عہدِ سلطنت سے اس بات کو خلاف جان کر انگریزوں کو گھوڑوں کی سواری کا حکم دیا۔ بہت رسمیں اور حکمتیں ایجاد کیں جو زمانہ سابق مصر میں نہ ہو سکتیں تھیں۔ اُن میں سے ایک یہ امر نیا ہے کہ لوگوں کو توپ اور بندوق ڈھالنا سکھلایا ہے۔ چنانچہ توپیں تیار کرواتا ہے۔ فوج کو قواعد انگریزی سکھلاتا ہے۔ مصوّروں کا مل کو نوکر رکھا ہے۔ رعایا کو حکم دیا ہے کہ اپنے لڑکوں کو فنِ تصویر کشی تعلیم کروائیں۔ لندن کی طرح تصویر موی بھی اُن سے

101
www.taemeernews.com

بنوائیں۔ وہاں آگے لوگ اس فن کو بُرا جان کر نفرت کرتے تھے۔ اب ایسا رواج ہوا کہ ہنر سمجھے۔ جا بجا مدرسہ بنوایا ہے۔ عالموں اور طالب علموں کا در ماہہ مقرّر کیا ہے۔ بہت سے لڑکے نوکر رکھ کر انگلستان اور فرانس فنِ جہاز رانی سیکھنے کے لیے بھیجے۔ اسی طرح صدہا امرِ خیر اُس نے اپنی ذات سے رواج دیئے۔ غرض کہ بعضی بات میں قابلِ تحسین و آفریں ہے، بعض رسمِ ظلم و ستم سے سزاوارِ نفریں۔

یہ حالات دیکھ کر انتیسویں تاریخ فروری کی گدھے پر سواری کی اور اونٹ باربرداری کا کرایہ پر ٹھہرا کر بندہ پرنکل صاحب اور ہیڈ صاحب کے ساتھ مصر سے سوئیس (۱) کو چلا۔ یہاں سے وہاں تک تین منزل کا فاصلہ تھا۔ تمام راہ کھانا پانی میسّر نہ آتا، اس لیے ہر چیز ضروری اور کھانا، پانی، شراب میوہ اُونٹوں پر لاد کر ساتھ لیا۔ راہ میں عورتیں مصر کی دیکھیں۔ برقع ریشمی پہن کر مقدور والیاں باہر نکلتی تھیں اور جو غریب اور بے مقدور تھیں سوتی برقع پہنے پھرتیں۔ بہ سبب برقع کے بدن اُن کا سر سے پاؤں تک چھپا تھا۔ کوئی عضو نظر نہیں آتا۔ آنکھوں کے برابر ایک ٹکڑا جعلی کا سیا تھا۔ اُس سے رستہ نظر آتا۔ بعض کو دیکھا کہ پردہ اُٹھا کر منھ اپنا راہیوں کو دکھاتیں۔ برقع برائے نام پہنے تھیں۔ چہروں اُن کے سے جمالِ یوسفی عیاں تھا۔ چال ڈھال میں حسنِ زلیخائی نمایاں۔ مگر اتنا عیب رکھتیں کہ قد و قامت میں اکثر موٹی تھیں۔ ایک مکان نظر آیا۔ وہ مقبرہ حضرت امام حسینؓ کا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ یہاں سر مبارک آنحضرت کا دفن ہوا۔ (۲) عمارت اُس کی عالیشان۔ ستون اُس کے چاندی کے مستحکم بنیان۔ گرد اُس کے قرآن خواں قرآن شریف پڑھتے۔ مراد والے وہاں آکر منت مانتے۔

دیکھتے بھالتے کنارے مصر کے پہونچا۔ وہاں دو تین لڑکیوں خوبصورت نے آگھیرا۔ پھٹے پرانے کپڑے پہنے سوال بخشش و انعام کا کرتیں اور پیچھے ہمارے دوڑتی آتیں۔ مجھ کو ان کے جمال اور کمالِ افلاس پر رحم آیا۔ ان گلوں کا کانٹوں میں دوڑنا دل کو نہ بھایا۔ بطریقِ

102
www.taemeernews.com

بخشش اُن کو کچھ دیا اور رخصت کیا۔ وہ اپنی زبان میں دُعائیں دیتی پھر گئیں اور بخشش پانے سے نہایت خوش ہوئیں۔ مصر میں اس قدر غلبہ سائلوں اور فقیروں کا ہوتا ہے کہ مسافروں کو راہ چلنا مشکل پڑتا ہے اور خوف ترکوں سے کوئی عورتوں کی طرف بدنظری سے نہیں دیکھ سکتا ہے۔ میری زبان جہاں کے میووں سے ذائقہ یاب ہوئی۔ مگر کہیں بہتر مصر کی نارنگی سے خوش ذائقہ نہ پائی۔ مٹھائی اس کی مثل شیریں ادائی معشوق۔ کھٹائی اُس کی مرغوبِ طبائعِ مخلوق۔

مصر سے دو کوس آگے بڑھے۔ کئی مقبرے قدیمی صحرا میں نظر آئے۔ اہل عرب سے حال اُن کا پوچھا۔ انھوں نے کہا مقبرہ ہارون رشید (۱) اور کئی بادشاہوں کا ہے۔ مدّت کا بنا ہے۔ سامنے سے عمارت مستحکم اور وسیع نظر آئی۔ مگر بہ سبب رواروی راہ کے وہاں کی سیر نہ ہوسکی۔ اس خیال سے کہ جہاز دو دی سوئیس سے رواں ہو جاوے گا۔ بندہ سرگرمِ تردد تھا۔ چلتے چلتے صحرائے ریگستان میں پہونچا۔ وہاں ہم سب کھانا کھا کر سو رہے، صبح اٹھ کر پھر چلے۔ راہ پُر آفت و بلا تھی۔ صورت دانے پانی کی کہیں نظر نہ آئی۔ ہزار خرابی سے قطع مسافت کرتے تھے۔ تیسری منزل تیسیویں تاریخ فروری کے پرنکل صاحب اور ہیڈ صاحب کہنے لگے ہم آگے چلتے ہیں، سوئیس میں جا کر جہاز ٹھہراتے ہیں، تم آہستہ آہستہ اُونٹوں کے ساتھ آؤ۔ اُن کو احتیاط سے لے آؤ۔ اگر جہاز چلا جاوے گا کچھ بن نہ آوے گا۔ چلتے وقت ہیڈ صاحب نے میرے گدہے کو تیز رفتار قدم باز دیکھ کر اپنی سواری میں لیا۔ اپنا گدہا ست قدم میری سواری کو دیا۔ میں نے چارنا چار قبول کیا۔ وہ دونوں صاحب جلدی سے آگے بڑھے۔ ہم اونٹوں کے ساتھ چلے۔ جب رات آئی۔ بہت تاریکی چھائی۔ چلتے چلتے پاؤں گدہے میرے کا ایک گڑہے میں جا تا رہا۔ میں بھی اُس کے اوپر سے مع تلوار بندوق کے اُس میں گرا۔ عرب جو میرے ساتھ تھے، حال پوچھنے لگے۔ میں زبان عربی سے نا آشنا تھا۔ اس وقت اور ہر حال میں طائب طائب کہتا۔ طائب ان کی بولی میں بجائے بہتر کے بولتے اور میں نے کہا بیچ

103
www.taemeernews.com

ایسے وقت مصیبت کے۔ اُنھوں نے یہ سن کر قہقہہ مارا اور غار سے مجھ کو نکالا۔ بڑی محنت اور مشقت سے ڈیڑھ پہر رات گئے سوئیس میں مج صاحب کے مکان پر جا کر اُترا۔ سارا اسباب اونٹوں سے اُتارا۔ مج صاحب ملازم شاہ لندن کے تھے۔ پہونچانے اسباب ضروری جہاز کے لیے مقرر سرکار سے تھے۔ اپنے دونوں ہمراہیوں کو خواب غفلت میں پایا۔ جگانا اُن کا مناسب نہ سمجھا۔ ہاتھ پاؤں دھو کر کچھ کھانا کھایا اور سو رہا۔

صبح اُٹھا حال جہاز کا پوچھا۔ معلوم ہوا کہ ان دونوں کے آنے سے پہلے روانہ ہو گیا۔ یہ سن کر بہت ملول ہوا کہ یہاں کچھ دنوں رہنا پڑا۔ حال اس شہر کا اس طرح دیکھا کہ کہیں سبزی اور درختوں پھول کا نام ونشان نہ تھا۔ یہاں تک کہ پہاڑ بھی سبزے سے خالی پایا۔ تمام شہر کے کنوؤں کا پانی کھاری ہے۔ نہ کوئی چشمۂ شیریں جاری ہے۔ وہاں سے تین کوس کے فاصلہ پر ایک کنواں اچھا تھا۔ نام اس کا بیر موسےٰ (۱) اور پانی اُس کا میٹھا۔ سقّے مشکوں میں پانی اُس سے بھر لاتے۔ بازار میں لا کر بیچ جاتے۔ خریداروں پر ہجوم کرتے۔ شہد کی طرح مول لیتے۔ سوا پانی کے سوئیس میں ہر چیز ملتی۔ آسانی سے بے تکلف میسر آتی۔ جیسے گوشت، دودھ، دہی، پنیر، گھی اور تنبا کو پینے کا۔ حقہ چپک بھی وہاں خوب بنتا۔ قہوہ خانوں میں شراب اور چائے موجود مہیّا۔ ایک سرا پختہ تھی۔ جگہ اُترنے مسافروں اور سوداگروں کی۔ یہ شہر مقام تجارت اسباب مصر کا ہے۔ دریائے شور سے لگا ہے۔ بگلے عرب کے یعنی چھوٹے جہاز وہاں آتے ہیں۔ اسباب خرید کر کے جدّے اور مکّے لاد لے جاتے ہیں اور وہاں کا اسباب یہاں بیچنے لاتے ہیں۔ پرنکل صاحب نے مج صاحب سے اُترنے کی جگہ مانگی۔ انھوں نے ایک جگہ بہتر رہنے کے لیے تجویز کر دی۔ حق یہ ہے کہ مج صاحب مردِ دانا تھا۔ لیاقت چوگنی درماہے کی رکھتا۔ اُس وجہ مقرر سے کہ سرکار کمپنی سے پاتا۔ اُس شہر میں رہنا ہر کسی کا کام نہ تھا۔ قوم گرِیک (۲) سے کتنے آدمی وہاں رہتے تھے۔ لوگ حال بیان کرنے

104
www.taemeernews.com

لگے کہ یہاں گرمی کی فصل میں اکثر تپ و بخار آتا ہے۔ ہر شخص شراب دوا جان کر پیتا ہے۔ انھیں دنوں میں نے کلن صاحب سے جو مج صاحب کے مکان پر رہتے تھے ملاقات کی۔ دوستی اور محبت بدرجہ کمال بہم پہونچی۔ وہ تھے رہنے والے ڈبلن کے۔ پسٹن فوج انگریزی رسالہ ہارس ٹرین کے سرکار سے رخصت لے کر مصر کی سیر کرنے آئے تھے۔ اُس شہر کو پسند کر کے چندے ٹھہرے۔ ہم اکثر ان کی صحبت میں رہتے۔ وہ بہت سیاح اور جہاں دیدہ تھے۔ جب سے وہ اس جوار میں آئے ترکوں کی طرح ڈاڑھی مونچھ بڑھادی اور پوشاک ترکی پہنتے۔ بندہ بیشتر اُن کے ساتھ دریائے شور اور بازار کی سیر کرنے جاتا باتوں شیریں اُن کی سے ذائقہ یاب ہوتا۔ قہوہ خانوں میں ہمراہ اُن کے جا کر قہوہ و شراب پیتا اور مج صاحب کے مکان پر جو کنارے دریا کے تھا، اُن کے ساتھ بیٹھ کر حقہ چپک پیتا، پانی کی لہروں کی سیر دیکھتا۔ ہر روز نہانے کو ان کے ساتھ سمندر جاتا۔ اسی لطف میں ہفتہ عشرہ گزرا۔

ایک دن دوپہر کو دل گھبرایا۔ کنارے دریا کے جی بہلانے گیا۔ وہاں سے پھرا آتا تھا۔ راہ میں ایک پھاٹک کے نیچے ایک بیمار پڑا دیکھا۔ اُس نے میرے دیکھتے ہی سوال کیا کہ للہ مجھ بیمار غریب الوطن پر بہ تصدّق حضرت عیسیٰ کے رحم کرو اور کہیں رہنے کی جگہ دو۔ میں نے اُس سے پوچھا تو کہاں کا رہنے والا اور مذہب تیرا کیا ہے۔ کہا وطن میرا بمبئی اور مذہب میرا عیسوی ہے۔ ایک صاحب والا شان کا نوکر ہو کر اُس کے ساتھ جاتا تھا۔ مصر میں پہونچ کر مرض تپ اور بخار میں گرفتار ہوا۔ لاچار ہو کر اپنے آقا سے عذر بیماری کا کیا۔ درماہہ لے کر یہاں تک آیا۔ اب یہاں کوئی خبر گیر میرا نہیں ہوتا۔ پھر میں نے اُس سے کہا۔ میں مذہب سلیمانی کا یقین اور آئین رکھتا ہوں۔ کوڑی پیسا پاس نہیں رکھتا ہوں۔ تو اپنے مذہب والوں سے مطلب اپنا ظاہر کر۔ اُس نے کہا بہت خوب اور بہتر۔ بعد اس کے میں اُسی پھاٹک پاس کھڑا چپک پیتا رہا۔ ایک شخص عیسائی سوئیس کا رہنے والا تسبیح ہاتھ میں لیے

105
www.taemeernews.com

سامنے آتا تھا۔ اپنے مذہب میں بہت پرہیز گار اور متقی ۔ ملک شام میں زیارت مقبرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کی۔ بظاہر اپنے مذہب والوں سے تقویٰ، طہارت میں سبقت لے گیا۔ نہایت مرفہ الحال اور صاحب مقدور تھا۔ میں نے اُس بیمار سائل سے اشارے آنکھ سے کہا۔ یہ جو صاحب بڑے دیندار آتے ہیں ان کو حال اپنا کہہ سنا۔ وہ برابر آئے۔ اُس نے گڑگڑا کر کہا میں مذہب عیسائی رکھتا ہوں، مسافرت میں بیمار پڑا ہوں۔ برائے خدا مجھ پر رحم اتنا کرو کہ گھر لے چل کر میری دوا کرو۔ انھوں نے اُس سے یہ بات سن کر پوچھا تو خط صلیبی کھینچنا جانتا ہے۔ اس نے فی الفور خط صلیبی ابرو سارے بدن پر کھینچ کر دکھلایا اور اُن کے پاؤں پر گرا۔ وہ خفا ہو کر سخت کلمے کہہ کر چلے گئے، ایک پیسا بھی نہ دے گئے۔ سو اباتوں سخت وناروا کے۔ اسی طرح بہت پادری اور کتنے اور صاحب اُس راہ سے نکلے۔ حال اُس کا دیکھتے گئے۔ سبھوں سے اُس نے سوال کیا مگر کسی نے اُس پر رحم نہ کیا۔ اس سخت دلی اُن لوگوں سے ثابت ہوا کہ عقیدہ درست نہیں ہے کسی کا۔ ظاہر میں پادری اور سب صاحب مذہب عیسائی کا دم مارتے ہیں، باطن میں ذرّہ بھر ایمان نہیں رکھتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ نے ان لوگوں کے حق میں فرمایا کہ حال ان کا مثل مقبرے کے ہے۔ ظاہر میں آراستہ وخوشنما، اندر اُس کے سوائے ہڈیوں مردہ کے اور کیا۔ اسی طرح میری امّت کے لوگ ظاہر میں میری محبت کا دعویٰ کریں گے۔ باطن میں کچھ اُس کا خیال نہ رکھیں گے۔ دین عیسائی بالذات بہتر ہے۔ لیکن اس مذہب والے اپنے طریق سے بے خبر ہیں۔ اکثر آنحضرت علیہ السلام نے یہ بھی فرمایا کہ فردائے قیامت میں تم سے کہوں گا کہ اے میری امّت کے لوگو میں بھوکا تھا، تم نے مجھ کو کھانا نہ کھلایا، پیاسا تھا پانی نہ پلایا، ننگا تھا کپڑا نہ پہنایا، مسافر تھا تم نے اپنے گھر رہنے کا ٹھکانا نہ دیا۔ مراد اس سے یہ ہے کہ میری امّت کے بھوکوں، پیاسوں، ننگوں کو تم نے کامیاب نہ کیا۔ باوصف یہ کہ سلوک کرنے کا تم کو اختیار تھا۔

106
www.taemeernews.com

القصہ جب اُس مسافر بیمار کا کوئی پرساں نہ ہوا۔ میں نے پرنکل صاحب کے آدمی سے کہا کہ اس شخص کو اپنے ساتھ لے جاؤ۔ باورچی خانہ میں رہنے کی جگہ دو۔ وہ اس کو اپنے ساتھ لے گیا۔ باورچی خانہ میں اُتارا۔

ازانجا کہ جہاز کے آنے میں عرصہ تھا۔ لاچار اُس اطراف وجوانب کی سیر کا ارادہ کیا۔ پرنکل صاحب اور ہیڈ صاحب اور کلن صاحب کے ساتھ ایک گرِیک کی کشتی پر سوار ہوے اور سمندر میں چلے۔ نام اُس گرِیک کا نکلس۔ کشتی بھری ہوئی تھی غلّہ سے۔ تھوڑی دور تک ناؤ موافقت ہوا سے اچھی طرح چلی۔ جب بیچ میں جا پہونچی، ہوا ناموافق زور سے بہی۔ کشتی ڈگمگائی۔ لہر پانی کی ناؤ تک آئی۔ ہوا کے زور سے ناؤ کبھی اونچی ہوتی۔ کبھی نشیب میں جا گرتی۔ نکلس بڈھا تھا۔ تدبیر سے عاجز ہوا۔ ایک ملّاح اور تھا۔ اُس نے لاچار ہو کر اپنے تئیں دریا میں گرا کر ہلاک کرنا چاہا۔ ہم نے منع کیا اور منع کر کے پکڑ رکھا۔ بادبان کی رسّی کاٹ دی۔ ناؤ ٹھہرائی لیکن تدبیر آدمی کی ہوا پانی سے کچھ کام نہیں کرتی۔ کشتی ویسی ہی ڈانواڈول رہی۔ کنارے لے جانے کی بھی صورت نہ تھی۔ اس لیے کہ کنارے پر درخت مونگے کے ایسے سر برآوردہ تھے کہ اگر کشتی اُن پر جاتی، توڑ ڈالتے۔ یہ وہی مقام تھا کہ حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر آئے۔ پانی خدا کے حکم سے خشک ہوا، وہ پار اُتر گئے۔ ہم لوگ اس مصیبت میں پڑے۔ خدا کی درگاہ میں دعا کرتے تھے۔ اکبارگی بگلہ عرب کا نظر آیا۔ ہم نے اُن سے اظہارِ خیال کیا۔ انہوں نے ایک چھوٹی ناؤ بھیج کر اپنے پاس بلایا۔ ہم نے اُس ناؤ پر سوار ہو کر اُن کے بگلے پر پہونچنا غنیمت جانا۔ سبب بچنے جان کا ہوا۔ بعد ایک ساعت کے ایسی ہوا موافق چلی کہ کشتی اس گرِیک کی بھی بخیریت کنارے پر پہونچی۔ ہم اُس بگلے پر چڑھ کر موضع طور میں آئے۔ وہ وطن یہودیوں کا تھا۔ کئی گھر عرب کے اور دو تین گھر گرِیک کے تھے۔ اُس کی طرز آبادی سے معلوم ہوتا کہ سابق میں خوب آباد

107
www.taemeernews.com

ہوگا۔ قسم غلّہ سے کوئی چیز وہاں نہیں پیدا ہوتی۔ زمین اُس کی سنگستان اور کان نمک کی تھی۔ اس سبب سے درخت میوہ دار اور سبزہ بھی نہ تھا۔ مگر درخت کھجور کا البتہ اُگتا۔ ظاہرا کم پانی غلّہ اور ہر چیز کی تنگی سے لوگ وہاں سے نکل گئے، وطن مالوف اپنے سے ٹل گئے۔ غذا وہاں کے لوگوں کی مچھلی ہے۔ اسی سے اُن کو سیری ہے۔ غلّہ مصر اور طرفوں کو جاتا ہے۔ اس سبب سے گراں بکتا ہے۔ اسی لیے لوگوں نے مچھلی کھانا اختیار کیا ہے۔ پانی کنوؤں کا کھاری ہوتا ہے۔ اگرچہ بہت شوریت نہیں رکھتا ہے۔ مگر بدمزہ پایا جاتا ہے۔ وہاں دریائے شور میں مچھلی کی زیادتی سے گویا کانِ ماہی ہے۔ جب بگلہ یعنی جہاز ہمارا وہاں پہونچا۔ آدمیوں معزز کو دیکھا کہ جال شکار کے واسطے دریا میں ڈالا۔ جب اُس کو پانی سے اُٹھایا، اتنی مچھلیاں بھر گئیں کہ اُٹھانا جال کا دشوار ہوا۔ اُس مقام سے دو تین کوس کے فاصلہ پر ایک حوض سنا کہ وہ حمام حضرت موسیٰ اور مقام تعظیم کا تھا۔ پانی اس کا بھی خوب شیریں نہ تھا۔ اُس میں ہم نے جا کر غسل کیا۔ بعد فراغت کے پھر وہاں سے طور(ا) کو چلے۔ راہ میں کئی جھانکل اُڑتے دیکھے۔ میں نے چھرے بھر کر اُن پر ایک بندوق ماری۔ اتفاقاً اُن میں سے ایک کو زخم لگا کاری۔ وہ زخمی ہو کر گرا۔ میں نے شکرِ خدا ادا کر کے گوشت اس کا کھایا۔ پنجہ اور چونچ پھینک دیا۔ اُس کو عرب کے لڑکوں نے بھون کھایا۔ طور میں آ کر بہت تلاش کر کے اونٹ بہم پہونچائے۔ ان پر سوار ہو کر کوہِ طور پر چلے۔ طور سے کوہِ طور تک چار روز کی راہ تھی۔ ہم نے اپنی تیز روی سے دن بھر چل کر تین روز میں طے کی۔ راہ میں ایسے ایسے رستے پہاڑ کے دیکھے کہ بسبب تنگی کے دو اونٹ برابر نہ جا سکتے۔ بلکہ سوا اونٹ کے دوسرا جانور ہرگز تاب وطاقت نہ رکھتا کہ اُن راہوں دشوار گزار سے چل سکتا۔ اونٹ عجیب جانور ہوتا ہے کہ اپنے اوپر تکلیف سہہ کر سوار کو منزل تک پہونچاتا ہے۔ جس جگہ پہاڑوں پر اونٹ تھک جاتے، اونٹ والے غزلیں عربی گاتے۔ اکبارگی اُونٹ جوش میں آتے۔ تیز ہو کر چل نکلتے۔ فی

108
www.taemeernews.com

الواقعی غزل سرائی بدووں کی عجیب کیفیت رکھتی۔ میری طبیعت بھی اُس کو سن کر مسرور ہوتی۔ راہ بھر پہاڑوں پر کہیں سبزہ نہ دیکھا۔ مگر ایک آدھ چشمہ نظر آیا کہ بلندی سے نشیب میں بہتا اور درخت کھجور کا بھی اُس کے پاس تھا۔ وہاں بیٹھ کر کھانا کھایا، پانی پیا، بدن دھویا۔ باقی تمام راہ اپنے ساتھ کی مشکوں سے پانی پیتا گیا۔ دیر تک وہاں بیٹھ کر ستائے۔ ٹھنڈی ہوا مزے دار پانی پر للچائے۔ آگے چلنے کو دل نہ چاہتا۔ مگر لاچار قدم آگے رکھا۔ نام اُس کا وادیٔ ایمن (۱) مقام بنی اسرائیل کا تھا۔ چالیس برس تک گروہ بنی اسرائیل کا اُس میں حیران و پریشان رہا۔ جابجا پہاڑوں پر خطوط عربی، ہندی، عبرانی لکھے۔ ظاہر اوہ سب لکھے ہوئے بنی اسرائیل کے تھے۔ ہر چند غور وخوض کیا۔ مگر مضمون اس کا ہم میں سے کسی کی سمجھ میں نہ آیا۔ ایک جگہ تکیہ قبرستان بدویوں کا نظر آیا اور اکڈال پتھر قبروں انگریزوں زمانہ قدیم کا بھی دیکھا۔ درمیان انھیں پہاڑوں کے اونٹ پر نکس صاحب اور کلن صاحب کی سواری کے بیمار ہوئے اور تھک کر راہ چلنے کے قابل نہ رہے۔ ہم کو سخت حیرانی ہوئی کہ یہاں سے جان کیوں کر بچے گی۔ بدوی اسی جنگل میں دوڑے گئے۔ اپنے بھائیوں کے پاس سے دو اونٹ لائے۔ کلن صاحب اور پرنکل صاحب ان پر سوار ہو کر چلے۔

تیسرے دن چلتے چلتے شام کو کوہِ طور پر پہونچے۔ دور سے پہاڑ نظر آئے۔ ایک باغ نفیس تھا بیچ میں اُن کے۔ دیکھنے اُس کے سے میں بہت خوش ہوا، پھولا نہ سمایا۔ تمام عمر میں دو مرتبہ مجھ کو جتنی خوشی حاصل ہوئی ویسی کبھی خیال میں نہیں آتی ہے۔ ایک دیکھنا زمین جزیرۂ کیپ طراوت آباد کا۔ دوسرے بعد از صحرانوردی مشاہدہ اس باغِ ارم بنیاد کا۔ اُن دونوں پہاڑوں میں سے جو داہنی طرف تھا۔ کوہِ طور نام رکھتا۔ پہاڑ کے اوپر ایک قلعہ بنا ہے۔ بلندی میں آسمان سے باتیں کرتا ہے اگر اتنا بلند نہ ہوتا، مال اور اسباب اُس کا لُٹ جاتا۔ اس لیے کہ بدوی ہمیشہ مستعد تاراج و یغمار رہتے ہیں، قابو پانے پر مال و اسباب لوٹ لے جاتے

109
www.taemeernews.com

ہیں۔ باغ اور قلعہ میں گریک کے دوسو پادری ترک دنیا کر کے بیٹھے ہیں۔ تمام عمر عورت سے نہیں واقف ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ حال اُن کا مشہور ہے، معلوم نزدیک و دور ہے مگر حال باطن اُن کے کا خدا جانتا ہے کہ دل مکدر رہے یا صفائی رکھتا ہے۔ قوم گریک کے رئیس نے قلعہ کے اندر ایک مسجد بنوائی ہے۔ رضا مندی بدویوں کے لیے یہ بات بنائی ہے تا کہ بدوی اُن کو محض کافر نہ گنیں۔ اُن کی طرف سے دل میں محبت رکھیں۔ اسی واسطے دوسو بدویوں کو ہر روز کھانا کھلاتا ہے۔ عناد و خصومت سے باز رکھتا ہے۔ پھر بھی وہ آمادہ غارت گری رہتے ہیں۔ قابو پانے پر نہیں چوکتے ہیں۔ قلعہ جانے کی راہ ایک دروازہ مستحکم ہے۔ راہ باغ کی بھی اُسی سے توام ہے اور طرف کوئی دروازہ نہیں لگا ہے۔ وہ ایک بھی خوف بدویوں سے ہمیشہ بند رہتا ہے۔ سابق دروازہ پر گھنٹے تھے کہ مسافر جب وہاں پہونچتے گھنٹا ہلاتے۔ لوگ قلعہ کے اُس کی آواز سے خبردار ہو کر مسافر کو اندر لے جاتے۔ بدوی کئی بار اُن کو اُٹھا لے گئے۔ اب انھوں نے لاچار ہو کر دروازہ پر ایک لکڑی رکھی۔ کھڑا کھڑانے کے لیے۔ مسافر جب جاتا ہے وہ لکڑی دروازہ پر دے مارتا ہے۔ قلعہ والے جب آواز اُس کی سنتے ہیں، مسافروں کو اندر بلا لیتے ہیں۔ ہم لوگ جب وہاں پہونچے۔ اطلاع کے لیے لکڑی دروازے پر بجانے لگے۔ قلعہ والے دوڑے۔ بلندی پر ایک کھڑکی تھی اُس کے پٹ کھولے، نیچے دیکھا۔ ہمارا حال پوچھا۔ کلن صاحب نے چٹھی سفارش کی اُن کے نام پر لکھوائی تھی، دکھلائی۔ انھوں نے ایک رسّی پیچ لگی ہوئی، نیچے لٹکائی۔ چٹھی پیچ میں رکھوا کر اوپر کھینچ لی۔ بعد اس کے اُسی رسّی پیچ دار کو پھر لٹکایا۔ ہم کو اور اسباب ہمارے کو اوپر کھینچ لیا۔ اندر لے جا کر مہمانی میں مشغول ہوئے۔ دو ایک صاحب نہایت مہربانی فرما کر دو چار کلیسوں میں جو وہاں تھے لے گئے۔ ایک کلیسا قدیمی بہت بڑا تھا۔ اندر اُس کے اسباب چاندی سونے کا رکھا۔ فرش سنگِ مرمر سپید و سیاہ کا مانند خانوں شطرنج کے بنا ہوا۔ جھاڑ چاندی کے چھت اور

110
www.taemeernews.com

دیواروں پر لٹکے۔ فریم تصویر اولیا انبیا کے جا بجا لگے۔ قدرت خدا کی اس مکان والا شان سے پیدا۔ دوسری طرف ایک اور مکان گنبد دار تھا۔ حضرت موسیٰ اسی جگہ روشنی اور تجلّی خدا کی دیکھ کر سجدہ میں آئے تھے۔ اب تلک وہاں جانے والا کانپتا ہے ہیبت سے۔ اندر اس کے بتیاں اگر کی جلتیں اور ہر طرح کی خوشبوئیں تھیں۔ اُس کے سامنے از راہِ ادب جوتا پہنے کسی کو جانے نہیں دیتے ہیں۔ گرِیک اور انگریز ہر کوئی برہنہ پا ہو کر زیارت اُس کی کرتے ہیں۔ میں نے، اور ہمراہیوں میرے نے وہاں جا کر زیارت کی۔ بعد اُس کے رہنمائی اُن دونوں صاحبوں سے تہ خانہ کی راہ سے جو ملحق باغ سے تھی، باغ میں آئے۔ اُس کا تماشا اور سیر دیکھتے رہے۔ عجب نادر اور سرسبز تھا کہ نہال خشک قلم مدح نگاری اس کی سے بارور ہوا ؎

دراں باغ مرغاں بجوش آمدہ
ز ہر یک دگرگوں خروش آمدہ

درخت بادام، پستہ، ناریل، زیتون اور ہر ایک میوہ کے پھلوں سے لدے ہوئے۔ ہر قسم کے پھل اور میوے وہاں موجود تھے۔ وہ پادری تارک الدنیا جو وہاں رہتے، سوائے کھانے کے وہ میوے کھاتے۔ اسی سیر میں شام ہوئی۔ دل کو خواہشِ طعام ہوئی۔ از انجا کہ مقیموں پر دعوت مسافروں کی لازم ہے۔ یہی طریقہ ہمیشہ سے قائم ہے۔ ہم ان کی مہمان نوازی پر منتظر رہے، زیادہ تر اس سبب سے کہ کوئی جا گہ خرید و فروخت کھانے کی نہ جانتے۔ اتنے میں میز پر دسترخوان بچھا۔ ستھرے برتنوں صاف کو اُس پر چُنا۔ دو تین بڑے برتنوں میں چاول تر بتر پلاؤ کی صورت لائے۔ اسی قدر روٹی سیاہ بدہئیت۔ ترکاری روغنِ زیتون کی پکی ہوئی۔ قہوہ اور شراب بھی آئی۔ چاولوں کو دیکھ کر بندہ بہت محظوظ ہوا کہ مدّت کے بعد پلاؤ میسّر آیا۔ جب کھانا آچکا اور ہر ایک برتن میز پر قرینے سے جما۔ کھانا شروع ہوا۔ چاولوں پر میں نے پہلے ہاتھ ڈالا اور ایک لقمہ کھایا، تیل کا پکا ہوا پایا۔ ایسا تنفّر ہوا کہ پھر کوئی

111
www.taemeernews.com

نوالہ اُس کا حلق سے نہ اُترا، مگر ترکاری وغیرہ سے البتہ قدرے قلیل کھایا اور قہوہ بھی پیا۔ ہیڈ صاحب نے بھی میری طرح عمل کیا۔ مگر پرنکل صاحب نے چند لقمہ روٹی کے کھائے، بعد اس کے خاموش ہو کر بیٹھے۔

کلن صاحب مرد خودنما تھے، ہاتھ بڑھا کر ایک برتن کے چاول صاف کر گئے۔ پھر دوسرا برتن اپنے آگے کھینچ لیا۔ اُس میں سے بھی تھوڑا سا کھایا۔ ہم اور سب لوگ مانع ہوئے کہ چاول تیل کے پکے ہرگز ہضم نہ ہوں گے۔ انھوں نے کچھ خیال نہ کیا۔ از راہِ جہالت شکم سیر کھایا اور کہا تم اس کھانے کا مزا نہیں جانتے ہو، یہ کھانا خوب ہوتا ہے، ناحق منع کرتے ہو۔ میں نے ترکوں کے ساتھ اکثر کھایا۔ اس نے کبھی مجھ کو ضرر نہیں کیا۔ کچھ زبانِ عربی بھی سمجھتے تھے۔ اُن لوگوں کے جواب میں تعال ہیں، تعال ہیں کہتے، لیکن ہم لوگ زبان عربی اور گریک کچھ بھی نہ سمجھتے۔ جب کھانے پینے سے فراغت ہوئی، قہوہ اور چپک کی نوبت آئی۔ اسی کیفیت میں رات ہوئی۔ کلن صاحب کے پیٹ میں درد اُٹھا، شور وغل مچایا۔ منگوا کر عرق انگور کا ایک پیالہ پیا، تب کچھ افاقہ ہوا۔ مگر ہنوز دردِ خفیف باقی تھا کہ وقتِ فجر ہوا۔ میں نے اُٹھ کر بعد سلام رسمِ خاص وعام کے ان کے مزاج کا حال پوچھا انھوں نے حال بتایا اور کہا وہ روغن سوائے زیتون کے کچھ اور ہی تھا۔ ورنہ اتنا رنج نہ دیتا۔

دوسرے دن ہم نے پادریوں سے کہا کہ ہم میں سے کوئی زیتون وغیرہ کھانے کی عادت نہیں رکھتا۔ اگر گھی میسّر آئے تو البتہ ہضم ہوئے۔ انھوں نے جواب دیا ہم لوگ یہاں ترکِ لذّات کر کے بیٹھے ہیں۔ انہی چیزوں کو کھاتے ہیں۔ میں نے پرنکل صاحب سے کہا۔ قرینہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر یہ لوگ ہم سے کچھ پاویں، راضی ہو کر کھانے نفیس کھلاویں۔ پرنکل صاحب میرے کہنے سے راضی ہوئے۔ ایک کو اُن میں سے پانچ روپے دیے۔ اُس دن دوپہر کو جب میز پر دسترخوان بچھا۔ پستہ، بادام، انڈا، روٹی، چاول اور

112
www.taemeernews.com

ہر طرح کا کھانا موجود ہوا۔ میں نے دل میں کہا۔ سبحان اللہ، باوصفیکہ اُنھوں نے ترک تعلقات کر کے یہاں بیٹھنا اختیار کیا۔ اُس پر بھی دل سے دنیا کی محبت کو نہ چھوڑا۔ تھوڑے روپے دینے سے کیا کیا تکلف کیا اور اقسام اقسام کا کھانا سوائے گوشت کے میز پر لگایا۔۔ اس سے ثابت ہوا کہ اُن کا اظہار نانِ خشک کا بیجا تھا۔ میوے اور کھانے مرغّن کھاتے۔ نہیں تو ایسے موٹے کیوں کر ہو جاتے کہ سب جنگلی سور کی طرح پھولے تھے اور لمبے چوڑے نظر آتے۔ دوسری دلیل یہ کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، ایک شخص ایک برتن کندھے پر رکھے آتا۔ پکّی مچھلیوں سے بھرا تھا۔ اُن پادریوں کے لیے لایا۔ مخفی جگہ پر بیٹھ کر اُنھوں نے کھایا۔ تیسرے پہر کو میں نے چھپ کر اُن کے کھانے کا مکان دیکھا۔ ہر ایک طرح طرح کی نعمتیں کھا رہا تھا اور شراب و چپک پیتا۔ اِنھیں دنوں دو انگریز ایک کا نام ڈاکٹر ہال رائے صاحب(۱) دوسرا ایندرو صاحب وہاں سیر کے لیے وارد ہوئے۔ دونوں دولت مند اور صاحبِ ثروت تھے۔ فقط سیر اور تجربہ اور حصول علموں اور صنعتوں کے پھرتے۔ چنانچہ روم، شام، عربستان طے کر کے یہاں پہونچے تھے۔ ڈاکٹر ہال رائے صاحب جس ملک کو دیکھتا نقشہ اس کا کھینچتا، ایندرو صاحب حال ہر ملک کا لکھتا دونوں صاحب پوشاک عربی پہنے تھے۔ اس لیے ہم ان کو شیخ عرب سمجھے۔ بعد کلام کرنے کے ثابت ہوا اُن کا انگریز ہونا۔ ایک لڑکا حبشی خدمت کے لیے اور ایک ڈیرہ و خیمہ چھوٹا بوجھ ایک گدہے کا ان کے ہمراہ تھا۔ میں بہت اشتیاق سے اُن کی ملاقات کرنے گیا۔ اُس وقت وہ کھانا کھا رہے تھے۔۔ دونوں اپنے ہاتھ سے نوالہ اُٹھا کر منھ میں لے جاتے۔ میں نے حیران ہو کر پوچھا چھری کاٹنے سے کھانا کیوں موقوف کیا۔ انھوں نے کہا۔ سفر میں اس قدر بوجھ اُٹھانا اور لباس انگریزی پہننا عقل کے خلاف دیکھا۔ عربی پوشاک پہنی اس ملک میں جہاں ہم جاتے ہیں لوگ اخلاق سے مل کر اچھی جگہ عزت سے بٹھلاتے ہیں۔ وہ ایسے تپاک سے مجھ سے ملے اور کلمات نصائح

113
www.taemeernews.com

بیان فرمائے کہ اُن کے پاس سے اُٹھنے کو دل نہ چاہتا۔

صاحبانِ انگریز کیا عقل رسا اور فہم وذکار رکھتے ہیں کہ باوجود ثروت کے ہمیشہ علم وہنر کے طالب رہتے ہیں۔ ایک لحظہ اپنی اوقات برباد نہیں کرتے ہیں۔ مستعدِ تلاش امور عجیب کے ہوتے ہیں۔ ایک نئی بات حاصل کر کے اہل جہاں اور واماندوں کے لیے یادگار چھوڑ جاتے ہیں۔ ایسی ہی باتوں سے ملک ہندوستان وغیرہ اپنے قبضۂ تصرف میں کیا اور کرتے جاتے ہیں۔ واے بحال رئیسانِ ہندوستان کہ زندگی اپنی بیجا باتوں میں برباد دیتے ہیں۔ کبوتر اور مرغ اور بٹیر اور قمار بازی میں مشغول رہتے ہیں۔ دنیا اور مافیہا سے خبر نہیں رکھتے ہیں۔ خوشامدی اُن کے پاس بیٹھ کر تعریفیں فضول کرتے ہیں۔ غرض وہ تحصیل علوم اور فنون سے کامل ہیں۔ آمادۂ امورِ بے حاصل اور لاطائل ہیں۔ اس سبب سے روز بروز مغلوب اور ضعیف ہوتے جاتے ہیں۔ انگریز اپنی مستعدی چالاکی سے اُن پر غالب آتے ہیں۔ سابق انگریزوں کے قبضہ میں سوائے انگلستان کے دوسرا ملک نہ تھا۔ اب اُنھوں نے اپنی مستعدی سے کتنے ملکوں کو سر کیا۔ شاہ ہندوستان جو کابل وقندھار تک قبضہ رکھتا۔ اب کابلی اور نامستعدی سے مثل شاہِ شطرنج کے اپنے گھر میں بے دخل ہوا۔ اے قلم تو ارادہ مطلب نگاری کا رکھتا ہے۔ اظہار عیب وہنر سے ہر ایک کو ناحق دشمن اپنا بنا کر بات بڑھاتا ہے۔

قصہ مختصر دوسرے دن بندہ مع احباب ہمراہ کے اور ایک عرب سقّے کے کوہِ طور پر آیا۔ ایک شخص راہ بتانے والا قلعہ سے ساتھ لیا۔ کوہ طور آٹھ ہزار فٹ بلندی رکھتا۔ اوپر چڑھنے کو ایک زینہ پتھر کا قدیم سے بنا ہوا۔ اُس زینہ سے رستہ آمد ورفت کا مشہور ہے کہ وہ ہزار برس کا شاہ گریک کا بنوایا ہے۔ کوہِ طور پر ایک حوض نظر آیا۔ کنارے اُس کے ایک درخت سرو کا لگا۔ اگرچہ حوض پانی سے خالی تھا۔ مگر ایسا تروتازہ اور سیدھا درخت سرو کا کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ آگے بڑھ کر ایک غار دیکھا پانی اس کا شربت سا میٹھا۔ میں اُس کو پی کر چپ

114
www.taemeernews.com

دراست پھرا۔ پہاڑ عظیم الشان نظر آیا۔ تھوڑا آگے بڑھا۔ نشان پیٹھ حضرت موسیٰ کا پتھر میں پایا۔ تفصیل اُس کی یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت موسیٰ تحریر احکام الٰہی میں مشغول تھے۔ ناگہاں ایسی چمکاری نور کی چمکی کہ حضرت موسیٰ پیٹھ پہاڑ سے لگا کر حیران ہوئے۔ ازراہِ اعجاز پتھر میں نقش پیٹھ آنحضرت کا پڑ گیا۔ یہ وہی پتھر اعجاز نشان تھا۔ حضرت محمد مصطفیٰ کا بھی معجزہ وہاں تھا۔ یعنی اُن کے اونٹ کے سُم کا نقش پتھر پر بنا تھا۔ یہ حال سب میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور عرب سے حال اُن کا مفصل سنا۔ عبادت خانہ گرِیک اور اہلِ اسلام کا اُس پہاڑ پر تھا۔ یہ سیر دیکھ کر اور مقام پر گیا کہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے بہت مبالغہ سے پانی مانگا۔ حضرت موسیٰ نے عصا اپنا پتھر پر مار کر چشمہ پانی کا نکالا۔ اب اُس میں پانی نہ تھا مگر نشان ثابت ہوتا اور ایک جگہ پر نشان سرِ گوسالہ پرستش بنی اسرائیل کا تھا۔

جب حضرت موسیٰ نے اُن کو پرستش سے منع کیا اور غصہ کر کے سمجھایا تب بنی اسرائیل کے سرداروں نے اس گوسالہ کو سر کے بل دے مارا۔ سر اُس کا مع سینگوں کے پتھر میں دھس گیا۔ نشان اُس کا اب تلک باقی رہا۔ عرب نے حال کہا کہ اگر مینھ برسے اتنا کہ پہاڑ ڈوبے تو بھی پانی اُس گڑھے میں نہ آوے۔ یہ بات میں نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھی۔ پر عربوں کی زبانی سنی۔ ایک اور جگہ تھی وہاں مسلمان بھیڑی بکری کی قربانی کرتے ہیں اور اس قربانی کو سبب برکت اور زیادتی بکریوں کا سمجھتے ہیں۔ آگے بڑھ کر ایک پتھر دیکھا۔ جس پر بیٹھ کر وعظ کہتے تھے حضرت موسیٰ۔ ان سب باتوں کو دیکھ کر بندہ نے اعتماد کیا۔ قدرت الٰہی سے بعید نہ جانا۔ مگر بعضے انگریز جو کم عقل رکھتے ہیں۔ ان امروں کو محض جھوٹ جان کر کہتے ہیں۔ کیوں کر حضرت موسیٰ سمندر سے پار اُتر گئے ہوں گے۔ اگر بالفرض پانی بھی سوکھا ہو۔ جال درخت مونگے کے کس طرح راہ سے ہٹے ہوں گے۔ اسی طرح سارے حال قصے کہانی جانتے ہیں۔ دل میں یقین نہیں لاتے ہیں۔ مجھ کو اُن کی نادانی پر تاسف آتا ہے کہ جو شخص

115
www.taemeernews.com

تحصیل معاش کے فنون سے خبر نہیں رکھتا ہے، قدرت خدا اور معجزہ انبیا سے کیا جان کر انکار کرتا ہے۔ عمداً گمراہی میں بھٹکتا ہے۔ اُس واسطے کہ قدرت خدا کی عقل میں نہیں آتی۔ عقل کو کیا طاقت اس کے بھید دریافت کرنے کی۔ حال ان لوگوں کا مانند حال اُس دولت مند کے ہے کہ ایک فقیر لازرس نام نے ساتھ اُمید ٹکڑے روٹی کے اُس کے دروازہ پر رہنا اختیار کیا۔ مرضِ جذام میں گرفتار، سراپا فگار تھا۔ وہ دولت مند بخیلی کے سبب سے اُس کو کبھی پارۂ نان نہ دیتا اور اپنی تن پروری خوب طرح کرتا۔ ایک دن فکر بارہ برس کے سامان کی کرتا تھا۔ ایک بارگی قضا آئی مرگیا۔ وہ فقیر بھی خرابی اور مفلسی میں مرا۔ دولت مند دوزخ میں داخل ہوا۔ فقیر حضرت ابراہیم کی گود میں آرام سے بیٹھا۔ دولت مند نے فقیر کو حضرت ابراہیم کی گود میں بیٹھا دیکھا۔ لجاجت سے کہنے لگا۔ اے نبی اللہ کے مجھ کو بھی اس مصیبت سے چھڑا کر اپنے پاس بُلا۔ آنحضرت نے جواب میں فرمایا۔ ہمارے اور تیرے درمیان ایک بڑا غار ہے۔ آنا جانا اس کے سبب سے دشوار ہے۔ تو دنیا میں سائلوں محتاجوں کو اپنے دروازہ سے نکالتا تھا اور خدا کے دیے ہوئے سے کچھ نہ دیتا تھا۔ اُس کے عوض خدا تعالیٰ نے یہاں تجھ کو اپنی نعمت سے محروم رکھا۔ دولت مند نے پھر عرض کیا۔ میں مستحق اس ظلم و جفا کا ہوں۔ اب یہ التماس رکھتا ہوں کہ ان مُردوں میں سے کسی کو ارشاد ہووے تا کہ میرے بھائیوں زندوں کو خبر میری مصیبت و تکلیف کی پہونچاوے۔ آنحضرت نے فرمایا اگر انھوں نے کتاب خدا اور رسول مقتدیٰ پر اعتماد نہ کیا۔ ایک مردے کی خبر دینے سے کیا فائدہ ہوئے گا۔ اسی طرح اگر کوئی معجزوں انبیا کا نہیں قائل ہوتا ہے۔ عاقبت اپنی خراب کرتا ہے۔ میں نے یہ سب معجزے پیغمبروں کے اپنی آنکھ سے دیکھ کر اس کتاب میں لکھے۔ اگر کوئی اعتبار نہ کرے اپنی بلا سے۔

ہم نے بعد زیارت ایسے مکانوں پاک کے نیت سوئیس میں پھرنے کی کی۔ اُن پادریوں سے اجازت رخصت چاہی۔ چلتے وقت انھوں نے زادِراہ اور قہوہ اور روٹی سیاہ

116
www.taemeernews.com

چھوٹی اور تھوڑی سی شکر دی۔ وہ بھی چھ منزل راہ میں پوری نہ پڑی۔ اس خیال سے کہ یہ مسافر انعام نہ دے چلے، گھبرائے ہوئے تھے۔ فی الحقیقت ان کو کچھ دینا ضرور نہ تھا۔ اس لیے کہ کئی ہزار روپے کا سالیانہ سرکار شاہ گرِیک سے اُن کو ملتا۔ چنانچہ ہر ایک صاحب نصاب تھا۔ میووں باغ کا کچھ حساب نہ تھا۔ سوا اس کے فقیروں کو روپے لینے سے کیا غرض ومدعا۔ بخل اور امساک جبلّی سے چلتے وقت ہم کو میووں باغ یا کھانوں نفیس سے سوا روٹی سیاہ اور تھوڑی شکر کے کچھ نہ دیا۔ شاید انھوں نے قول شیخ سعدی کا نہیں سنا کہ ہمارے ساتھ ایسا معاملہ کیا۔

بزرگاں مسافر بجاں پرورند
کہ نامِ نکوشاں بعالم برند

اُن کو لازم ہے کہ سب روپیہ اپنا خدا کی راہ پر دے ڈالیں، اگر بھلائی دنیا وآخرت کی چاہیں۔ نہ یہ کہ بخیلوں کی طرح روپے جمع کر کے اُس کی محبت دل میں رکھیں اور مسافروں سے انعام کی خواہش کریں۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا۔ جس چیز کو زیادہ دوست رکھتے ہو بُت ہے تمہارا۔ پرستش اُس کی کرتے ہو۔

اس زمانہ میں مسلمان، ہندو، انگریز وغیرہ سے میں کسی کو نہیں دیکھتا ہوں کہ روپے کا عشق دل میں نہ رکھتا ہو۔ سب لوگ مذہب زر پرستی رکھتے ہیں۔ اپنے طریقے پر نہیں چلتے ہیں۔ زیادہ اس سے کیا ہوگا کہ ان پادریوں نے دنیا اور عزیزوں قریبوں کو چھوڑا۔ جنگل پہاڑ پر رہنا اختیار کیا۔ خدا تعالیٰ سے دھیان لگایا۔ افسوس کہ زر پرستی سے باز نہ آئے۔ ہمیشہ طالب روپیہ کے ہیں۔ جب میں نے دیکھا کہ انھوں نے ہمارے انعام نہ دینے سے چہرہ پر آثارِ ملال ظاہر کیا۔ میں نے پرنکل صاحب سے اشارہ سے کہہ کر انعام اُن کو دلوایا۔ مردار پادری نے روپیوں کو لے کر کپڑے میں مضبوط باندھا اور اپنے مقام پر گیا۔ ظاہرا اسی امید پر

117
www.taemeernews.com

ٹھہرا تھا۔ جب پا گیا رخصت ہوا۔ ہم سب جس طرح قلعہ پر گئے تھے۔ اُسی طرح ہنڈولے میں بیٹھ کر نیچے اُترے اور روانہ منزل مقصود ہوئے۔

بروقت روانگی کلن صاحب اور پرنکل صاحب کے آدمی سے کسی بات پر تکرار ہوئی۔ وہ ہمیشہ اُس کو جان کہہ کر پکارتے۔ اس وقت بھی تعال ہیں، تعال ہیں جان کہتے۔ چاند اُن کو کلم کلم کہتا۔ اسی بحث وتکرار میں دو گھڑی کا عرصہ ہوا آخر ہم نے مشکیزے پانی کے اونٹوں پر لادے اور آپ بھی اونٹوں پر سوار ہو کر سوئیس چلے۔ سب رستہ کوہستان ہے۔ تکلیف اور مصیبت بیحد و پایاں ہے۔ ہم کو راہ میں ایسی تکلیف ہوئی کہ نہیں طاقت بیان کی۔ تپش آفتاب کی اس درجہ پر تھی کہ ساری جلد منہ اور بدن کی جلی، رنگت سیاہ ہوئی۔ پرنکل صاحب اور ہیڈ صاحب اوّل مرتبہ لندن سے ہندوستان آتے تھے۔ صعوبتِ سفر سے خبر نہ رکھتے تھے۔ یہ سب تکلیفیں سہتے مگر حرفِ شکایت زبان پر نہ لاتے۔ خوراک سوا سیاہ روٹی اور شکر کے کچھ نہ تھی۔ سو بھی بخیال کمی اور بہم نہ پہنچنے کسی چیز کے ایک ایک روٹی حصہ میں آتی۔ سوئیس کے قریب نوبت آدھی روٹی کی بلکہ اس سے کم کی آئی۔ پرنکل صاحب ہمیشہ دودھ گائے اور بھیڑ کا پیتے تھے۔ یہاں تک کہ قہوہ بھی بے دودھ نہ پیتے۔ راہ میں نہ ملنے اُس کے سے سخت حیران ہوئے۔ اگر کہیں گلّے بکریوں بدویوں کے ملتے، کلن صاحب خوش طبع تھے، ازراہِ خوش طبعی دودھ بکریوں کا پی لیتے۔ پرنکل صاحب کے لیے کچھ بھی نہ چھوڑتے۔ بلکہ ازراہ سادہ مزاجی تھن بکریوں کے منہ میں لیتے اور بے تکلف دودھ پیتے۔ بدوی شور وغل مچاتے۔ مگر وہ کچھ بھی نہ سنتے، پتھر پہاڑوں پر سے ڈھکیلتے۔ ایک مرتبہ قریب تھا کہ اُس کے ساتھ آپ بھی گر پڑتے۔ مگر عنایت الٰہی سے بچ گئے۔ ایک چھری پاس رکھتے۔ جہاں کہیں ڈیرہ قنات استادہ ہوتی طناب اور میخیں اُس سے کاٹ ڈالتے اور چھوڑ دیتے۔ جا بجا تعال ہیں، تعال ہیں کہتے۔ غرض کہ تمام راہ میں یہی حرکتیں کرتے رہے۔ راہ میں ہم نے ایک بکری کو

118
www.taemeernews.com

بدویوں سے مول لے کر ذبح کیا۔ گوشت اُس کا کھایا۔ جو باقی رہ گیا۔ شتر بانوں عرب کو تقسیم کر دیا، عجب احمق و نادان تھے کہ گوست پوست مع ناخونوں کے بھون کر کھا گئے۔ فقط سینگ بسبب سختی کے اور نہ چبائے جانے دانتوں کے پھینک دیے۔ اونٹ ہماری سواری کے جب منزل پر پہونچتے، شتر بان اُن کو پہاڑ جنگل میں چرنے کو چھوڑ دیتے۔ اُس اطراف میں سوا ایک قسم سوکھی گھاس کے نہیں ہوتی ہے۔ شام تک اونٹ اُس کو چرتے رہتے۔ جب اندھیرا ہوتا اونٹ والے اپنے اپنے اونٹ کو اُس کا نام لے کر پکارتے۔ اونٹ اپنے مالکوں پاس بلا تحاشا دوڑ آتے۔ اونٹ والے قریب سیر بھر کے دانہ اُن کو کھلاتے۔ پانی تین تین روز تک نہ پلاتے۔ مگر باوجود اس کمی دانہ کے بار ثقیل اپنے اوپر لاد کر منزل تک پہونچاتے۔ اگر اونٹ اُس طرف نہ ہوتا۔ ریگستان اور کوہستان میں گذرنا دشوار تھا۔ ع:

بے چارہ خارمی خورد و بار می برد

اونٹ والے عرب شام کو بھوسی سے کوئی چیز نکالتے۔ اُس کو حریرے کی طرح اونٹ کی مینگنیوں میں پکا کر کھاتے۔ عقل و تمیز سے مطلق بہرہ نہ رکھتے۔ جانوروں کی طرح سب افعال اُن کے تھے۔

ہم چلتے چلتے قریب سوئیس کنارے دریا کے جا پہونچے۔ اُس کشتی پر سقّے پانی بیر موسیٰ سے بھرے لیے آتے تھے، سوار ہوئے۔ کلن صاحب جلدی سے ایسا کود کر ناؤ پر چڑھے کہ پرنکل صاحب اُن کے دھکے سے ناؤ میں گر پڑے۔ کلن صاحب نے شرمندہ ہو کر پرنکل صاحب کو اُٹھا کر بٹھلایا اور عذر کیا اُنھوں نے راضی ہو کر معاف کیا کہ یہ امر اختیاری نہ تھا۔ بلکہ سہواً ہوا، اس میں کیا مقام رنجش کا۔

اس مصیبتوں سے بچ کر سولہویں تاریخ مارچ کے دن جمعہ کے دریا کے پار جا کر سوئیس میں پہونچے اور مج صاحب کے مکان پر اُترے۔ انھوں نے فی الفور رسمِ دعوت کھانے نفیس

119
www.taemeernews.com

منگوائے۔ ہم لوگوں کو کھلوائے۔ اُس وقت وہ کھانے مزیدار بہشت کے کھانے اور میوے معلوم ہوتے۔ اس لیے کہ بہت دنوں بعد کھانے میں آئے۔ انھیں دنوں میں فابر صاحب مع اپنی بی بی کے اور ارکٹ صاحب گورنر جرنیل کے بیٹے ہندوستان جانے کو مصر سے سوئیس آئے۔ جہاز کی انتظاری میں مقام کر کے خیمے کھڑے کروائے اور کئی صاحب بمبئی سے لندن جاتے تھے۔ وہ بھی یہاں پہونچ کر سستانے کے لیے چند روز رہ گئے۔ سب صاحبوں سے ملاقات ہوئی، ہر ایک نے مجھ پر مہربانی اور عنایت فرمائی۔ الّا فابر صاحب اور ان کی بی بی اور ارکٹ صاحب سے مجھ سے زیادہ تر موافقت ہوئی۔ اس لیے کہ انھوں نے شفقت بزرگانہ میرے حال پر مبذول کی۔ اتفاقاً لشکر پیدل شاہ مصر کے نے آکر وہاں کئی دن مقام کیا۔ حبش کی لڑائی کا قصد رکھتا تھا۔ خیمہ اور ڈیرہ لشکر کا مانند فوج انگریزی کے صاف اور خوشنما تھا۔ اچھی جگہ پر استادہ ہوا۔ میں نے اُن لوگوں سے ملاقات کی۔ ہر ایک کی صورت دردناک اور غم گین تھی۔ حال پوچھا کہ تم لوگوں کو کیا صدمہ ہوا۔ اُنھوں نے کہا۔ ملک حبش بہت گرمی رکھتا ہے ہم میں سے زندہ بچ کر ایک بھی پھرتا نہیں نظر آتا ہے۔ ہر ایک کی ماں بہنیں سوئیس تک پہونچانے آئیں تھیں۔ گویا لب قبر تک پہونچانے چلیں۔ مجھ کو ان کی جوانی پر رحم آیا کہ افسوس ہر ایک جوان مارا جائے گا۔ برداشت گرمی اور مقابلہ اہل حبش کی کون لائے گا۔ بعد دو تین دن کے جہاز اڈلنٹا سے آیا۔ سبھوں نے پہونچنا اُس کا غنیمت جانا اور فکر روانگی میں ہوئے۔ مگر میرے پاس روپے خرچ کے تھوڑے باقی رہے اور کرایہ جہاز کا سوئیس سے بمبئی تک آٹھ سو روپے تھے۔ ہم متردّد ہو کر اس بات پر مستعد ہوئے کہ عرب کے بگلے پر سوار ہو کر جدّے جاویں۔ وہاں جو کچھ بن پڑے سو کریں۔ پرنکل صاحب نے میرا حال دریافت کر کے کہا۔ بگلہ عرب کا جدّے میں جا کر ٹھہرتا ہے۔ جب ہوا موافق ہوتی ہے وہاں سے رواں ہوتا ہے۔ اس سبب سے تم کو بمبئی پہونچنے تک پانچ چار مہینے کا

120
www.taemeernews.com

عرصہ ہوگا۔ خرچ پاس نہ رہے گا اور زیادہ تردد ہوگا۔ جب میں جہاز کے مکان دیکھنے جاؤں گا، لو صاحب کپتان جہاز سے تمہاری سعی کر کے کوئی جگہ ٹھہرادوں گا۔ میں نے ان کا کہنا قبول کیا۔ بہتری سمجھ کر راضی ہوا۔ جب پرنکل صاحب اور ہیڈ صاحب جہاز پر مکان دیکھنے گئے، کپتان جہاز سے سفارش کر کے میرے لیے بھی ایک مکان ٹھہرا آئے۔ میں نے ادائے شکر اُن کا کیا۔ بعد اس کے اُس درویش سائل کے رہنے کا ٹھکانا چاہا۔ خدا ان صاحبوں کو ترقی مرتبہ پر پہونچاوے۔ میرے حال پر کیا کیا عنایتیں فرماتے۔ میری خاطر سے اُس کو بھی جہاز پر جگہ دی اور یہ بات کہی کہ تم اور لوگوں کرایہ دینے والوں سے زیادہ آرام پاؤ گے۔ کسی طرح تکلیف نہ اُٹھاؤ گے۔

تیسویں تاریخ مارچ کی بندہ ہمراہ اُن صاحبوں عالیشان کے سوار ہوا۔ ایک کمرۂ ہوادار پر بیٹھ کر خانساماں جہاز کے ساتھ بمبئی چلا۔ کپتان صاحب نے تخفیف کرایہ کے واسطے نام میرا نوکروں میں لکھوایا۔ اس سبب سے کرایہ بمبئی تک کا چالیس روپے پر ٹھہرا۔ میں ہوادار کمرے میں خانساماں کے ساتھ بیٹھا آرام سے جاتا تھا۔ خانساماں فارسی نژاد عدل جُو نام، سراپا عدل تھا کہ اپنے اوپر تکلیف گوارا کرتا۔ مگر مجھ پر کوئی تکلیف نہ ہونے دیتا۔ ارکٹ صاحب بعد کھانے کے میرے پاس آ کر چپک پیتے۔ باتیں مصر اور ہر ایک شہر کی کہتے سنتے۔ چلتے چلتے جہاز محے (۱) میں پہونچا۔ قہوہ وہاں کلکتہ سے آتا ہے اور وہیں سے کویلہ وغیرہ جہاز کے لیے خرید ہوتا ہے۔ اس خیال سے کہ مبادا راہ میں کویلہ خرچ ہو جاوے۔ جہاز دودی جو دھویں کے زور سے چلتا ہے روانگی سے باز نہ رہے۔ کپتان صاحب نے جہاز ٹھہرایا اور کویلہ وہاں سے خرید کیا۔ میں نے دور سے محے کو بہت آباد دیکھا۔ مگر جب وہاں جا پہونچا، گلیوں کو تنگ آدمیوں کو لابنا، دبلا پتلا پایا۔ ہر ایک بدشکل، سیاہ رنگ تھا۔ گرمی کا ایسا زور کہ ٹھہرنا دشوار ہوا۔ قہوہ خانے یہاں کے بُرے تھے۔ مانند قہوہ خانوں مصر کے ستھرے نہ تھے۔ چنانچہ میں

121
www.taemeernews.com

نے ایک قہوہ خانہ میں قہوہ پیا، پسند نہ آیا۔ سابق یہ شہر عملداری عرب میں تھا۔ اب محمد علی شاہ حاکم مصر نے زور شمشیر سے اُس کو قبضہ اپنے میں کیا۔ آدمی شاہ مصر کے چوکی پہرے کو مقرر تھے۔ توپیں پُرانی پڑی تھیں۔ قریب دیوار شہر پناہ کے مسلمان اور انگریز حبش کے جو شاہ مصر کے ہاں پکڑے آئے تھے۔ بھوکے پیاسے دھوپ میں بیٹھے پک رہے تھے۔ میں ان کا حال دیکھ کر بے قرار ہوا۔ جہاز پر آیا۔ دیکھا کہ مچھ کے لوگ کویلوں کو جہاز میں بھر رہے ہیں۔ آمد و رفت میں گرد و غبار اُڑا رہے ہیں۔ صورت ان کی ہو بہو بندر کی سی اِلّا ایک فرق کہ دم نہ تھی۔ کپتان نے جب جہاز کویلوں سے بھرا، لنگر کھولا۔ جہاز چل نکلا۔ مکلا (۱) میں پہونچ کر ٹھہرا۔ میں اُتر کر اس شہر میں گیا۔ آدمیوں کو سیاہ رنگ، بدصورت پایا۔ وہاں دو تین ہندو پیشہ ور تھے۔ نہیں معلوم عربوں میں کیوں کر گذارن کرتے۔ پھر ایک چھوٹی ناؤ پر سوار ہو کر جہاز پر آیا۔ ملّاحوں عرب کے لڑکوں نے ناؤ پر مجھ سے کہا کہ اگر ایک پیسا دو ہمارا تماشا دیکھو۔ یعنی غوطہ ماریں جہاز کے نیچے سے نکلیں۔ بندہ نے بموجب خواہش اُن کی ایک لڑکے کو ایک پیسا دیا۔ اس نے غوطہ مارا جہاز کے نیچے سے نکل آیا۔ ڈر مچھلی گھڑیال کا نہ کیا۔ میں اُس کو دیکھ کر متحیر ہوا کہ یہ لڑکے مچھلی کے طرح تیرتے ہیں۔ آفتوں دریا سے ہرگز نہیں ڈرتے ہیں۔

جاتے جاتے جہاز قریب ملک سلون (۲) کے پہونچا۔ ہندی میں نام اُس کا لنکا۔ سامنے اس کے سمندر میں دونوں طرف سے دو پہاڑ برابر سر نکالے ہیں۔ اُس کے مابین سے جہاز کی راہ ہے۔ ہندو اُن کو راون کا پل (۳) کہتے ہیں۔ رام لچھمن نے اُس کو وقت لڑائی راون کے بیچ سے توڑا دیا۔ میں یہ سیر و تماشے جزیروں کے دیکھتا آتا تھا۔ ناگہاں وہ بیمار عیسائی قریب ہلاکت پہونچا۔ علاوہ اس کے دھوپ گرمی سے سخت حیران تھا۔ پرنکل صاحب سے حال غلبہ مرض اور تکلیف دھوپ میں بیٹھنے کی اُس کے کی بیان کی۔ انھوں نے کپتان صاحب سے کہہ کر ایک جگہ سایہ دار اُس کے رہنے کو ٹھہرا دی۔ وہ طاقت ایک قدم

122
www.taemeernews.com

چلنے کی نہ رکھتا۔ میں نے جہازیوں سے اُس کو اُٹھالانے کو کہا۔ میرا کہنا کسی نے نہ سنا۔ آخر ایک گوراولایتی ثواب جان کر اُس کو دھوپ سے چھاؤں میں اُٹھالایا۔ ازانجا کہ وہ قریب المرگ ہورہا تھا۔ حال اس کا زیادہ تر بگڑا۔ مجھ سے کہا میرا مذہب عیسوی ہے۔ اس وقت کوئی سرہانے میرے بندگی پڑھے۔ میں نے سبھوں سے کہا کوئی بندگی پڑھنے پر راضی نہ ہوا۔ مگر پرنکل صاحب نے عنایت کرکے سرہانے اُس کے بندگی پڑھی۔ بندگی سنتے ہی اُس نے قضا کی۔ ہم نے اس کو طریقۂ عیسائی پر کفن پہنا کر دریا میں ڈالا اور ڈوب جانے کے لیے ایک گولہ توپ کا کمر اس کی سے باندھا۔ اس کی بیکسی اور مفلسی دیکھ کر عبرت آئی کہ بے زر کا دنیا میں کوئی نہیں ساتھی۔ بے روپے کے کوئی حاجت نہیں برآتی۔ حسب حال یہ شعر یاد آیا۔

اے زر تو خدا نای ولیکن بخدا
ستارِ عیوب وقاضی الحاجاتی!

بعد اس کے سبزہ پہاڑ اور کنارے دریا کا دیکھتے ہوئے خیر وصلاح سے بمبئی(۱) پہونچے۔ وہاں جاکر سب علیٰحدہ مکانوں میں اُترے۔ پرنکل صاحب نے ازراہِ عنایت فرمایا۔ تم کو مناسب ہے ہمارے مکان پر رہنا۔ میں نے ساتھ رہنا مناسب نہ دیکھا۔ کثرتِ صحبت کو موجب کمی الفت سمجھا۔ کنارے سمندر کے قریبِ قلعہ ایک مسلمان کا مکان تھا۔ بندہ وہاں اُترا۔ صندوق کپڑوں کا اس کے گھر رکھ دیا۔ دن بھر شہر کی سیر کرتا۔ رات کو وہاں سو رہتا۔ بستی بمبئی کی دو جگہ پر تھی۔ ایک اندرون قلعہ دوسری باہر تھی۔ قلعہ مستحکم واستوار ہے۔ پر تکیزوں کا بنایا ہوا۔ قبل ازیں وہ شہر انھیں کے عمل میں تھا۔ ان سے انگریزوں کے قبضہ میں آیا۔ اب صاحبانِ انگریز نے بازار وقلعہ وشہر بہت خوب بنایا۔ گرد قلعہ کے دو کھائیاں گہری بنائی ہیں۔ پنیا سوت تک پہونچائی ہیں۔ دیوار قلعہ کی پختہ ہے۔ اندر اس کے بازار وشہر بستا ہے۔ صبح کو چوک میں اژدہام ہوتا ہے۔ رستہ شہر و بازار کا وسعت رکھتا ہے۔ ہمہ چیز بازار

123
www.taemeernews.com

میں مہیا تھی۔ مچھلی اور انڈے کی زیادتی۔ ایرانیوں اور پارسیوں کے مکان نفیس بنے تھے بلند۔ ایک کلیسا بھی وہاں تھا، فلک پیوند۔ کنارے دریا کے درخت ناریل کے ہرے ہیں۔ سوا ان کے اور درخت سبز لگے ہیں۔ وہ مقام نہایت وسعت وفضا کا ہے۔ عجب لطیف و طراوت فزا ہے۔ شام کو پارسی وہاں جا کر اپنے طور پر عبادت کرتے ہیں۔ انگریز بھی سیر و تماشا دیکھتے جاتے ہیں۔ بندہ بخدا سچ کہتا ہے۔ وہ مقام ہر شام نمونہ روضہ رضوان ہوتا ہے۔ لعل باڑی نام ایک مقام کا ہے کہ نسیم جیو وارہٹیہ پارسی نے وہاں ایک مکان اور باغ بنوایا ہے۔ عجب جائے عشرت افزا ہے کہ سارا سامان امیرانہ ورئیسانہ اُس میں مہیا ہے۔ جھاڑ و فانوس تصویریں امیروں کی اور شبیہیں اور جانور مردے ہر قسم کے مصالح سے بھر کر وہاں رکھی ہیں۔ اکثر امیر شہر کے اس میں جا کر محفل ناچ رنگ کی جما کر عیش وعشرت کرتے ہیں۔ ان سیروں سے فراغت کر کے ماما ہرالی صاحبہ کے روضہ میں گیا۔ سراپا زیب وزینت تھا۔ ایک پتھر سونا اور جواہر جڑا رکھا عجب لطف رکھتا۔ پہاڑ بسبب رطوبت ہوا کے سبز ہو رہے تھے۔ چشمِ نظارہ طلب کو تازگی بخشی۔ باہر شہر کے ایک پہاڑ ہے۔ پارسی اپنے مُردوں کی لاش کو لے جا کر اُس پر پھینک آتے ہیں۔ چیل کوّے گدھ اُس کو کھا جاتے ہیں۔ پارسی لوگ آتش پرست ہوتے ہیں۔ مگر امورات دنیوی میں عقل کامل رکھتے ہیں۔ کرانیوں میں بیشتر نوکر ہوتے ہیں۔ اس لیے کہ صاحبان انگریز ان کو معتمد سمجھتے ہیں۔ جو اُن میں سے زیادہ عزت رکھتے ہیں، جہاز کا کام کرتے ہیں۔ فقیر نے اکثر اُن کو صاحب علم ولیاقت پایا۔ لباس اُن کا سفید اور بہتر تھا۔ عورتیں ان کی عصمت وعفت رکھتی ہیں۔ بدی پر ہرگز مائل نہیں ہوتی ہیں۔ اندر شہر کے ایک آتش کدہ ہے۔ برسوں سے اُس میں آگ جلتی ہے۔ کبھی سرد نہیں ہونے پاتی۔ سب پارسیوں نے متفق ہو کر یہ امر ٹھہرایا ہے کہ ہر روز ایک شخص بموجب حصہ کے صندل کی لکڑی مول لے کر اُس میں جلاتا ہے۔ اعتقاد اُس کا دل میں رکھتے ہیں۔

124
www.taemeernews.com

خلاف مذہب اپنے کو اس میں جانے نہیں دیتے ہیں۔

اتوار کے دن بائیسویں تاریخ اپریل ۱۸۳۸ء کے ایک چھوٹی کشتی پر سوار ہوکر جزیرۂ الف انٹا (۱) میں گیا۔ زبان ہندی میں نام اُس کا گورہ پوری اور بمبئی سے چار کوس کا فاصلہ رکھتا۔ ایک پہاڑ دیکھا اُس پر ہاتھی کے قد برابر ایک ہاتھی پہاڑ سے تراشا بنا اور ایک بت خانہ نفیس بھی پہاڑ کا تراشا ہوا تھا۔ اسی طرح اور بہت مکان گرے پڑے تھے اور بُت بڑے بڑے پہاڑ کے ترشے نظر پڑے۔ عجیب وغریب تھے۔ اب شاہ لندن نے ایک شخص اُس کی نگہبانی کے لیے مقرر کیا۔ قرینہ سے ایسا ثابت ہوتا کہ وہ مقامِ پرستش ہندوؤں کا تھا۔ زمانۂ سابق میں خوب طیار وآباد ہوگا۔ بعضوں کے کلام سے ثابت ہوا کہ شاہ اورنگ زیب عالمگیر نے اُن بتوں کا توڑ ڈالا۔ بعضوں نے کہا نہیں پرتکیزوں نے اپنی عملداری میں اُس بت خانہ کو کھودا۔ راست ودروغ بہ گردنِ راوی۔ میرے نزدیک قول دوسرا قرین صداقت ہے۔ اس واسطے کہ پرتکیزوں کو بت اور بت پرستی سے کمال نفرت ہے۔ یہ سیر وتماشا دیکھ کر شام کو ایک ناؤ پر سوار ہوکر اپنے مقام پر آیا جب تلک میں بمبئی میں رہا۔ شام کو سیر کرتے ہوئے پریٹ کے کنویں تک ضرور جاتا۔ عورتیں ہندوؤں کی جو کنویں پر پانی بھرنے آتیں۔ صورت شکل میں فتنۂ روزگار تھیں۔ زیور اور ریشمی لہنگے پہنے ہوئے چھم چھم کرتی آتیں۔ دیکھنے والوں کا ہوش اُڑا لے جاتیں۔ جتنا حسن وجمال بمبئی میں تھا۔ ہندوستان میں کہیں نہیں نظر آیا۔

تیسویں تاریخ اپریل کی ٹون ہال میں جو قلعہ کے اندر تھا۔ بندہ تماشا دیکھنے گیا۔ دو تین بت پتھر کے ترشے کھڑے تھے۔ ایسے خوب کہ پھر میں نے ویسے کہیں نہ دیکھے۔ کئی سطر عبارت ہندوی کی پتھر پر کھُدی۔ میں نے کیفیت حال بتوں کی استفسار کی۔ لوگوں نے یہ بات کہی۔ ایک انگریز سیاح ہندوستان سے اُن کو لایا ہے بطریقِ سوغات لندن لیے جاتا

125
www.taemeernews.com

ہے۔ فی الواقعی اُستاد نے اُن کو ایسا تراشا کہ ہر ایک قابلِ تماشا تھا۔

ایک دن پرنکل صاحب نے مالکم صاحب کے مکان پر میری دعوت کر کے بلایا۔ میں بموجب فرمانے اُن کے کے مالکم صاحب کے مکان پر گیا۔ کئی صاحب اور بھی موجود تھے۔ مالکم صاحب اور سب مجھ سے با اخلاق پیش آئے۔ عزّت سے بٹھلایا، اپنے ساتھ کھانا کھلایا۔ پھر مالکم صاحب نے پرنکل صاحب کی طرح میرے حال پر عنایت فرمائی۔ از راہِ اشفاق یہ بات ارشاد کی، جو کچھ تم کو درکار ہو بے تکلف ہم سے ظاہر کرو۔ تا کہ ہم اس کو حاضر کریں، تم سے شرمندہ نہ رہیں۔ میں نے کہا آپ کی عنایت میرے حق میں کافی ہے۔ دل میں کوئی آرزو نہیں باقی ہے کہ آپ سے بیان کروں۔ بعد ان باتوں کے میں نے پرنکل صاحب سے کہا کہ بندہ پرسوں قصد رکھتا ہے یہاں سے روانگی کا۔ یہ کہہ کر اپنے مقام پر آیا۔

چھبیسویں تاریخ اپریل کی پھر پرنکل صاحب کے پاس رخصت ہونے گیا۔ قصور اپنے ان سے بخشوائے۔ اس وقت وہ آنکھوں میں آنسو بھر لائے۔ میرے بھی آنسو نکل آئے۔ ہم دونوں بے اختیار روئے۔ پرنکل صاحب کے بھائی کلکتہ میں تھے۔ دو تین قطعہ خط ان کے نام کے لکھ کر مجھ کو دیے۔ میں رخصت ہو کر گھر آیا۔ راہ خشکی سے کلکتہ کا ارادہ کیا۔ سواری کے لیے گھوڑا تلاش کرنے لگا۔ وہاں گراں قیمت بکتا تھا۔ اس سبب سے نہ لیا۔

ستائیسویں تاریخ اپریل کی ناؤ پر سوار ہو کر آگے چلا۔ اُس پر ایسا ہجوم آدمیوں کا تھا کہ جنبش کرنا محال ہوا۔ ہزار خرابی سے نو کوس بعد پنولی (۱) میں پہونچ کر اُترا۔ وہاں سے ڈھرّہ پہاڑ کا تین کوس تھا۔ دوسرے دن پا پیادہ بارہ کوس راہ چل کر بڑ گانوں (۲) تک آیا اور مقام کیا۔ تیسرے دن پھر بارہ کوس کی منزل طے کر کے پونا (۳) میں داخل ہوا۔ پنولی سے یہاں تک زمین اور پہاڑ سبزہ زار، سڑک وسیع اور صاف ہموار تھی۔ قرینے سے دریافت ہوتا کہ بگھی اُس راہ سے آتی جاتی۔ یہ رستہ مانند راہ ولایت لندن کے تھا۔ میں نے پونا پہونچ کر

126
www.taemeernews.com

ایک دن مقام کیا۔ یہ شہر پُرانا ہندوؤں کالبِ دریا ہے۔ ہر ایک مکان ہنوؤں کا رفیع الشان بنا ہے۔ چھاؤنی انگریزوں کی شہر سے باہر دو کوس کے فاصلے پر ہے۔ یہاں میں نے چاہا گھوڑا خرید کرنا مگر قابل سواری کے ہاتھ نہ لگا۔ لاچار وہاں سے پیدل روانہ ہوا۔ سات کوس طے کر کے موضع لونی میں پہونچا۔ بعد پونا کے راہ میں نشیب و فراز تھا۔ دو عورتیں مرہٹوں کی نوجوان گھوڑوں پر سوار ہتھیار باندھے جاتیں۔ عجب عورتیں کہ جرأت و مردانگی میں مردوں سے سبقت لے گئیں۔ لونی سے گیارہ کوس چلا۔ کڑے گاؤں میں آ کر ٹھہرا۔ صبح اُٹھ کر بعادت مقرری راہ چلتا تھا۔ وقت دوپہر اور شدّت دھوپ کا ہوا۔ ہزار خرابی سے ریت کے جنگل میں قدم اُٹھاتا تھا۔ ناگاہ ایک طرف غول آہوؤں کا نظر آیا۔ ایک اُن میں سے سیاہ رنگ تھا۔ میں نے چاہا شکار کرنا اُس کا۔ اس خیال سے اُس طرف جا کر ایک گولی ماری۔ اُس ہرن کے لگی مگر باوجود گولی کھانے اور زخمی ہونے کے بھاگا۔ میں نے یہ سمجھ کر کہ آخر کہیں گر پڑے گا، اُس کا پیچھا کیا۔ یہاں تک کہ دوڑتے دوڑتے دور تک گیا۔ کوہستان اور ریگستان میں پہونچ کر تھک گیا۔ ہرن نظر سے غائب ہو گیا۔ دوڑنے اور دھوپ کی گرمی سے ایسا غلبہ پیاس کا ہوا کہ قریب ہلاکت پہونچا بلکہ مرنے میں کچھ باقی نہ رہا تھا۔ مگر صبر کر کے ایک درخت سایہ دار کے تلے لیٹا۔ لیٹنے کے ساتھ ہی بے ہوش ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب ہوش آیا۔ پانی کی تلاش میں چلا۔ دور سے ایک تالاب سا دیکھا۔ قریب اس کے جا کر سوکھا پایا۔ مگر جا بجا کیچڑ چہلا تھا۔ گڑھوں میں ہاتھ پانوں ڈال کر پانی ڈھونڈنے لگا۔ حسب اتفاق ایک گڑھے میں کیچڑ ملا ہوا پانی تھوڑا سا ملا۔ جلدی سے اُس میں منھ ڈال کر گدلا پانی پیا۔ میرے نزدیک آبِ حیات سے بہتر تھا۔ گویا اُس کے پینے سے دوبارہ زندہ ہوا۔ بعد اس کے اپنے تئیں اُس گڑھے میں گرا کر سارا بدن تر کیا۔ پھر اُس درخت کے سایہ میں آ کر لیٹا اور سویا۔ شام کو آگے چلنے کی نیت کی۔ مگر اعضا نے یارائے حرکت نہ دی۔ لاچار وہاں رہ

127
www.taemeernews.com

گیا۔ رات کے کھانے کو دو مینا ؤں کا شکار کیا۔ آگ پتھر سے نکال کر گوشت اُن کا کباب کر کے کھایا اور اُسی گڑھے سے پانی پی کر رات کو وہیں سو رہا۔ ہر چند خوف جانوروں، درندہ سے نیند نہ آئی۔ مگر جوں توں کر کے رات بسر کی۔ صبح اُٹھ کر راہ راست تلاش کرنے لگا۔ ڈھونڈھتے ڈھونڈتے راستہ پر آپہونچا۔ دوپہر کو سپا میں پہونچ کر ٹھہرا۔ دودھ دہی میٹھے کو جی چاہا۔ ہر چند تلاش کیا پر اُس اُجاڑ گانوں میں ہرگز میسر نہ آیا۔ فقط دال خشکے پر قناعت کی۔ رات وہاں کاٹی۔ علی الصباح اُٹھ کر چلا۔ راہ میں قافلہ بنجاروں کا دیکھا۔ عورت لڑکے ملا کر قریب دوسو آدمیوں کے تھے۔ اناج شکر گھی اور اور جنس بیلوں اور چھکڑوں پر لادے تھے۔ کئی گائے بکریاں اور کتے ہمراہ رکھتے۔ میں مدت سے جویائے صحبت اس قوم کا تھا۔ ملنا قافلہ کا غنیمت جان کر اُن کے ساتھ ہوا اور کہا کہ میں ارادہ رکھتا ہوں تمہارے ساتھ چلنے کا۔ اُنھوں نے پہلوتہی کی کہ ہم آہستہ آہستہ منزل چلتے ہیں۔ آپ قطع مسافت میں تیز روی رکھتے ہیں۔ اس صورت میں ہمارا تمہارا ساتھ نہ نبھے گا۔ میں ان کی پیروی پر راضی ہو کر ساتھ لگا۔ منزل بہ منزل جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ہڑھے میں پہونچا۔ آخر صحبت برآر نہ ہوئی۔ دیکھنے حرکات بد اُن کی تاب نہ آئی۔ تفصیل اس کی یہ کہ وہ بنجارے باوجود یہ کہ ہندو تھے۔ مگر بیلوں چھکڑوں اور گون لدے ہوؤں کو کمال تکلیف دیتے۔ یعنی اگر بیل ساری منزل میں سے کہیں ٹھہر کر چلتے، وہ بے رحم اتنا پیٹتے کہ پیٹھ اور پیٹ بیلوں کے زخمی ہوتے، تو بھی وہ پیٹنے سے باز نہ آتے۔ جب مقام پر پہونچتے تھوڑا سا بھوسا دے کر چرنے کو چھوڑ دیتے۔ ہر گاہ وہ بیل تمام دن محنت باربرداری میں رہیں۔ شام کو دانہ چارہ آدھا پیٹ پاویں۔ کیوں کر زیادہ بوجھ اُٹھاویں اور جنگل میں خاک چریں کہ قدم اُٹھانے کی طاقت نہ رکھیں۔ آپ وہ بنجارے چھکڑے یا بیل پر سوار مقام تک پہونچتے۔ کھانے مزیدار مرغن پکا کر کھاتے اور گھی شکر ملا کر ناک تک بھر لیتے۔ رات کو بیبیاں اپنی گود میں لے کر سوتے۔ زندگی کے

128
www.taemeernews.com

مزے اُڑاتے۔ اس سے زیادہ کمبختی اور بے رحمی اور کیا ہے کہ بیلوں بے زبانوں باربرداروں کو بھوکا پیاسا رکھتے۔ آپ پیٹ بھر کھا کر جورو کے ساتھ سو رہتے۔ دوسرے دن پھر اُنھیں پر سوار ہو کر آگے چلتے اور تھوڑے توقف میں بہت سا مارتے۔ میں حال ان کا دیکھ کر سراپا حیرت ہوا۔ اگر ان کے مذہب میں بیل کا گوشت کھانا جائز ہوتا، نہیں معلوم کیا مفسدہ برپا کرتے اور بیلوں کو کس طرح ستاتے۔ گاؤ پرستی ان کے ہاں حکمِ شاستر ہے۔ اُس پر یہ حالِ ابتر ہے۔ شاید اگر یہ حکم نہ ہوتا۔ ہر ایک بیلوں کے حق میں قسائی بنتا۔ یہ طرفہ ماجرا ہے اور قصہ نیا ہے کہ آپ اُن بے زبانوں پر اتنا ظلم وستم کرتے ہیں اور انگریزوں اور مسلمانوں کو گاؤ خوری پر طعنہ دیتے ہیں۔ جو کوئی بیل ذبح کرے بہتر اُس سے کہ تمام عمر باربرداری اور محنت فاقہ کشی میں رکھے۔ انگریز کھانے نفیس بیلوں کو کھلا کر پالتے ہیں۔ بعد اُس کے ایک جائے مقرر پر لے جا کر بیچ سے ایک پتھر اُن کے سر پر دے مارتے ہیں۔ بیل فی الفور مر جاتا ہے۔ کچھ صدمہ اور رنج نہیں پاتا ہے۔ اس صورت میں کس کا ظلم زیادہ ہوتا ہے اور کس کا قصور بہت پایا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ میں بڑی پہونچ کر تاب بے رحمی اُن کی نہ لایا۔ وہاں سے ساتھ اُن کا چھوڑ کر آگے چلا۔

بارہ کوس چل کر دہ گاؤں (۱) میں آیا۔ وہاں سے نو کوس راہ چل کر اورنگ آباد (۲) پہونچا۔ تامس صاحب کپتان رسالے ساتویں کے نے چکس صاحب کو ایک خط لکھا تھا۔ وہ میرے پاس بندھا تھا۔ چکس صاحب اورنگ آباد میں رہتے۔ نظام کی پیدل فوج میں کپتان تھے۔ خیال آیا کہ ان کے پاس جاؤں۔ خط اُن کا اُن کو پہونچاؤں۔ پھر دل نے کہا اگر تو خط اُن کے پاس لے گیا، وہ اپنے مکان پر اُتاریں گے۔ تکلیف مہمانداری کی اُٹھاویں گے اور اس شہر میں دو تین روز رہنے کا ارادہ تھا۔ اس سبب سے یہ بہتر معلوم ہوا کہ پہلے کہیں اور اُتروں۔ بعد اُس کے خط اُن کے پاس لے جاؤں۔ قریب دروازہ شہر پناہ کے ایک فقیر کا

129 www.taemeernews.com

مکان تھا۔ وہ صاحب کمالوں میں مشہور وہاں تھا۔ میں بھی لباس بدویوں عرب کا پہنے ہوئے تھا اور صورت فقیروں کی رکھتا۔ وہاں جا کر سلام کے بعد کہا میں مسافر اس شہر میں تازہ وارد ہوا ہوں۔ اُترنے کی جگہ چاہتا ہوں۔ شاہ صاحب نے جواب دیا کیا مضائقہ اُتر رہنے کا۔ اس درخت کے نیچے اُترو۔ مگر میں مقدور مہمانی کی نہیں رکھتا ہوں۔ تم آپ اپنے کھانے پینے کی فکر کرو۔ میں غنیمت سمجھا۔ درخت کے نیچے کمل بچھا کر بیٹھا۔ رات بھر وہاں رہا۔ صبح ہی اُٹھ کر دولت آباد(۱) جانے کا قصد کیا۔ اس واسطے کہ قریب قلعہ دولت آباد کے مقبرہ شاہ اورنگ زیب عالمگیر اور مزار ولیوں کامل کا تھا۔ (۲) اورنگ آباد سے دولت آباد نو کوس کا فاصلہ رکھتا۔ گٹھری کپڑوں کی اور لوٹا تانبے کا شاہ صاحب کے پاس لے جا کر کہا۔ میرا قصد ہے اورنگ آباد جا کر زیارت مزار عالمگیر اور ولیوں کا۔ لہٰذا امیدوار ہوں کہ ایک دو روز اسباب اپنا امانتاً آپ کے پاس رکھوں۔ انھوں نے کہا ہمارا ہرج کیا۔ لیکن جس دن سے اُس حاجی پاجی نے مجھ کو فریب دیا میں نے ہر کسی کی امانت رکھنا موقوف کیا۔ ایسا نہ ہو تم بھی ویسا کرو اور مجھ کو ستاؤ۔ میں نے پوچھا اس حاجی نے آپ کو کیا ایذا دی اور خدمت شریف میں کیا تقصیر کی۔ سابق ازیں ایک حاجی فقیروں کی صورت میرے پاس آ کر اُترا۔ تمہاری طرح دولت آباد جانے کے وقت اسباب اپنا میرے تفویض کر گیا۔ جب وہاں سے پھرا سب اسباب اپنا لیا۔ پھر اُس کافر نے دغا دی۔ اشرفی اور روپیوں کا دعوئے باطل کیا۔ محکمۂ کوتوالی میں نالش کر کے مجھ کو گرفتار کروایا۔ از انجا کہ جھوٹ کو سچ کے سامنے فروغ نہیں ہوتا، آخر دعوے بے جا سے شرمندہ ہو کر آپ ہی قید ہوا۔ اس سبب سے ڈرتا ہوں کہ مبادا تم بھی وہاں سے پھر کر دعویٰ روپوں کا کرو اور میری عزت پر حرف لاؤ۔ مجھ کو اس کلام سے شبہ ہوا کہ شاید یہ شخص چور ہے، بصورت فقیر بنا۔ اُس کے امتحان کے لیے کنارہ گیا۔ شیشے کی پچاس گولیوں کو روپے پیسے کی طرح ایک پتھر سے گول اور چپٹا کیا اور ایک روپیہ بازار سے خوردہ کر کے پیسے اُن میں

130 www.taemeernews.com

ملائے۔ایک تھیلی میں رکھ کر منھ اُس کے پر لاکھ لگائی۔اُس پر مہر اپنی کر دی۔اُس کو گٹھری میں رکھ کر شاہ صاحب کے پاس لے گیا۔بطریق امانت اُن کے سپرد کر کے رخصت ہوا۔ اُنھوں نے گٹھری ہاتھ میں لی۔گراں وزن سمجھ کر دو چار سواروں کے سامنے جو ساتھ اپن کے بھنگ پیا کرتے تھے۔یہ بات کہی۔تم سب شاہد رہو،اس شخص کی گٹھری میں نہیں روپیہ پیسا ہے۔اگر آئندہ دعوے کرے بیجا ہے۔میں نے کہا سچ یونہی ہے۔سوا دو چار پیسے کے اس میں کچھ نہیں ہے۔یہ کہہ کر راہی ہوا دولت آباد جا پہونچا۔راہ میں کئی سرائیں دیکھیں، شاہ عالمگیر کی بنوائی ہوئیں۔بسبب بے مرمتی کے ہر ایک جا بجا سے ٹوٹی اور خراب پڑیں۔ یقین کہ اورنگ آباد اور دولت آباد زمانہ سابق میں خوب آباد ہوں گے۔اس لیے کہ اب تک نشان عمارتوں قدیم کا ہے باقی۔قریب اورنگ آباد شاہ عالمگیر نے ایک مکان عالیشان بنوایا ہے۔چاروں طرف قطعات مستحکم رکھتا ہے۔اندر اُس کے ایک حوض،مقابل اس کے ایک مسجد فلک تو امان ہے۔رہتے ہیں اُس میں قرآن خواں۔مسافر وہاں جا کر ٹھہرتے ہیں۔ حوض سے پانی لے کر وضو کر کے نماز مسجد میں پڑھتے ہیں۔میں بھی اُس مکان میں گیا۔سہ پہر تک بیٹھا رہا۔بعد اُس کے ایک ولی کے مزار پر گیا نام اُس کا فراموش ہوا۔مجاور درگاہ کے ساتھ ہوئے۔تربت تک لے گئے۔گنبد کے اندر انڈا شتر مرغ کا لٹکتا۔(۱) برابر اس کے جھبا مقیش کا گلدستہ کی طرح لگا۔چادریں پھولوں اور کمخواب کی تربت پر بچھیں ایک طرف بتیاں اگر کی جلتیں۔میں نے اندر جا کر فاتحہ پڑھا اور تھوڑی دیر ٹھہرا۔تین روپے کی مٹھائی مول لے کر فاتحہ دے کر مجاوروں کو تقسیم کر دی۔بعد اُس کے کچھ خیرات بھی اُن کو دی۔اُنھوں نے تھوڑے پھول اور ٹکڑا چادر تربت پھاڑ کر مجھ کو تبرک دیا۔میں اُس کو لے کر باہر آیا۔ہر چند ارادہ یہ تھا کہ سب ولیوں کی قبروں پر جا کر فاتحہ پڑھتا۔مگر سوال اور تقاضائے مجاوروں سے تنگ آیا اور خوفِ صرفِ زائد سے باز رہا۔فقط اورنگ زیب کے مقبرہ پر گیا۔(۲) گرد قبر کے کٹھرا

131
www.taemeernews.com

لکڑی کا لگا۔ مقبرہ چنداں نفیس نہ تھا۔ میں دیکھنے اُس کے سے عبرت پذیر ہوا کہ یہ بادشاہ ہندوستان کا کتنے ملک زور شمشیر سے اپنے قبضہ میں لایا۔ اپنے زمانہ میں کس طرح غلبہ رکھتا تھا۔ اب خاک میں ملا۔ یارائے حس وحرکت، جنبشِ دست وپا کی طاقت نہیں رکھتا۔ دنیا عجیب مقام ہے۔ ہر ایک کا یہی انجام ہے۔ یہ سوچ کر باہر آیا۔ تھوڑی دور چلا۔ ایک باغ نظر آیا۔ اُس کے اندر جا کر دیکھا۔ ہر طرف دیوار پختہ رکھتا۔ ہر سمت مکان نفیس بنا۔ درمیان باغ کے مقبرہ زیب النساء دختر عالمگیر کا تھا۔(۱) وہ سارا مع تربت کے سنگِ مرمر سے طیار ہوا۔ چھت اور فرش سنگِ مرمر کا تھا۔ گرد قبر کے حوض بھی اُسی کا اور ہر طرف تربت کے فوارہ پانی کا۔ چنانچہ ایک فوارے میں میں نے منھ لگا کر پھونکا۔ دوسرے فوارے سے پانی نکلا۔ بہ سبب بے مرمتی کے گرد جمی تھی۔ بلکہ ہر چیز میں شکستگی آئی۔ اغلب کہ اب بھی اگر کوئی درستی کرے، آب وتابِ اول پر آوے۔ فوارے بھی جاری ہوویں۔ اس لیے کہ ابھی تک نقصان سے بچے ہیں۔ سبحان اللہ جب طیار ہوا ہوگا۔ کیا نفیس بنا ہوگا کہ اب تلک اُس میں وہی رونق باقی ہے۔ طبیعت کو دیکھنے سے فرحت آتی ہے۔ ان دنوں نظام الملک آصف جاہ حاکم حیدرآباد(۲) سنگ مرمر وغیرہ وہاں کھدواتا ہے اور اپنے باپ کے مقبرے پر لگاتا ہے۔ اگر چندے یہی حال رہے گا۔ یہ مقبرہ ویران اور برباد ہوگا۔ ایک دن وہ تھا کہ باپ زیب النسا کا دبدبۂ عالمگیری اور کشور کشائی رکھتا۔ کسی کو دم مارنے کا امکان نہ تھا۔ آج وہ زور ہے کہ اُس کے لختِ جگر کے مقبرہ سے پتھر کھودے لیے جاتے ہیں۔ خوف خدا دل میں نہیں لاتے ہیں۔ وہ کچھ خبر نہیں رکھتا۔ یہاں سے ثابت ہوا کہ بموجب مذہب سلیمانی یوسف کمل پوش کے ہر امر ہر ایک وقت پر مقرر ہے۔ بُرا ہو یا بہتر۔ ایک وقت وہ تھا کہ یہ مقبرہ بنا۔ ایک یہ ایام ہیں کہ خراب ہوا۔ دنیا مقام پاداش ہے۔ نہ جائے بود وباش۔ اے مغرور غرّہ نہ کر اپنے کاموں کا کہ ایک وقت سزا پاوے گا۔ اس باغ سے باہر ہے ایک تالاب اور

132
www.taemeernews.com

بہت سے باغ اور عمارات قدیمی۔ میں نے ان سبھوں کی گنتی نہ کی۔ سارا دن ان مکانوں کی سیر میں آخر کیا۔

دوسرے روز حالِ عجیب ایک پہاڑ کا سنا کہ دیوؤں کا تراشا تھا۔(۱) نہایت مشتاق ہوکر اُس کی سیر کرنے گیا۔ پہاڑ دیکھا آدھ کوس کے گھیر میں تھا۔ اُس پر مکانات عالیشان سہ منزلے پہاڑ سے ترشے بنے۔ ستون بھی پتھر کے تھے۔ بُت بڑے بڑے قدآدم بلکہ زیادہ اس سے، سنگ کوہ کے تراشے جا بجا کھڑے۔ ایسا ہی ایک طرف دیو ہرا پہاڑ کا ترشا بنا۔ ہاتھیوں پیل قد کے سر پر رکھا۔ وہ بھی پہاڑ سے ترشے تھے۔ قد وقامت میں برابر ہاتھی کے تھے۔ اندر بت خانہ کے ایک بڑا بتِ سنگی رکھا۔ ہندوؤں میں کیلاس (۲) نام اس کا مشہور ہوا۔ برہمن اُس میں رہتے ہیں۔ شام کو چراغ اُس میں جلاتے ہیں۔ باہر سے وہ بت خانہ چھوٹا دکھائی دیتا ہے مگر بھیتر سے جگہ ہزاروں آدمیوں کی اور بہت وسعت رکھتا۔ تصویر جانوروں کی مثل بندر وغیرہ کے ترشی تھیں۔ بخدا میں نے ایسی مورتیں کہیں نہیں دیکھیں۔ درحقیقت یہ کام بشر کا نہ تھا۔ شاید جنات اور دیوؤں نے تراشا۔ حال اس کا سن کر میں قصہ جانتا تھا۔ آنکھوں سے دیکھ کر یقین لایا۔ اگر لاکھوں آدمی برسوں تراشتے۔ ویسی صورتیں اور مکان ہرگز نہ بنا سکتے۔ اندر اُس بتخانہ کے نہر تھی۔ جگہ نہانے ہندوؤں کی۔ ہندو ملکوں دور دراز سے یہاں آکر نہاتے ہیں۔ اپنے زعم میں گناہوں تمام عمر سے اس غسل سے پاک اور مبرّا ہو جاتے ہیں۔ اسی سیر وتماشے میں پہر دن باقی رہا۔ میں اطراف پہاڑ کما ینبغی نہ دیکھنے پایا۔ اس لیے قصد شب باشی کا وہاں کیا۔ چھرّے بندوق سے کئی کبک شکار کر لایا۔ نمک ایک فقیر سے لے کر اُن کا کباب بنایا۔ روغنی روٹی کے ساتھ جو پاس بندھی تھی کھا کر پانی اس چشمہ سے پیا اور مقام کیا۔ رات کے وقت اکثر الّو اور چمگیدڑ اُڑتے اور وہ بت دیوؤں کی طرح ہیبت ناک نظر آتے۔ مگر دیو وپری اصلی کا نشان نہ پایا۔ صبح ہی اُٹھ کر پھر سیر میں

133
www.taemeernews.com

مشغول ہوا۔ اکثر مورتیں ایسی نظر آئیں کہ بعضی سر بعضی دھڑ نہ رکھتیں۔ دریافت ہوا کہ شاہ عالمگیر نے توپ کے گولوں سے اُن کو بے سر و پا کیا، کسی کا سر اُڑ گیا، کسی کا پانوں اُکھڑ گیا۔ مکانات ٹوٹے، ستون گرے پڑے۔ ایک سمت ایک مکان تھا۔ ترشا پہاڑ کا۔ اس کے گنبد پاس کڑیاں ترشیں پتھر کی لگیں۔ بعینہٖ کڑیاں چوبی معلوم ہوتیں۔ اُس میں ایک بت عظیم الشان تھا۔ وہ مکان کوٹھری بڑھئے کی کہلاتا۔ لوگوں سے معلوم ہوا جس کی یہ سب صنعت ہے اُسی کی یہ صورت ہے۔ ایک نجار تھا، جس نے پہاڑ تراشا۔ تصویر ایک بخیل کی برھئی کی کوٹھری میں کھڑی بہت خوب بنی تھی۔ لاغری اور نحافت سے ہر جوڑ بدن کا نظر آتا۔ ایک روپیہ ہاتھ میں لیے مٹھی زور سے بند کیے تھا۔ دو ہندو وہاں رہتے تھے۔ اُن سے میں نے حالات اُس پہاڑ کے پوچھے۔ چونکہ عقل و خرد نہ رکھتے، حال مفصل بیان نہ کر سکے۔ اسی قدر کہا کہ یہ دیوؤں کا کام ہے، ہزاروں برس سے بنا۔ اُس صحرا میں ایک تالاب بھی تھا اور میدان میں وسعت زیادہ۔ اس قرینے سے مجھ کو ثابت ہوا کہ سابق وہ مقام عملداری ہندوؤں میں آباد ہوا ہوگا۔ گردشِ زمانہ سے اب ویران ہوا۔ نام و نشان باقی نہ رہا۔ میں نے بہت ملکوں میں سفر کیا۔ مگر ویسے بت اور بت خانہ اور پہاڑ کہیں نہ دیکھے۔ لہٰذا بندہ شائقوں کو اطلاع دیتا ہے کہ جو کوئی اورنگ آباد کی طرف جاتا ہے اُس کو چاہیے کہ اُس پہاڑ پر جاوے۔ سیر و تماشا وہاں کا ضرور دیکھے۔ اورنگ آباد سے اُتر طرف تھا۔ بارہ کوس فاصلہ رکھتا۔

وہاں سے پھر قلعہ دولت آباد میں آیا۔ صورت اُس کی یہ کہ ایک پہاڑ تھا۔ انڈے کی طرح نیچے سے کم عرض اوپر سے چوڑا۔ حاسوں نے تراش کر اس کا قلعہ اور مکان بنوایا۔ جا بجا توپیں لگیں۔ بلندی میں ہمتائے چرخِ بریں۔ اگر اس قلعہ میں کوئی مثل انگریزوں کے بندوبست کرتا، کسی کو یارائے مقابلہ اُس سے نہ ہوتا۔ اب اُس میں قبضہ نظام الملک کا ہے، ویران اور خراب پڑا ہے۔ حفاظت کے لیے برائے نام سو سپاہی نجیب دروازہ پر بیٹھے ہیں۔

134
www.taemeernews.com

عجب سپاہی کہ بندوقیں ان کی زنگ آلودہ کپڑے کالے، میلے کچیلے پہنے ہیں۔ جب میں نے وہاں پہونچ کر اندر جانے کا قصد کیا، انھوں نے روکا کہ بے اجازت اور پروانگی نظام الملک کے کسی کو حکم نہیں اندر جانے کا۔ اس سبب سے میں اندر اُس کے جا نہ سکا۔ باہر سے بلندی اور وسعت اُس کی دیکھتا رہا۔ گرد دولت آباد کے دیوار شہر پناہ پختہ ہے۔ آٹھ سات ہزار آدمی اُس میں بستا ہے۔ جب فقیر ان سیروں سے فراغت کر چکا۔ اورنگ آباد میں جس فقیر کے مکان پر اُترا تھا۔ آنے کا ارادہ کیا۔ راہ میں ایک عورت نوجوان مرہٹن پریزاد، زعفرانی اطلس کے کپڑے پہنے ہوئے ملی۔ نیزہ ہاتھ میں لیے ایک کمیت گھوڑے پر سوار جاتی تھی۔ شعر

جمالش چو در نیم روز آفتاب
کرشمہ کناں نرگسِ نیم خواب

عجب حسن و جمال درخشاں رکھتی کہ دیدۂ خورشید نے اُس کی طرف ٹکٹکی باندھی۔ چہرہ اس کا درمیان بالوں عنبریں کے یوں چمکنا جیسے سورج کالی گھٹا سے نکلا۔ زیور خورشید طلائی بالوں میں گندھا۔ عجب کیفیت دکھاتا۔ انداز اُس کا معشوقانہ۔ دل دیکھتے ہی لوٹ جاتا۔ جدھر آنکھ اُٹھا کر دیکھتی۔ فتنہ بپا کرتی۔ فقیر جونہیں چار چشم ہوا۔ آئینہ ساں حیران ہو کر دیکھتا رہا۔ جب قریب آپہونچی۔ میں نے بے اختیار شوق سے یہ بات کہی۔ اگر اجازت پاؤں کچھ آپ کی خدمت میں عرض کروں۔ نگاہ تیز سے میری طرف دیکھا اور اشارے سے حکم کیا۔ میں نے کہا۔ اُس مصور بیچوں پر صد آفریں کہ تیری یہ تصویر کھینچی نازنین۔ اس کلام سے وہ معشوقہ ہنس کر کہنے لگی۔ اے فقیر صاحب کمال سچ بتا کہ عمل مرہٹوں کا ہندوستان میں کب ہوگا اور کتنے دنوں میں انگریزوں پر زوال آوے گا۔ میں نے کہا اے جان جب میرا نکاح تیرے ساتھ ہووے گا، عمل انگریزوں کا ہندوستان میں نہ رہے گا۔ اُس نے کہا فقیر کو نہ چاہیے ایسی خوش طبعی اور استہزا۔ میں نے کہا تمہاری خاطر نازک میں رنج نہ آوے۔ سابق

135
www.taemeernews.com

میں رہتا تھا بیچ صحبت پریوں کے۔ ہر وقت ان کے جمال کا تماشائی اور ہم کلام تھا۔ شامت اعمال سے وہاں سے نکلا۔ پھر وہاں جانے کی آرزو رکھتا ہوں۔ خدا سے استمداد چاہتا ہوں۔ یعنی انگلستان میں تھا۔ وہاں کی رنڈیوں پری وشوں کا جمال دیکھتا۔ اس وقت جو تجھ کو دیکھا۔ دل میں ولولہ آیا۔ اس سبب سے حرفِ شوق بے اختیار زبان سے نکلا۔ بعد اس گفتگو کے اُس معشوقہ رعنا نے ہوا کی طرح گھوڑا تیز کیا۔ اور یوسف حلیم کمل پوش آہ فغاں کرتا اورنگ آباد کی طرف چلا۔

جب قریب شہر آپہونچا۔ ایک پُرانا مقبرہ دیکھا۔ وسعت اور صفائی خوب رکھتا۔ دو تربوز مول لے کر پانی اُن کا پیا۔ اتنے میں ایک فقیر جو وہاں رہتا تھا ملا۔ بہت اخلاق سے پیش آیا۔ حقہ پانی سامنے لایا تخمیناً نو دسالہ تھا۔ مگر سن اپنا سو برس کا بتلایا۔ نورالٰہی پیشانی اس کی سے چمکتا۔ عقل ودانائی سے بہرہ کامل رکھتا۔ ایسا خوش زبان اور شیریں بیان تھا کہ بندہ صحبت اُس کی غنیمت سمجھا۔ اُس مقبرہ میں دو قبریں تھیں۔ ساتھ ساتھ اُس کے جا کر دیکھیں۔ حال قبروں کا پوچھا۔ اُس نے جواب دیا کہ میں نے حال صاحب قبر کا اپنا سا پایا ہے۔ اس سبب سے یہاں رہنا اختیار کیا ہے۔ اسی گفتگو میں تھا کہ میں نے ایک تربوز اُس کے آگے رکھا اور تنبا کو تھوڑا اپنے پاس سے نکال چلم بھر اس کے آگے کیا اور مستفسر حال اس کے کا ہوا۔ اُس مرد دانا نے مجھ کو فقیر جان کر کہا۔ اگرچہ میں یہ شیوہ اور عادت نہیں رکھتا ہوں کہ کسی سے حال اپنا بیان کروں۔ لاکن تم کو زیادہ شائق پاتا ہوں۔ قصہ اپنا کہہ سناتا ہوں۔ میری کیفیت یہ ہے کہ لڑکپن سے جوانی تک سایہ پدری میں فارغ البال اور آسائش سے رہا۔ سوائے تلاوتِ قرآن شریف اور تحصیلِ فنونِ سپہ گری کے پچیس برس تک کوئی کام نہ رکھتا۔ باپ میرا نظام الملک کی سرکار میں امتیازیوں میں نوکر تھا۔ بلکہ اُس زمانہ میں کوئی بسبب آسودگی کے نوکری کی پروانہ رکھتا۔ رئیس قدردان جویائے اہل سیف وقلم کے رہتے۔

136
www.taemeernews.com

ہر ایک کی بقدرِ لیاقت عزت کرتے۔ سلطنت ہندوستان میں انگریزوں کا کچھ دخل نہ تھا۔ کوئی ان کا نام ونشان نہ جانتا۔ حسب اتفاق ایک میرے عزیز کی برات تھی۔ محفل رقص و سماع گرم ہوئی۔ میں بھی بمقتضائے قرابت شریکِ صحبت ہوا۔ ناچ ایک رنڈی کا دیکھتا رہا۔ نام اُس کا تراب کنور تھا۔ ایک بارگی تیرِ عشق اُس کے کا دل میں لگا۔ تمام رات اُس کے منھ پر ٹکٹکی باندھے رہا اور پوشیدہ اُس سے کہا کہ فلانے دن میں کسی باغ میں محفل جماؤں گا، دوست آشناؤں کو بلاؤں گا۔ چاہتا ہوں کہ تم بھی اُس دن شریک محفل ہو۔ حال دوستوں پر مہربانی کرو۔ اُس نے کہا بہت اچھا ضرور آؤں گی۔ مجھ کو تو بے تابی تھی۔ بروز مقرر مجلس آراستہ کی۔ دوستوں کو تکلیف تشریف آوری کی دی۔ تراب کنور بموجب وعدہ آئی۔ رات بھر محفلِ عشرت گرم رہی۔ اس صحبت میں مجھ کو اُس پر اور زیادہ شیفتگی ہوئی۔ بہت سا زرِ نقد خرچ کیا۔ ذائقہ وصال سے چاشنی یاب ہوا۔ دل یہ چاہتا کہ جس طرح سے قابو پاؤں اُس کے ساتھ نکاح کرلوں۔ والد بزرگوار نے یہ حال سنا۔ وعظ ونصیحت سے سمجھایا اور اس امر بے جا سے تابمقدور منع کیا۔ جب میرے خیال میں نہ آیا۔ لاچار انھوں نے بہت روپیہ خرچ کر کے اُس رنڈی کے ساتھ میرا نکاح کر دیا۔ مدّت تک میں عیش کرتا رہا۔ اُس کی صحبت سے حظ زندگی اُٹھاتا۔ بعد چند روز حضرت قبلہ گاہی نے کارسرکاری پر قضا کی۔ ساری جمع اُن کی میرے ہاتھ لگی۔ میں اُس روپے کا ملنا غنیمت سمجھا۔ دوستوں کی مہمانداری میں مشغول ہوا۔ ایک سال میں سب اُڑایا۔ اس عرصہ میں اُس رنڈی کا دل حریف ہم صحبت پر آیا۔ بد بات کا سامنا ہوا۔ چونکہ مجھ کو اُس کے ساتھ عشق تھا، حرفِ شکایت زبان پر نہ لایا۔ جب سب نقد وجنس خرچ ہو چکا۔ خواب غفلت سے سمجھ کر چونکا۔ ایک گھوڑا باقی تھا۔ اُس پر سوار ہو کر تلاش روزگار کو نکلا۔ سعی سفارش چاہنے لگا سوائے بیس تیس روپے کے روزگار میسر نہ آتا۔ سخت حیران ہوا۔ مگر اُس کو نہ اختیار کیا۔ اس وقت اُس رنڈی نے بھی راہِ بے مروتی میں

137
www.taemeernews.com

قدم رکھا۔ ترکِ صحبت کا قصد کیا۔ میں نے کہا تجھ سے میرا نکاح ہوا ہے تو نے مفارقت کا کس طرح ارادہ کیا ہے۔ جواب دیا ہم نے نکاح کو بالائے طاق رکھا۔ جب تک تو مال رکھتا۔ قابلِ صحبت تھا۔ اب اوقات گذاری کیوں کر کرے گا۔ دوست آشنا بھی جو شریکِ خوان تھے آنکھ چرانے لگے۔ لاچار بندے نے دنیائے دوں سے دل اٹھایا۔ اس گوشے میں بیٹھ رہا۔ نظم

جہاں را ندیدم وفاداریے
نخواہد کس از بیوفا یاریے
بریدم زہر آشنائے شمار
بس ست آشنائے من آمرزگار

اب میں یہاں رہتا ہوں۔ خداوند تعالیٰ کو اپنا رفیق جان کر چاہتا ہوں کہ ساری عمر اس جا رہوں اور بعد مرگ یہیں دفن ہوں۔ حال ان دو قبروں کا یہ ہے کہ ایک قبر اس میں سے ایک رئیس زادہ کی ہے۔ دوسری قبر کتے کی۔ میں نے کہا قبر کتے کی آدمی کے برابر بنانا کیا ضرور تھی۔ تب اُس نے یوں حقیقت حال کہی کہ حیدرآباد میں ایک امیر صاحبِ ثروت تھا۔ سرکار نظام الملک سے در ماہہ بیش قرار پاتا۔ سوا اس کے پانسو گھوڑے اپنی سرکار میں داغ کر وائے۔ بارگیران پر مقرر کیے۔ یہ فائدہ علاوہ در ماہے اس کے سے تھا۔ ایک بیٹا عاشق مزاج رکھتا۔ بعد مرنے اُس امیر کے سارا مال و متاع بیٹے کے ہاتھ لگا وہ نوجوان اور کمسن تھا۔ چندا بائی نام کی ایک نوچی پر عاشق زار ہوا۔ تھوڑی مدّت میں سب مال و اسباب لٹایا۔ جب نقد و جنس باقی نہ رہا۔ گھوڑوں کو بیچا۔ آخر چندولال نائب نظام الملک نے اُس کی بدوضعی سے آگاہ ہو کر نوکری سے معزول کیا۔ ناچار یہ شخص حیران پریشان ہو کر گھوڑے پر سوار ہوا۔ ملکوں دور و دراز میں مثل شاہجہاں آباد، اکبرآباد وغیرہ بتلاشِ روزگار پھرتا رہا اور ایک کتا

138
www.taemeernews.com

ولایتی ساتھ لیا، نام اُس کا شیر اتھا۔ حسبِ اتفاق کہیں روزگار خاطر خواہ نہ ہوا۔ اور رنگ آباد آکر بسبب مفلسی کے گھوڑا بیچا اور کنجِ عزلت میں گوشہ نشین ہوا۔ نوبت فقر و فاقہ کی پہونچی۔ بہ سبب امارت مزاج کے طبیعت کسی سے سوال کرنے کو نہ چاہتی۔ کتا ولایتی جو رفیق تھا، رات کو نکلتا، نان بائیوں کی دوکان سے روٹی منھ میں لے کر اپنے مالک پاس لاتا۔ نان بائی کتے کی چالاکی سے حیران تھے۔ پتہ اور نشان نہ پاتے۔ اورنگ آباد میں شہرہ ہوا تیزی اور چالاکی کتے کا۔ لوگوں نے پکڑنے اُس کے کی فکر کی۔ وہ کتا دن کو باہر نہ نکلتا اس سبب سے کسی نے اس کا پتا نہ پایا۔ بعد چند روز کے اورنگ آباد میں چکلہ دار نیا سرکار نظام الملک سے مقرر ہو کر آیا۔ اس گوشہ نشین کے بزرگوں اور حال ریاست اُس کے سے خوب آگاہ تھا۔ اس شخص نے ایک پرچہ کاغذ پر حال اپنا لکھا اور اُس کے پاس بھجوایا۔ حاکم نے اطلاع پا کر بہت عزّت سے اُس کو اپنے پاس بلایا۔ حسب لیاقت درماہہ مقرر کیا اور اپنی بیٹی کا نکاح اس کے ساتھ کر دیا۔ تائید بخت سے پھر امیر ہوا۔ تھوڑے دنوں بعد کتا مرا۔ صاحب اپنے کو داغِ مفارقت دے گیا۔ اُس نے بہت ماتم کیا۔ عزّت و آبرو سے آدمیوں کی طرح یہاں دفن کیا اور مقبرہ بنوا دیا۔ برابر اُس کی قبر کے اپنے لیے قبر کی جگہ تجویز کی اور وارثوں سے وصیت کر دی کہ بعد از مرگ مجھ کو بھی یہیں دفن کیجیو۔ یہ قول میرا یاد رکھیو۔ نہیں تو فردائے قیامت تمہارا دامن گیر ہوں گا۔ درگاہ خدا میں تمہاری نالش کروں گا۔ اُنہوں نے اقرار کیا کہ تمہارا کہنا عمل میں آوے گا۔ بعد چند روز وہ بھی مر گیا۔ بموجب وصیت وارثوں نے اُس کو یہاں لا کر دفن کیا۔ ان دونوں قبروں سے ایک قبر اُس کی ہے۔ دوسری قبر کتے کی۔ حال اس شخص کا میرے حال سے مشابہت رکھتا ہے اس سبب سے یہ فقیر یہاں کا مجاور ہوا ہے۔ تا بہ زندگی یہیں رہے گا۔ بعد مرنے کے بھی یہیں دفن ہوگا۔ دوستوں سے وصیت کر چکا ہوں کہ بعد مرنے کے مجھ کو اسی مقبرہ میں دفن کریں۔ یہ کلام دھیان رکھیں۔ اُس شہر میں وہ مقبرہ کتے کا

139
www.taemeernews.com

مشہور تھا۔ میں نے یہ حال سن کر دل میں خیال کیا۔ کیا اچھا کتا تھا کہ اپنے مالک کا حق نمک ادا کیا۔ بلکہ اس نے ایسی رفاقت کی کہ عزیزوں قریبوں سے نہ ہوسکتی۔ گو کتا تھا پر سیرت میں آدمی سے اچھا تھا۔ خیال آیا میں بھی یہاں بیٹھ رہوں اُس درویش صاحب کمال سے جدا نہ ہوں۔ پھر دل نے کہا۔ اے یوسف کمل پوش اوقات اپنی یہاں بیٹھ کر ضائع کرنا سیروں جہاں سے محروم رہنا ہے۔ لنجوں کی طرح بیٹھنا، اوروں کے ہاتھ تاکنا جواں مردی سے بعید ہے۔ تماشائے جہاں قابلِ دید ہے۔ چل پھر کر کوششِ بازو سے کچھ پیدا کیا چاہیے۔ غریب وغربا کو اپنی وجہ سے آرام پہونچانا چاہیے۔ مثل شیروں کے شکار کر کے آپ کھا اور اوروں کو کھلا۔ نہ اپنے تئیں گیدڑ کی طرح پست حوصلہ بنا۔ دل کے سمجھانے سے میں اُس ارادہ سے باز آیا۔ اپنے اوپر جبر کر کے اس فقیر سے رخصت ہوا۔

اورنگ آباد میں اس فقیر کے مکان پر آیا۔ جس کے پاس گٹھری اور لوٹا چھوڑ گیا تھا۔ اُس سے ملاقات کی اور گٹھری اپنی مانگی۔ وہ ظاہر میں فقیر باطن میں چور تھا۔ شیطان کو تعلیم برائیوں کی کرتا۔ چیں برجبیں وترش رو ہو کر کہنے لگا۔ تم اپنا اسباب لو۔ اسی وقت میرے مکان سے نکلو۔ تم چور اور راہزن معلوم ہوتے ہو۔ اگر نہ مانو گے، کوتوالی چبوترے میں کہہ دوں گا۔ قید ہو گے۔ ہر چند میں نے کہا۔ حضرت مجھ سے کیا قصور ہوا۔ جو باعثِ خفگی ٹھہرا۔ انھوں نے کچھ نہ سنا۔ اُسی غصہ میں گٹھری لا دی۔ میں نے کھول کر دیکھی۔ تھیلی پیسوں اور چپٹے شیشے کی۔ منھ پر لاکھ بدستور لگی۔ مگر مہر میرے نام کی بالکل بگڑی۔ ظاہرا اُس درویش مکار نے تھیلی روپے اشرفی کی سمجھی۔ لاکھ جس پر مہر میری لگی تھی توڑ کر تھیلی کھولی۔ جب اس میں کچھ جمع نہ دیکھی، شرمندہ ہو کر لاکھ بدستور جما دی۔ مگر مہر میری اُس کے پاس نہ تھی۔ وہ کیوں کر بن سکتی۔ اس سبب سے حرف مہر کے مٹے تھے۔ ہم دیکھتے ہی دریافت کر گئے کہ اس نابکار کو برد ہاتھ نہ لگی۔ اس لیے دل میں رنجش آئی۔ اصل یہ ہے کہ مجھ کو تجربہ اُس کی

140
www.taemeernews.com

دیانت داری کا منظور تھا۔ ورنہ شیشے کی گولیوں کو چپٹا کر کے پیسوں کے ساتھ بھرنا کیا ضرور تھا۔ اب اے صاحبان عقل وشعور ملاحظہ فرماؤ کہ ان لوگوں نے ظاہر میں فقیری کا جامہ پہنا ہے۔ باطن میں چوری اور غارت گریِ خلق مدعا ہے۔ نہیں تو فقیر کو کیا کام تھا کہ میری گٹھری غائبانہ کھول کر دیکھتا۔ میں نے اکثر فقیروں ہندوؤں کو دیکھا۔ کوئی اُلٹا درخت سے لٹکا، کوئی شدّت گرمی میں آگ میں بیٹھا۔ اسی طرح فقرائے اہل اسلام کو بھی اپنے طور پر عبادت میں غرق پایا۔ آخر جب امتحان کیا، سب کا مکر وفریب پایا۔ جب وہ فقیر شیطان سیرت نہایت بدمزہ ہوا۔ اُس کے مکان کے قریب ایک کھنڈر تھا۔ اسباب اپنا بندہ وہاں اُٹھا کر لے گیا اور گھوڑے کی تلاش کرنے لگا۔ ایک شخص حیدرآباد کا رہنے والا نوکر نظام الملک کا اورنگ آباد میں تعینات تھا۔ اس سے حال خرید وفروخت گھوڑوں کا پوچھا۔ اُس نے مجھ کو اپنا ہم وطن سمجھ کر بہت خاطر داری کر کے کہا اندک صبر کرو اور چندے یہاں رہو۔ میں تمہارے لیے گھوڑا قدم باز ٹھہرائے دیتا ہوں۔ جہاں سے بنتا ہے تلاش کیے لاتا ہوں۔ پھر کہا ایک گھوڑا چہار سال فلانے جمعدار پاس ہے۔ ہاتھ پاؤں سے صاف ہے۔ مگر عیب نحوست رکھتا ہے۔ جو اس کو مول لیتا ہے، نوکری سے برطرف ہوتا ہے اور اُس کے گھر کوئی مر جاتا ہے۔ اس لیے میں تمہارے واسطے نہیں لے سکتا۔ ورنہ بہت خوب ہے اور قیمت مناسب پر ٹھہر جاتا۔ جس نے ان دنوں اُس کو مول لیا تھا، نوکری سے چھٹ گیا اور لڑکے اُس کے نے انتقال کیا۔ اب وہ ارادہ رکھتا ہے کہ گولی بندوق سے اُس کو مار ڈالے۔ میں یہ سنتے ہی اس کا طالب ہوا اور بیس روپے کو مول لیا۔ بجہت نحوست فہمی اُس شخص کے بھوکوں کا مارا تھا۔ میرے پاس دانہ گھاس پیٹ بھر کھا کر قد وقامت خوب نکالا۔ میں چند روز وہاں رہا۔ کوچہ وبازار کا تماشا دیکھا۔

ایک دن عالمگیر اورنگ زیب کی بی بی کے مقبرے(۱) پر گیا۔ فرش اور چھت سنگ مرمر کا تھا۔ اگر بسبب کہنگی کے آب وتاب اولیٰ نہ رکھتا مگر تاہم بہتر اور نقشہ اُس کا مانند

141
www.taemeernews.com

روضۂ تاج بی بی کا تھا۔ کاریگری اور صنعتوں کے سوا وہ صناعی میں اس سے کہیں زیادہ۔ اورنگ آباد پہاڑ کے نیچے بسا ہے۔ دیوار شہر پناہ اور دروازہ آمد و رفت کا پختہ بنا ہے۔ اب جا بجا سے اس میں بھی نقصان آیا۔ زمانہ سابق میں خوب آباد ہوگا۔ اس سرزمین میں میوے تر و تازہ مثل نارنگی و سیب وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ اگر کوئی اس زمین کو طیار کرے، میوے ولایتی پیدا ہوویں۔ اس زمانہ میں مکان اور عمارت اس کی ٹوٹی پھوٹی ہے۔ رئیسوں سے نام و نشان نہیں باقی ہے۔ مگر رہنے چکلہ دار کے سے البتہ آبادی ہے۔ اس کے نوکروں ذی رتبہ سے جو وہاں رہتے ہیں سپید پوشی ہے۔ شام کو چوک میں جماؤ ہوتا ہے۔ ہنگامہ خرید و فروخت اسباب گرمی پاتا ہے۔ رنڈیاں سات سنگار کر کے اپنے اپنے کوٹھوں کھڑکیوں پر بیٹھتی ہیں، اپنے تئیں آراستہ کر کے راہیوں کو دکھاتی ہیں۔ مرد نوجوان تماش بین گھوڑوں پر سوار ہو کر بناؤ کر کے آتے ہیں۔ گھوڑے دوڑاتے ہیں۔ رنڈیوں سے اشارے کنائے کرتے جاتے ہیں۔ اُن کا حال دیکھ کر مجھ کو افسوس آیا کہ ان میں اور لندن کے لڑکے اور جوانوں میں فرق ہے زمین و آسمان کا۔ یہ لوگ اپنی اوقات بیجا باتوں میں برباد کرتے ہیں۔ وہ عاقل ایک لحظہ تحصیلِ علم و ہنر سے خالی نہیں رہتے ہیں۔ اسی سبب سے ان کے لیے ہمیشہ ذلت و خواری بڑھتی ہے۔ اُن کے واسطے ہمیشہ رونق اور ترقی ہوتی ہے۔

بعد اس سیر و تماشے کے کپتان جاکس صاحب کے مکان پر گیا۔ اُن کے نام کا خط تامس صاحب کا لکھا میرے پاس تھا۔ وہ اس وقت گھر میں تشریف نہ رکھتے۔ کہیں گئے تھے، میں ٹھہر گیا۔ اُن کے آنے کا منتظر ہوا۔ ایک ساعت کے بعد اپنی میم صاحب کے ساتھ بگھی پر سوار آئے۔ میرا حال پوچھ کر بہت عنایت سے پیش آئے۔ شکوہ شکایت کرنے لگے کہ تم اتنے دنوں سے اس شہر میں آئے تھے۔ پہلے سے ہمارے پاس کیوں نہ چلے آئے ہم تمہارے لیے خیمہ کھڑا کروا دیتے مکانات عمدہ اور عجائبات اس شہر کے تم کو دکھلاتے۔ میں

142
www.taemeernews.com

نے جواب دیا۔ میرے آنے سے تم کو یہ سب تصدیعہ ہوتا۔ اس سبب سے میں نے اب تک حاضر ہونے میں تامل کیا۔ شام کے وقت کھانا منگوایا۔ آپ مع میم صاحب کے میرے ساتھ کھانا کھایا اور نہایت اصرار سے مجھ کو کھلایا۔ ان کی میم مزاجِ خلیق رکھتیں۔ تھوڑے دنوں سے اُن کے نکاح میں آئی تھیں۔ ان دونوں میاں بیوی نے میرے حال پر بہت عنایت فرمائی۔ ساری رات ان کی صحبت میں گزری۔

صبح ہی اُن سے رخصت ہوکر اپنے کھنڈ ہر میں آیا۔ گھوڑے نوخرید پر سوار ہوکر ایلچ پور(۱) چلا۔ راہ میں اندارے زینہ دار پختہ دیکھے بہت خوب اور مستحکم بنے۔ مگر بعضے قابل پانی پینے کے تھے۔ بعضے خراب پڑے۔ سبب اُس کا یہ کہ مسافر نالائق جو اُس راہ سے نکلتے۔ اُنھیں کنوؤں میں زینے سے اُتر کر گوشہ سمجھ بول و براز کرتے تھے۔ اُس واسطے بعضوں کا پانی بدبو کرتا۔ کثیف اور خراب پڑا تھا۔ اُس راہ میں اکثر کوہستان تھا۔ سننے میں آیا کہ بسبب رہزنوں کے گزر مسافروں کا اس راہ میں دشوار تھا۔ مگر اب انگریزوں کی شکایت سے نظام الملک نے حفاظتِ راہ کے لیے جا بجا سوار مقرر کیے ہیں۔ کنوؤں پر اکثر چوکی پہرے بٹھلائے ہیں تا کہ مسافر باامن وامان راہ سے گذریں۔ انداروں میں بول و براز نہ کریں۔ انگریزوں کی عقل کو سراہا چاہیے کہ انھوں نے اپنی عملداری اور غیروں کے ملک سے راہزن اور ڈکیت نکلوادیے۔ تمام راہ زمین قابلِ زراعت نظر آئی۔ مگر ظلم عاملوں سے خراب پڑی تھی۔ رعیت برباد ہوکر اُجڑ گئی۔ کہیں بھی خوب آبادی نہ تھی۔ بلکہ گانوں کے گانوں اُجڑے پڑے تھے۔ مواضع آباد مسکنِ دام ودد ہوئے۔ اگر کئی تردّد اُس زمین کا کرے۔ منفعت قرار واقعی ہوئے۔ عامل کوتہ اندیش ناعاقبت بیں، رعیت کا اسباب لوٹ لیتے ہیں۔ اُسی کو منفعت سمجھتے ہیں۔ غافل اس بات سے کہ درحقیقت ملک اُجاڑتے ہیں۔ نقصان سرکار کا کرتے ہیں۔ اگر ملک آباد اور تردد زمین کا ہوتا اس سے چار چند روپیہ آتا۔

143
www.taemeernews.com

یہ حالات دیکھتے چلتے چلتے بڑور (۱) میں آیا۔ اورنگ آباد سے پانچ کوس تھا۔ دوسرے دن دس کوس چلا۔ ویاڑی میں آپہونچا۔ وہاں سے دس کوس کے بعد جعفر آباد میں آ کر ٹھہرا۔ یہ موضع بہ نسبت اور گانوں کے آباد پایا۔ ایک پرانا قلعہ اور تالاب اُس میں بنا تھا۔ بہ سبب عرصہ کھچنے بارش مینہ کے پانی کم رہا تھا۔ جعفر آباد سے دس کوس آگے بڑھا چکلے میں آیا۔ وہاں سے سات کوس چل کر امر پور پہونچا۔ وہاں سے لکھن بارہ جو سات کوس تھا آیا۔ پھر نو کوس راہ چلا۔ بڑگانوں (۲) میں داخل ہوا۔ وہاں سے سات کوس کی منزل طے کر کے اکولا (۳) میں رات کاٹی۔ اکولا سے قبضہ دہنڈا میں آیا۔ نو کوس کا فاصلہ تھا۔ وہاں سے دس کوس بعد کپس تلی میں آیا۔ کپس تلی سے گیارہ کوس بڑھا۔ ایلچ پہونچا۔ یہ رستہ مانند سڑک ملک انگریزی کے برابر اور صاف نہ تھا۔ میں نے بسبب نشیب و فراز راہ کے اور گڑھوں اور پہاڑ کے رنج بہت پایا۔

ایلچ پور قریب پہاڑ کے واقع ہوا ہے۔ معتدل یہاں کی آب و ہوا ہے۔ زمانۂ سابق میں اغلب کہ خوب آباد ہوگا اس لیے کہ اب تلک بھی کچھ آباد و معمور تھا۔ عمارت اور مکان قدیمی گر گئے۔ مگر آبادی سابق سے خبر دیتے۔ یہاں فوج نظام الملک تعینات رہتی ہے۔ قواعد انگریزی سیکھتی ہے۔ انگریز قواعد سکھانے کے لیے نوکر ہوئے ہیں۔ یہاں کا لشکر در ماہہ ماہ بماہ سرکار سے پاتا ہے۔ قریب پہاڑ کے ایک میدان خوب صاف ہے۔ اُس میں چشمہ پانی کا شیریں اور شفاف ہے۔ پہاڑ پر ہر قسم کے جانور شکاری موجود تھے۔ جیسے ہرن، نیل گائے، پاڑھے۔ اگر کسی کا اس راہ سے گذر ہو اور شوق شکار کا اس کو بیشتر ہو چاہیئے کہ اس پہاڑ پر جاوے، جانوروں کا شکار کرے۔ اس واسطے کہ وہ جگہ نفیس اور نادر ہے۔ محل تماشائے قدرت قادر ہے۔ غریب آدمی اُس جنگل اور پہاڑ سے بانس اور لکڑیاں وغیرہ کاٹ کر بیلوں پر لاد لاتے ہیں۔ شہر میں لا کر بیچ جاتے ہیں۔ اسی طرح سے اوقات گزاری

144
www.taemeernews.com

اپنی کرتے ہیں۔ میں نے دو تین دن ایلچ پور میں مقام کیا۔ سیر و شکار میں مشغول رہا اور بسبب تکلیف راہ کے ایک آدمی صاحب خان نامی نوکر رکھا۔

بعد اس کے ناگپور(۱) چلا۔ اوّل منزل دس کوس چل کر چاندآور میں آیا۔ وہاں سے نو کوس راہ طے کر کے نیر میں پہونچا۔ راہ میں بسبب کمی بارش کے کنوے سوکھ گئے تھے۔ لہذا پانی کی طرف سے تکلیف کھینچتے رہے۔ سوا اس کے ساری راہ میں جنگلا تھا اور خوف و خطر شیر اور چیتے اور جانوروں درندہ۔ کہیں عمل نظام الملک کا، کہیں کسی راجہ کا، کہیں کہیں انگریزی تھا۔ نیر سے دس کوس چلا قصبہ وردہ(۲) میں آیا۔ وہاں سے گیارہ کوس کے بعد کرنجہ میں پہونچا۔ وہاں سے گیارہ کوس آگے چلا۔ کنڈل واری میں آیا۔ دس کوس آگے بڑھا، دامنہ تک آیا۔ دس کوس آگے چلا، ناگپور پہونچا۔ شہر سے باہر ایک سرا میں اُترا، نزدیک اس کے ایک تالاب دلچسپ تھا۔ چونکہ اس سال مینہ کم برسا۔ پانی کنوؤں کا خشک ہوا، اس لیے زن و مرد شہر کے اُسی تالاب سے پانی بھر لے جاتے۔ ناگپور سے دو تین منزل پیشتر میں نے بازار گانوں میں سنا کہ ایک شیر ہے، مسافروں کو ہلاک کرتا مگر گانوں کے آدمیوں کو نہیں ستاتا۔ گائے بکریوں کو نہ کھاتا۔ اُس کے پکڑنے کے لیے ناگپور کے راجہ نے قریب سو پیادوں کے مقرر کیے تھے۔ وہ لوگ کہیں پتا اور سراغ شیر کا نہ پاتے۔ اس سے مجھ کو ثابت ہوا کہ وہ شیر نہ تھا۔ بلکہ کوئی رہزن اپنے تئیں صورت شیر بنا کر مسافروں کو مارتا اور اسباب ان کا لوٹ لے جاتا۔ اگر میں کچھ دنوں وہاں رہتا اور دو تین آدمیوں کو شریک حال اپنا پاتا۔ اُس رہزن شیر لباس کا پتا لگاتا اور ضرور اس کو گرفتار کرتا۔ بسبب تنہائی اور رواروی راہ کے لاچار پڑا۔ ظاہرا وہ شخص وہاں کے حاکم سے سازش رکھتا۔ ورنہ کیا امکان کہ پتا اُس کا نہ لگتا۔

ناگپور کے قرب و جوار سب زمین ریگستان اور کوہستان ہے اور جا بجا شور، زراعت کا اُس میں نہیں نام و نشان ہے۔ انھیں وجہوں سے اُس شہر میں شدّتِ حرارت ہے۔ آدمیوں

145
www.taemeernews.com

میں مثل وحشیوں کے ہرگز نہ آدمیت ولیاقت ہے۔ مکانات اُن کے مانند ڈھابلی کبوتر اور مرغوں کے تنگ وتاریک تھے۔ طرفہ یہ کہ راجہ کے مکانات ویسے ہی بنے۔ میں نے جب راجہ کا مکان دیکھا، قید خانہ نیو کیڈلنڈن کا یاد آیا کہ وہ بھی اُس سے سوگنا بہتر تھا۔ اُس کے مکان کے سامنے ایک میدان پڑا۔ شام کو راجہ اپنے مکان کے باہر آ بیٹھتا۔ میدان میں سوار متلاشی روزگار جمع ہوتے۔ اپنے اپنے کمال اور کرتب دکھلاتے۔ راجہ جس کسی کو پسند کرتا نوکر رکھ لیتا۔ سوارو پیادہ راجہ کے نوکر وردی انگریزی پہنے تھے۔ عجب بدقطع جانور کی شکل معلوم ہوتے۔ رستے بازار کے نہایت تنگ تھے۔ شام کو مرہٹے عزت دار گھوڑوں پر سوار سیر کرنے آتے۔ اُن کی ایسی قطع حماقت کی تھی کہ حماقت چہروں سے برستی۔ ایک پرانا قلعہ تھا۔ اُس میں لشکر انگریزوں کا رہتا۔ اگرچہ وہ قلعہ قابل تعریف کے نہیں۔ مگر انگریزوں نے اُس میں توپیں جمائیں۔ شہر سے تین کوس نکل کر دریائے کابٹی (۱) ہے۔ اُس کے نزدیک فوج انگریزی کی چھاؤنی ہے۔ سوار پیادے اور توپ خانہ اور بہت گورے اُس میں رہتے ہیں۔ بسبب قرب کابٹی کے اس کو چھاؤنی کابٹی کہتے ہیں۔ عمر راجہ ناگپور کی تخمیناً تیس برس کی ہے۔ طبیعت اس کی مائل عیش وعشرت ہوئی ہے۔ ایک مکان رنڈیوں سے بھرا ہے۔ اب تلک تلاش اوروں کی رکھتا ہے۔ چنانچہ حال میں ایک رنڈی نہایت حسین بنارس سے آئی تھی۔ راجہ کے منظورِ نظر ہوئی۔ ایسا اُس پر فریفتہ اور مبتلا ہوا کہ ایک لحظہ مفارقت اُس کی گوارا نہیں کرتا۔ جو کچھ اُس رنڈی کو منظور ہوتا ہے۔ بدل وجان اُس کو بجالاتا ہے۔ بموجب حکم اُس کے کبھی باغ میں جاتا ہے۔ کبھی قریب تالاب کے مکان بنواتا ہے غرض کہ بہرصورت اُس کی اطاعت میں ایسا مصروف رہتا ہے کہ عقل میں نہیں آتا ہے۔ شہر میں کوئی ہتھیار باندھے نہیں نکل سکتا ہے۔ یہ حکم راجہ کا ہے۔ شہر سے باہر ایک تالاب اور تھا۔ دونوں تالابوں پر چوکی پہرہ بیٹھا۔ آدمی یا جانور کو حکم نہانے بلکہ پانوں دھونے کا ان میں نہ تھا۔ جس کا جی چاہتا، پانی پینے کا

146
www.taemeernews.com

البتہ وہاں سے لے جا سکتا۔

ایک دن بندہ چھاؤنی کا بٹی کا تماشا دیکھنے گیا۔ قبریں انگریزوں کی دیکھ کر سخت ملول ہوا کہ یہ لوگ کس قدر راہ دور و دراز سے بامیدِ بہبود یہاں آئے ہوں گے۔ کامیاب ہو کر ارادہ پھرنے ملک اپنے کا رکھتے ہوں گے۔ مگر صیادِ اجل نے مہلت نہ دی، وطن جانے کی نوبت نہ آئی۔ اسی حال میں دوست لندن کے یاد آئے۔ آنسو بے اختیار بہے۔ بعد ایک ساعت کے خیال آیا کہ اس رنج و غم سے فائدہ کیا۔ بہتر یہ ہے کہ دوا دلِ غمگین کی کروں اور طبیعت کو بہلاؤں۔ قریب چھاؤنی کے جا کر ایک بوتل شراب وین خرید کی اور بھر کر سامنے رکھ لیا اپنا چپک مصری۔ دوستوں کو یاد کر کے کئی پیالے شراب وین کے پیے۔ بعد اس کے چپک پینے میں مشغول ہو کر غم دل سے دور کیے۔ بقول حافظ شیراز۔ بیت:

اے نور چشم من سخنے ہست گوش کن
تا ساغرت پرست بنوشاں ونوش کن

دو چار گھڑی اسی چین اور خوشی میں اوقات گذاری کی۔ پھر اسی کیفیت و سرور میں گھوڑے پر سوار ہو کر باگ اس کی ڈھیلی کی۔ سوجھائی نہیں دیتا کہ گھوڑا کدھر جاتا۔ اُس نے چلتے چلتے ایک پھسلنے پتھر پر پاؤں رکھا اور پھسل پڑا۔ میں بھی اُس پر سے گر کر زخمی ہوا۔ تھوڑی دن وہیں زخم میں پلا کر خوب مضبوط باندھا۔ پھر گھوڑے پر سوار ہو کر سٹک کو چلا۔ وہاں سے نو کوس تھا۔ اثنائے راہ میں بہ سبب نہ برسنے مینہ کے حال آدمیوں اور جانوروں کا پریشان پایا۔ کنوے سوکھ گئے تھے۔ اس سبب سے راہ میں پانی کہیں نہ ملتا۔ اکثر جانور پرند نظر آئے کہ شدّت پیاس سے درخت پر سے گر کر مر گئے۔ میں نے جیوں تیوں سٹک میں پہونچ کر مقام کیا۔

دوسرے دن گیارہ کوس چل ڈونگر تال میں آیا۔ راہ میں سارا جنگل اور پہاڑ تھا۔ وہاں

147
www.taemeernews.com

ایک جانور بصورت شیر گھانس میں چھپا نظر آیا۔ گھوڑے سے اُتر کر گھوڑا نوکر کے حوالے کیا۔ آپ پیدل ہوکر پہاڑ پر ایک پتھر مشبک کی آڑ میں بیٹھا، بندوق کو گولی سے بھرا، پتھر کے سوراخ سے منھ بندوق کا نکالا، تاک کر اُس جانور کا شکار کیا۔ حسبِ اتفاق گولی کا زخم کاری لگا۔ جانور اچھل کر گرا۔ مگر میں خوف سے قریب اُس کے نہ گیا۔ ایک اور گولی ماری۔ یہاں تک کہ سرد ہوا۔ تب پاس اُس کے جا کر دیکھا، چیتا تھا۔ قد و قامت میں بہت بڑا۔ اُس کو ساتھ اپنے ڈونگر تال لوالایا اور ایک روپیہ مزدوری دے کے چمڑا اُس کا نکلوالیا۔

دوسرے دن ڈونگر تال سے دس کوس آگے چلا۔ موضع کڑھے میں آ کر ٹھہرا۔ اُس دن مینہ خوب برسا تھا۔ راہ بھر عجب حال دیکھا۔ لاش ہندوؤں کی جا بجا پڑی۔ کوئی تڑپ رہا، کسی کی جان نکلی۔ گوشت بدن اُن کے کا گیدڑ اور جانور کھا گئے۔ کوئی شفیق نہ تھا کہ اُن کے حال پر رحم کرے۔ ایک شخص اُن میں سے ہوش و حواس بجا رکھتا۔ میں نے اُس سے استفسارِ حال کیا۔ اُس نے کہا۔ ہم لوگ ہندو ہیں۔ رامیشر (۱) سے تیرت کر کے آتے ہیں۔ اپنے قافلہ کے ساتھ کاشی جی (۲) جاتے تھے۔ یہاں آ کر بیمار ہوئے۔ ساتھی ہمارے ہم کو اس حال میں چھوڑ کر چلے گئے۔ اب ہم اس عذاب و مصیبت میں گرفتار ہیں۔ زندگی سے بیزار ہیں۔ بہتیرے پڑے پڑے بسبب بھوک و پیاس کے مر گئے۔ بہتوں کو جانور درندے ہلاک کر گئے۔ گوشت بدن کا کچھ کھایا، کچھ چھوڑ گئے۔ ہڈیوں کو بھی توڑ گئے۔ بعضے مانند میرے حالتِ نزع میں تڑپ رہے ہیں۔ موت آنے کی راہ دیکھتے ہیں۔ مجھ کو دل میں رنج آیا کہ افسوس اس حالت میں کوئی نہیں اُن کا پوچھنے والا۔ باوجود یہ کہ ہندوؤں کے غول تیرت کیے ہوئے اُس راہ سے نکلتے تھے اور وہ گرفتارانِ مصیبت حال اپنا کہہ کر رام لچھمن کا واسطہ دلاتے تھے۔ مگر کوئی متوجہ حال نہ ہوا اور کسو نے اُن کے حال پر رحم نہ کیا۔ بندہ اُن ہندوؤں کی سخت دلی سے متحیر ہوا کہ باوجود بھگتی اور تیرت رامیشر کے اپنی ہم قوموں کا حال نہ پوچھا۔

148 www.taemeernews.com

رامیشر اور کاشی جانے سے کیا فائدہ، جو دل میں اُس سے سختی آئی زیادہ۔ چاہیے تھا کہ اگر دل سخت پتھر سا ہوتا۔ تیرت سے موم سا ملائم ہو جاتا۔ یہاں برعکس ہویدا ہوا کہ تیرت سے اور زیادہ کڑا ہوا۔ صاحبانِ انصاف ملاحظہ کریں کہ ایسے امورِ بے رحمی اور شقاوف کس مذہب میں جائز ہیں۔ ان سے زیادہ سخت دل اور نالائق کون ہوگا کہ اپنے ہم مذہب اور ساتھیوں پر اتنا ظلم روا رکھا۔ میں نے بہت ملکوں میں پھر کر بے رحمی میں بدویوں عرب کو مستثنیٰ کیا تھا۔ مگر حال ہندوؤں کا دیکھ کر ہندوستانیوں پر ختم بے مروتی کا کیا۔ اس سے زیادہ یہ ماجرا کہ جس کو کچھ مقدور ہوا، کمینہ ہو یا اشراف۔ شریف ہوا یا اجلاف۔ ہندی نژاد اُس کی خوشامد کر کے دماغ اُس کا آسمان پر پہونچاتے ہیں۔ شرافت اور کمینگی کا ہرگز پاس نہیں کرتے ہیں۔ سامنے خداوند پیر مرشد کہتے ہیں۔ غایبانہ ہزاروں گالیاں دیتے ہیں۔ زبان سے وہ قال ومقال ہے، دل میں یہ خیال ہے۔ انھیں حرکات سے خداتعالیٰ نے ان پر غضب نازل کیا۔ سلطنت ہندوستان کی بیچ قبضہ وتصرف انگریزوں کے لایا۔ یہ ملک وسیع ایسا نہ تھا کہ بآسانی جماعت قلیل سے انگریزوں کے ہاتھ لگتا۔ مگر اُن کی طرف بہ سبب نیک طینتی کے تائید الٰہی ہے اور ان پر حرکاتِ ظلم اُن کے سے تباہی آئی۔ کوئی کسی سے موافقت نہیں رکھتا ہے۔ بھائی بھائی سے کنائی کاٹتا ہے۔ ظاہر میں اپنے تئیں بھگت اور پرہیزگار بناتے ہیں۔ باطن میں ہر رشتہ نفس سے دام فریب بنتے ہیں۔ یہ پرہیزگاری ظاہر نمائی کی آخرت میں کیا فائدہ دے گی۔ بموجب مثل ہندی ''دیا دھرم نہیں تو رے من میں۔ کیا دیکھے تو مکھ درپن میں''۔ زیادہ اس سے لکھنا فضول ہے۔ کلام طویل کرنا، عاقلوں کے سامنے نامقبول ہے۔

خلاصہ یہ کہ دس کوس راہ طے کر کے موضع کرہی سے سہنی (۱) میں آیا۔ یہاں سے عمل راجوں کا تھا۔ خلقت یہاں کی نرالی اور انداز نیا ہے۔ بے زجر اور تنبیہ کے کام نہیں نکلتا ہے۔ راہ میں میں نے کنوؤں پر جا کر لوگوں سے بہ خوشامد پانی مانگا۔ کسو نے ازراہِ بدذاتی

149
www.taemeernews.com

گھونٹ بھر پانی نہ پلایا۔ بلکہ ٹرہ پن سے جواب سخت دیا۔ بنیوں کی دوکانوں پر جا کر نرمی اور لجاجت سے رات بھر اُتر رہنے کی اجازت چاہی۔ اُنھوں نے بھی میرا کہنا خیال میں نہ لاکر انکار کی۔ جب میں نے دیکھا کہ آشتی سے کام نہیں چلتا، انگریزی کپڑے پہن کر اپنے تئیں صوبہ دار فوج انگریزی کا ظاہر کیا۔ جہاں کہیں جاتا۔ اہلِ حرفہ کو گالیاں دیتا بلکہ جوتیاں مارتا۔ کوئی سرتابی نہ کرسکتا۔ سب موم کی طرح پگھل کر فرمانبرداری کرتے۔ دل و جان سے اطاعت میں مشغول رہتے۔ اسی طرح تلنگے انگریزی جس گانوں میں جاتے ہیں۔ بیگاری پکڑ کر اس پر اسباب اپنا لاد کر منزل تک لے جاتے ہیں۔ ایک کوڑی بھی مزدوری نہیں دیتے ہیں۔ جب دوکان پر بنیوں کی پہونچتے ہیں، گالیاں بے سبب دے کر قرار واقعی تنبیہ اُن کی کرتے ہیں۔ آٹا بہ نسبت اور خریداروں کے ارزاں مول لیتے ہیں۔ چلتے وقت انعام میں گالیاں دے جاتے ہیں۔ میرے نزدیک بہت اچھا کرتے ہیں۔ وہ نالائق، بدذات بغیر اس کے نہیں مانتے ہیں۔ سابق بندہ بدزبانی اور بے رحمی انگریزوں سے ہندوستان میں شاکی تھا۔ رودادِ سفر اور سابقے اُن لوگوں سے ثابت ہوا کہ بغیر بدزبانی اور بے رحمی کے کام نہیں نکلتا ہے۔ اگر کوئی صد ہار وپیہ خرچ کرے ویسا ہرگز اجرائے کار نہیں ہوتا ہے۔ غریب مسافر جو ٹٹوؤں پر سوار آتے تھے، محافظانِ راہ زیادہ قیمت ٹٹو سے محصول لیتے۔ پھر بھی نجات نہ دیتے۔ ایک شخص نے میرے سامنے تین روپیہ کا ایک چھوٹا ٹٹو مول لیا تھا۔ چوکیداروں نے چار روپیہ اس کا محصول لیا۔ آخر اُس بچارے نے حیران ہوکر ٹٹو کو ایک طرف چھوڑ دیا کہ اس آفتِ جان سے میں درگذرا۔ جابجا مجھ سے بھی چوکیداروں سے تکرار ہوئی۔ مگر میں وضع ہندوستان سے بخوبی آگاہ تھا۔ اس سے اُن ظالموں سے نجات پائی۔ اگر کوئی اپنی بی بی ان راہوں میں ساتھ لے جاوے، سخت خرابی میں گرفتار ہووے۔ اگر گھوڑے ٹٹو پر سوار چلے، دونا قیمت سے محصول دے۔ اگر کوئی عورت اکیلی اس راہ سے سفر کرے، ممکن نہیں کہ

150
www.taemeernews.com

گذر سکے۔ غرض کہ ہر منزل میں محافظ مثل منکر نکیر تھے۔ مسافر اُن کی ایذا رسانی سے دلگیر تھے۔ راجہ ہائے ہندوستان شامت اعمال اپنے سے محکوم انگریزوں کے ہوئے۔ ورنہ کیا مجال کہ ایسا ملک فسیح الفضا انگریز فوجِ قلیل سے لے سکتے۔ یقین کہ انھیں حرکتوں سے ہمیشہ فرماں رواادروں کے رہیں۔ ظلم و جبر غیروں کے اپنے اوپر سہیں۔

قصہ مختصر بندہ سہنی سے نوکوس چلا نراین گنج میں پہونچا۔ وہاں سے نوکوس کی منزل طے کر کے گنیش گنج آیا، پھر نوکوس کے بعد دہوبان میں اُترا، وہاں سے دس کوس چل کر چری بدی میں پہونچا۔ پھر دس کوس منزل کر کے جھبل پور(۱) مقام کیا۔ وہ نواح دل کو بھایا۔ اُس پار جھبل پور کے دریائے نربدا(۲) تھا۔ میں شکار میں مشغول ہوا۔ یہ دریا مقام پوجا پے اور نہانے ہندوؤں کا ہے۔ فی الواقعی پانی اُس کا مزیدار اور میٹھا ہے۔ ہندو راہوں دور سے آکر اُس دریا میں نہاتے ہیں۔ اپنے نزدیک اُس پانی سے سارے گناہوں کو دھو جاتے ہیں۔ ایک دن میں نے نربدا پر مقام کیا۔ شکار کر کے کئی جانور پکڑ لایا۔ ایک جگہ گنجان درختوں کا سایہ اور خوب سبزہ تھا، اُتر کر شکاری جانوروں کا کباب بنا کر کھایا اور شب باش ہوا۔ بندہ جب نربدا پہونچا، گرمی کا غلبہ تھا۔ اس سبب سے پانی دریا کا گھٹ گیا۔ یہاں تک کہ پہاڑ دریائی جو نربدا میں تھا نظر آتا۔ کشتی کا رستہ مسدود تھا۔ دوسرے دن خاص جھبل پور میں آکر ایک بنیئے کی دوکان پر اُترا۔ راہ کی ماندگی سے ستایا۔ اُس دن ابر تھا، دل میں یہ خیال آیا کہ راہ کے چلنے سے ماندہ ہوا ہوں، بہتر یہ ہے کہ ایک آدھ روز یہاں چین کروں، بنیئے کی دوکان کو صاف کروایا۔ عرقِ انگور پینے میں مصروف ہوا۔ گویّوں خوش آواز کو بلا کر راگ سننے لگا۔ اُنبہ، خربوزے مول لے کر آپ کھائے۔ باقی گویّوں اور نوکر کو تقسیم کر دیے۔ اسی عیش و نشاط میں دو تین پیادے کوتوالی کے آکر پوچھنے لگے۔ تم کون ہو، کیا پیشہ رکھتے ہو۔ کہاں سے آئے، کہاں جاتے ہو۔ میں نے کہا مسافر ہوں۔ بمبئی سے آتا ہوں بنارس جاتا ہوں۔ تم کو

151
www.taemeernews.com

میرے پیشہ اور مقام سکونت سے کیا کام، اس سے کیا غرض و انجام۔ وہ موذی تقریر بیجا سے باز نہ آئے۔ بلکہ تھوڑی دیر بعد کہنے لگے۔ ہمارے ساتھ چلو تم کو کوتوال نے بلایا ہے۔ میں نے ان کا کلام پوچ و لچر سمجھ کر یہ کہا۔ اگر کوتوال کو تحقیقات منظور ہوئے۔ میرے پاس آ کر حال پوچھ جائے۔ میں اُس کے پاس ہرگز نہ جاؤں گا۔ اپنے عیش میں خلل نہ لاؤں گا۔ میں نے کسی کی چوری نہیں کی اور تھیلی نہیں کاٹی کہ کوتوال نے مجھ پر طلبی بھیجی۔ شام تک اُسی کیفیت میں رہا، رات کو کھانا کھا کر سویا۔ صبح ہی گھوڑے پر سوار ہو کر آگے چلا۔ انھیں پیادوں نے آ کر روکا کہ کوتوال کا حکم نہیں تمہارے جانے کا۔ میں نے کچھ نہ سنا۔ اپنا رستہ لیا۔ دو کوس تک پیادے ساتھ آئے۔ بعد اس کے پھر گئے۔ ظاہرا معلوم ہوا کہ کوتوال جھبل پور کا مسافروں کو تہمتِ دزدی سے گرفتار کرتا تھا اور اُن سے دھمکا کر رشوت لیتا تھا۔ مگر مجھ سے اُس کو کچھ وصول نہ ہوا۔ جھبل پور اگرچہ بہت وسعت نہیں رکھتا ہے مگر آباد اچھا ہے۔ کسی انگریز نے اُس کا چوک بنوایا ہے۔ بہت نادر نقشہ اُس کا ہے۔ چوطرفہ دیوار ہے اندر اس کے دوکانیں اور بازار ہے۔ ہر قسم کی چیز اُس میں رکھی ہے۔ شام کو آدمیوں کی بھیڑ ہوتی ہے۔ جھبل پور سے آگے راستہ ہموار ہے، دوطرفہ درخت آنبہ کے سایہ دار۔ مسافر سایہ میں راہ چلے۔ جہاں چاہے آنب کھائے اور ٹھہرے۔ اُس سال درختوں میں آنبہ لدے تھے۔ مسافر راہ چلتے آنبہ کھاتے جاتے۔ یہاں پہاڑ سیاہ بہت نظر آئے۔

میں جھبل پور سے چلا۔ نو کوس کے بعد سہوڑا میں پہونچا۔ پھر نو کوس چل کر دنیڑی آیا۔ وہاں سے آٹھ کوس چلا، سہاگنج میں گیا۔ وہاں سے دس کوس آگے بڑھا۔ مہیر(۱) میں پہونچا۔ مہیر موضع آباداں ہے، ایک راجہ ہندو حاکم ہے وہاں۔ اُس نے ایک چھوٹا سا قلعہ پختہ مضبوط بنوایا ہے ہزاروں طوطوں نے اُس کی دیوار کے رندوں میں آشیانہ بنایا ہے۔ گرد قلعہ کے خندق گہری پانی سے بھری ہے۔ آدمی اُس موضع کے نادان، بدقطع اور احمق ہیں گویا

152
www.taemeernews.com

حیوان مطلق ہیں۔ایک شب بندہ وہاں رہا۔صبح ہی پانچ کوس بڑھ کر امریٹن میں آیا۔ یہاں بھی عمل ایک راجہ کا۔انتظام ملک خاک نہ تھا۔عملداری راجاؤں کی۔انھیں راہوں میں مسافر اکثر مارے جاتے ہیں۔راہزن اسباب راہیوں کا لوٹ لے جاتے ہیں۔کوئی شنوائی نہیں کرتا ہے کہ یہ کیا ظلم وفساد ہوتا ہے۔امریٹن پہونچ کر ایک درخت کے نیچے سو رہا۔ آدھی رات کو بیدار ہوا۔ایسی چاندنی کھلی تھی کہ رات دن معلوم ہوا۔آدمی کو آواز دے کر جگایا۔میں نے اُس نے دونوں نے جانا کہ تڑکا ہوا۔وہاں سے اُسی وقت چل کھڑا ہوا۔ جب دوکوس نکل آیا دو آدمی جنگلی لوٹیرے ملے۔ایک ایک لاٹھی لوہا لگی ہوئی، کندھوں پر رکھے۔آواز دی کہ اے مسافر گھوڑا اور اسباب اپنا ہم کو دے۔سیدھی طرح گھر کی راہ لے نہیں تو ہم تجھ کو مار ڈالیں گے۔گھوڑا اور سب اسباب لے لیویں گے۔میرے پاس چقماق بھری ہوئی اور سب ہتھیار تھے دل میں ہراس نہ لایا اُن کی اس گفتار سے بلکہ یوں جواب دیا۔تم اپنی راہ جاؤ، میرے نزدیک مت آؤ۔ورنہ ایک کو گولی سے ماروں گا۔دوسرے کا تلوار سے کام تمام کردوں گا۔انھوں نے یہ سن کر دوکوس تک پیچھا کیا۔میں بھی اُن کے مقابلہ سے غافل نہ ہوا۔جب انھوں نے دیکھا کہ یہ شخص ہوشیار ہے۔اسباب اس کا لینا دشوار ہے، آپس میں کچھ صلاح کی اور اپنی راہ لی۔میں درگاہ الٰہی میں شکر بجالا کر آگے بڑھا، لیکن ابھی تک صبحِ صادق کا پتا نہ تھا۔تب یہ بات ثابت ہوئی کہ چلتے وقت رات بہت باقی تھی۔تھوڑی دور آگے چلا۔دیکھا کہ ایک مہاجن راہ میں بیٹھا مع متعلقوں کے رو رہا ہے۔ میں نے پوچھا حال کیا ہے۔اُس نے کہا میں ناگپور جاتا تھا۔جب یہاں آکر پہونچا دو ڈکیتے آئے۔اسباب میرا لوٹ لے گئے اور لاٹھی لوہے کی لگی ہوئی سے مجھ کو زخمی کیا۔اب مجھے کچھ نہیں بن پڑتا، اگرچہ خرچ پاس ہوتا تو گھر پھر جاتا یا منزلِ مقصود تک پہونچتا۔سخت حیران ہوں۔الٰہی کیا کروں میں اس کا حال دیکھ کر بہت کُڑھا مگر کچھ نہ بن آیا۔لاچار اپنا رستہ لیا۔

153
www.taemeernews.com

دس کوس چل کر نریمان میں آیا۔ سنا کہ ایک سوار سپاہی پیشہ پچاس سواروں کے ساتھ بڑے ٹھاٹ سے گوالیر (۱) سے نوکری چھوڑ کر یہاں آیا ہے۔ ارادہ نوکری راجہ کا رکھتا ہے۔ میں نہایت مشتاق دیکھنے اس کے کا ہوا۔ جا کر اُس کو اور اُس کے ہمراہیوں کو دیکھا۔ فی الواقعی جوان وجیہ اور دیدار و تھا۔ چنانچہ وہاں کے راجہ نے اُس کو پان سو روپے در ماہے کا نوکر رکھا اور ہمراہیوں اس کے کا بھی در ماہہ حسب لیاقت مقرر کیا۔ بعد اس کے قلعہ اور شہر کی سیر دیکھنے گیا۔ رستہ بازار کا تنگ تھا۔ مکان راجہ کا بہ نسبت اور مکانوں کے اچھا بنا۔ اگر چہ قابل تعریف نہ تھا۔ گرد قلعہ اور شہر کے خندق کی طرح چاروں طرف دریا ہے۔ پانی اُس میں پتھر اور پہاڑ سے آتا ہے۔ عجب کیفیت دیتا ہے۔ جب یہ سیر و تماشا دیکھ چکا۔ سات کوس رہ نوردی کر کے منکونا میں آیا بسبب گرمی اور نہ برسنے مینہ کے کنویں سوکھے تھے۔ حالات تشنگی شہدائے کربلا کے یاد آئے۔ چھ کوس کے بعد مئو (۲) میں پہونچا۔ اس ویرانے گانوں میں بھی پانی کا یہی حال تھا۔ وہاں سے سات کوس چلا، بن منا (۳) میں آیا۔ بعد اس کے درمن گنج (۴) میں پہونچا۔ چار کوس کا مفاصلہ تھا۔ ذرمنس صاحب نام کسو انگریز کا ہے، اُس نے یہ گنج ڈالا ہے، اس سبب سے نام اُس کا درمن گنج مشہور ہوا۔ یہاں سے عمل انگریزی تھا۔ پہاڑ پر سے رستہ چلتا ہے۔ ڈیڑھ کوس تک نشیب و فراز رکھتا ہے۔ جو کوئی اسباب اُس راہ سے لے جاتا ہے۔ وہاں کے پرمٹ میں محصول دینا پڑتا ہے۔ سابقاً ہندوستانی لوگ مقرر تھے۔ محصول ہر شے کا لے کر جمع کرتے۔ آخر انھوں نے تغلّب تصرف کیا۔ انگریزوں نے یہ عہدہ اُن سے نکال کر ایک سارجن کو بجائے اُن کے مقرر کیا۔ وہ لیاقت نوشت و خواند کی نہ رکھتا۔ فقط بسبب امانت داری کے معتمد علیہ سرکار کا ہوا۔ ہندوستانی عجب عقل ناقص رکھتے ہیں۔ اپنے ہاتھ سے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارتے ہیں۔ اگر چوری نہ کرتے کیوں اس عہدہ سے موقوف ہوتے۔ وہ پہاڑ رفیع الشان تھا۔ نشیب و فراز بیحد و پایاں رکھتا۔ آدمی بمشکل اس

154
www.taemeernews.com

راہ سے جاتا۔ بگھی یا گاڈی کا ہرگز گذر نہ ہوسکتا۔ صاحبان انگریز نے جابجا سے پہاڑ کاٹ کر رستہ برابر اور ہموار کیا۔ بلکہ اب بھی درست کرتے جاتے ہیں۔ اس سبب سے اب بگھی چھکڑے بھی اُس راہ سے جاسکتے ہیں۔ میں جب وہاں پہونچا۔ لوگوں نے آگے بڑھنے سے منع کیا کہ یہاں ایک شیر لاگو رہتا ہے۔ ہر روز ایک آدمی مارتا ہے۔ تم یہاں ٹھہرو آگے مت بڑھو۔ جب سو پچاس آدمیوں کا جماؤ ہو آگے جانے کا قصد کرو۔ پہلے میں نے اُن کا کہنا خیال نہ کیا کہ میرے پاس بندوق بھری ہے۔ اگر شیر سامنے آوے گا ماروں گا۔ سوا اس کے میں خوفناک مقاموں پر گیا۔ افضالِ الٰہی سے ہمیشہ محفوظ رہا۔ یہاں بھی صدمہ سے بچوں گا۔ مگر پھر قول سعدی شیرازی رحمۃ اللہ کا یاد آیا۔

گر چہ کس بے اجل نخواہد مرد
تو مرو در دہاں اژدرہا

اس وجہ سے ٹھہر گیا۔ جب بہت لوگ جمع ہوئے، سب مل کر غُل کرتے ہوئے اُس پہاڑ نا ہموار سے نیچے آئے۔ میں بھی اُن کے ساتھ آیا۔ چڑھاؤ اُتار سے تھک گیا۔ ایک درخت سایہ دار کے نیچے اُتر رہا۔ آدھی رات کو بارانِ رحمت برسا۔ میں نے کمل اوڑھ لیا اور وہیں رات بھر بسر کی۔ صبح ہی اُٹھ کر قصد چلنے کا کیا۔ اپنے زانو کے نیچے دو بچھوؤں سیاہ کو بیٹھے پایا۔ فضل الٰہی شامل حال تھا کہ انھوں نے ڈنک نہیں مارا۔ میں نے چمٹے سے اُٹھا کر گھاس میں ڈالا پر جان سے ان کو نہ مارا۔ اگر چہ یہ امر خلاف عقل تھا۔ مگر اُس وقت بمقتضائے وحدانیت یہی بہتر معلوم ہوا۔ وہاں سے چستی چالاکی سے سات کوس طے کر کے لال گنج (۱) کی سرا میں پہونچا۔ کئی منزل سے ایک صوبہ دار کسی راجہ کا نوکر مع رفیقوں اپنے کے ہمراہ ہمارے تھا۔ اسی طرح ایک کہار بھی دور سے ہمراہ ہمارے آتا۔ میرزاپور کا رہنے والا تھا۔ بہت دنوں کے بعد روپے اشرفی جمع کر کے اور کپڑے نفیس اپنی جورو کے لیے بنوا کر نوکری

155
www.taemeernews.com

پر سے گھر اپنے آتا تھا۔ کم بختی نصیبہ سے یہ سمجھ کر کہ گھر قریب آپہونچا۔ لال گنج کی منزل میں ہم سے جدا ہوکر شراب نوشی میں مشغول ہوا۔ ہم لوگ سرائے لال گنج دو ہیں پہونچے تھے کہ کہار بھی آیا، زخمی روتے پیٹتے۔ میں نے حال پوچھا۔ کہا کیا کہوں، غضب ہوا۔ میرے سارے روپے اور اشرفیاں دو تین چوروں نے زبردستی چھین لیں اور مجھ کو کر کے ننگا نکال دیا۔ میں نے کہا تو نے ازراہِ بے عقلی و احمقی ہمارا ساتھ چھوڑا۔ جو اس مصیبت و تکلیف میں گرفتار ہوا۔ میں بسبب ماندگی راہ کے لاچار ہوا۔ نہیں تو ضرور ان رہزنوں کا پتا لگاتا۔

دل میں خیال آیا کہ عمل انگریزی میں بھی باوجود اس قدر انتظام کے ظلم صریح ہوتا ہے پس اور حاکموں ہندوستان کو بسبب بے انتظامی کے الزام دینا بیجا ہے اگر انگریز مثل اورنگ زیب عالمگیر کے رہزنوں کو جان سے ماریں تو البتہ اُس پیشہ والے رہزنی سے باز آئیں۔ فقط تہدید زبانی سے کام نہیں نکلتا ہے، انتظام قرار واقعی نہیں ہوتا ہے۔

الغرض صبح ہی وہاں سے سات کوس چلا۔ میرزاپور(۱) آکر ایک سرا میں اُترا۔ عجب سرا کہ مکان اُس کے معدن حرارت، بھٹیاریاں ڈائنوں کی صورت میلے کپڑے پہنے۔ سیکڑوں چیلڑ اُس میں بھرے۔ صفائی ستھرائی کی یہ حالت تھی کہ ریننٹ ہونٹوں تک لٹکتی۔ کوئی اپنے سر کے بال کھجلاتی، کوئی اپنے چوتڑوں پر ہاتھ دوڑاتی۔ مسافر اپنی شامت اعمال سے اگر وہاں آنکلا۔ عذابِ دوزخ میں گرفتار ہوا۔ یعنی ہر ایک اپنی طرف بلاتی ہے۔ ایک مکان تاریک وتنگ میں اُتارتی ہے۔ وہاں مچھر ہجوم لاتے ہیں۔ ہڈی چمڑا زخمی کر ڈالتے ہیں۔ میں بھی اس سرا میں اُترا۔ ایک تو گرمی مکان اور تکلیف مچھروں سے حیران تھا، دوسرے لید اور گوبر کی بو دماغ کو پریشان کرتی۔ طرفہ اُس پر یہ کہ ہر ایک بھٹیاری آدھی رات تک آپس میں لڑی۔ ان وجہوں سے نیند آنکھ میں حرام ہوئی۔ یہاں کی تکلیف سے لندن کی سرا یاد آئی کہ وہاں کیا کیا آسائش تھی۔ مسافر جب وہاں پہونچتا ہے، ایک شخص سپید پوش دروازے تک

156
www.taemeernews.com

آتا ہے۔ بڑی عزّت اور تکلف سے دو منزلے مکان بلند میں لے جاتا ہے۔ شیشہ آلات درودیوار میں لگے۔ کوچ مخملی بچھونوں کی ہر چہار طرف بچھے۔ ہوا کھڑکیوں کی راہ سے جو آتی ہے، مانندِ نسیمِ بہشت روح میں قوت دیتی ہے۔ مکھی یا مچھر کا ہرگز اُس میں نام ونشان نہیں۔ نیچے کے مکان میں میزوں پر ہر طرح کے کھانے چنے ہوئے بصد تزئین۔ مسافر کو جس کھانے کی تمنا ہے، میز پر مہیا ہے۔ جب کھانے کی نوبت آئے، ایک پریزاد سامنے بیٹھ کر بین بجاے۔ بعد فراغت کے شراب وین خوشبودار اور میوے ہر قسم کے مزیدار لاکر کھلاتی ہے۔ صبح کے وقت ایک رنڈی نہایت حسین سرہانے آکر ملائم آواز سے آہستہ آہستہ جگاتی ہے اور آواز ''امروز روز خوش'' کی مسافر کے کان میں سناتی ہے۔ سوا اُس کے اور پریاں پوشاک نفیس پہنے سامنے آتی ہیں۔ تراش خراش میں ایک نرالے انداز دکھاتی ہیں۔ علاوہ اس سے کوچ گاڑی فرش مخملی وغیرہ کی سواری کے لیے ہر جگہ ملتی ہے۔ ایک دن میں سو کوس کی منزل پر بے رنج وتکلیف پہونچا سکتی ہے۔ مسافر سفر میں ایسی آسائش پاتا ہے کہ گھر بھول جاتا ہے۔ ان سراؤں کو اگر بہشت کہوں تو بجا ہے اور اگر باغِ ارم سے تشبیہ دوں روا ہے۔ انگریز لوگ اگر ہندوستان کے مکانوں اور سراؤں کو ناپسند کریں، ہوسکتا ہے۔ اس لیے کہ لندن کے مکانوں یا سراؤں سے یہاں کا کوئی مکان اور سرا نسبت نہیں رکھتا ہے۔ ع:

چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

اُس نواح میں چار کوس کے بعد ہر چیز ملتی ہے۔ بلکہ جا بجا بستی ہے۔ یہاں اگر مسافر سارا دن چل کر بہ ہزار خرابی سرا میں پہونچے۔ عذابِ دوزخ اور سخت بلا میں مبتلا ہوئے۔ بھلا انگریزوں کو یہ سرا کیوں کر بھاوے۔ جب ہم ہی لوگوں کو پسند نہ آوے۔

قصہ مختصر بندہ ایک دن سیر وتماشے کے لیے وہاں رہا۔ بازار اور دریا کی سیر کو گیا۔ ایک جگہ ایک فقیر فربہ لحیم وجسیم ہندو مذہب بیٹھا تھا۔ سر سے پاؤں تک ننگا۔ عورتیں ہندوؤں اور

157
www.taemeernews.com

مہاجنوں کی اس کے عضوِ تناسل کو پوج رہی تھیں۔ اپنے نزدیک گویا عبادت کرتی تھیں۔ کوئی بہت ذوق شوق سے اُس کو ہاتھ میں لے کر چومتی۔ کوئی چاول اور پھول اُس پر چھڑکتی۔ وہ فقیر ننگا عجب صاحب نصیب تھا کہ اندر کے اکھاڑے میں بے پروائی سے بیٹھا، نظارۂ جمال پریزادوں کا کرتا۔ ایک نے ان پریوں میں سے گاڑھے دودھ میں قند کا چورہ ملایا۔ بہت خوشامد ولجاجت سے اُس بے حیا کو پلایا۔ مجھ کو یہ ماجرا دیکھ کر بے اختیار غصہ آیا۔ یہی جی چاہا کہ اس مردک بے شرم کو ایک لاٹھی ماروں اور رنڈیوں کو اُس کے پاس سے ہٹادوں۔ پھر جو غور کیا یہ امر مناسب نہ سمجھا، ناچار صبر کیا۔ اس واسطے کہ وہ رنڈیاں بہت حسن اعتقاد سے لنگ پوجتی تھیں۔ صورتِ تہدید میں اُس نابکار کو رنج ہوتا اور وہ بھی آزردہ ہوتیں۔ مزاحمت کرنا مناسب نہ دیکھا۔ بلکہ دل میں خیال آیا کہ میں بھی سپہ گری اور دوادوش ملکوں کی چھوڑوں، ننگا ہوکر اپنے تئیں مہاپرش بناؤں اور ان رنڈیوں حسینوں سے اپنا لنگ پجواؤں، زندگی کا مزہ اور لطف پاؤں۔ نوکری میں اذیت ہے پر اس فقیری میں عجب کیفیت ہے۔ پریاں اطاعت میں حاضر رہتی ہیں۔ دودھ اور موہن بھوگ لاکر کھلاتی ہیں۔ بھلا یہ مزہ نوکری میں کہاں۔ اس سے اُس سے تفاوتِ زمین وآسمان۔ ہندو عجب بے تمیز ہوتے ہیں کہ اپنی جوروؤں کو برہنہ مکار فقیروں پاس بھیج کر لنگ پجواتے ہیں۔ چاہیئے تھا اُن کو اس امر بیجا سے روکنا سو برعکس بخوشی اجازت دیتے ہیں۔ ننگے آدمی سے مرد آنکھ بچا جاتے ہیں۔ حیف ہے کہ اس کے پاس رنڈیاں جاکر لنگ پوجیں۔ یہ کیا حرکت لچر ہے اور کیسی رسم ابتر ہے۔(۱) خیر بندہ یہ حال دیکھ کر سرا میں آیا۔ لوگوں سے یہ قصہ نقل کیا۔ ایک بھٹیاری نے کہا۔ تم نے ابھی کیا دیکھا۔ یہ تو ذرا سی بات ہے۔ اگر فلانے گھاٹ پر چھپ کر جاؤ دیکھو ان کی کیا کیا حرکات ہے۔ میں نہایت مشتاق ہوا۔ رات کو اس گھاٹ پر جاکر مخفی بیٹھا۔ ڈیڑھ پہر رات گئے دو تین جوگی مسنڈے نوجوان مٹھائی ہاتھ میں لیے آئے اور دو تین حسین رنڈیاں

158
www.taemeernews.com

مہاجنوں کی بیویاں ساتھ لائے۔ ایک ڈونگی پر سوار ہوکر دریا کے پار گئے۔ ایک باغ میں نفیس بچھونا بچھا کر چین سے بیٹھے۔ بندہ بھی چالاکی کر کے ایک چھوٹی ناؤ پر سوار ہوکر پار اُترا۔ کرائے اُس کے کا ایک روپیہ دیا۔ اُن کی آنکھ سے چھپ کر ایک کنارے بیٹھ رہا۔ انھوں نے مجھ کو نہ دیکھا۔ پہلے سبھوں نے مٹھائی مل کر کھائی۔ بعد اس کے اُن میں اور رنڈیوں میں بات چیت کی نوبت آئی۔ یہاں تک ہنگامۂ عیش ونشاط گرم ہوا کہ جوگیوں نے اُن سے مساس کیا۔ آخر طرفین سے قوائے شہوانی جوش میں آئے۔ جوگیوں نے ساق بلوریں اُن پریوں کی ہاتھ میں لے کر کمر سے کمریں ملائیں۔ کیفیتیں صحبت کی اُٹھائیں۔ جامِ وصال اُن کے سے بادہ نوش ہوئے۔ ساری فقیری اور جوگ بھولے۔ جب فراغت کر چکے اس پار آئے۔ رنڈیاں اپنے اپنے گھر گئیں۔ جوگیوں نے ایک درخت کے نیچے آسن مارے اور مونگے کا مالا ہاتھ میں لے کر رام رام جپنے لگے۔ یہ ماجرا دیکھ اوّل دل میں آیا کہ ضرور ہی ان حرام زادیوں کے حال سے ان کے وارثوں کو خبر کرنا چاہیے۔ پھر یہ سمجھا کہ اگر یہ حال جا کر اُن سے کہوں۔ وہ بے عقل ہیں۔ شاید برخلاف مذہب باعث خصومت جان کر آمادۂ مقابلہ ہوں۔ ناحق بات بڑھے، حاکم تک پہونچے۔ بہرحال اس مقدمہ میں سکوت کرنا بہتر معلوم ہوا۔ سرا میں آیا۔ ہندو عجب عقلِ ناقص رکھتے ہیں کہ ننگ وناموس کا کچھ خیال نہیں کرتے ہیں۔ یعنی ازراہِ حماقت جوگیوں طویل القامت بدمستوں کو صاحب کمال جانتے ہیں، بے تکلف اپنی جوروؤں کو ان کے پاس بھیج کر خراب کرواتے ہیں۔

قصہ مختصر بندہ سرائے میرزاپور سے گھوڑے پر سوار ہوکر آگے چلا۔ سولہ کوس منزل طے کر کے بنارس پہونچا۔ یہ شہر میرا دیکھا ہوا تھا۔ پر اس بار بھی خوب پھرا اور سیر دیکھتا رہا۔ رستہ بازار کا مانند شہروں ہند کے تنگ تھا۔ الّا خوب آباد ہے اور اسباب سب قسم کا ملتا۔ قصائی جو بکری کا گوشت بیچتے تھے ایک سڑی دوکان مثل بیت الخلا پر بیٹھے تھے۔ میلے کچیلے کپڑے

159
www.taemeernews.com

پہنے۔ گوشت کو ایک کثیف چیتھڑے پر رکھے ہوئے۔ اوپر سے ایک اور میلا کپڑا اوڑھائے، خریداروں کو اُس کے دیکھنے سے نفرت آئی۔ بیچتے وقت ہزاروں مکھیاں گرتیں۔ بہتیری اُس میں حل ہوتیں۔ ہندوستان میں یہ شہر عمدہ مشہور ہے۔ جب اُس کا یہ دستور ہے اور قصبات و دیہات کا کیا مذکور ہے۔ برخلاف انگلستان کے کہ وہاں قصائی پوشاک سپید و نفیس پہنے، دوکان رشکِ گلستان پر نفاست سے بیٹھے ہیں۔ ٹکڑے گوشت فربہ کے مانند دستوں پھول کے برابر لٹکا کر بیچتے ہیں۔ ایک طرف پارچے اور بھیڑ مسلّم لٹکی۔ دوسری طرف چٹھی قیمت ہر ایک کی لکھی ہے۔ جو خریدار آتا ہے۔ بے تکلف چٹھی کے موافق قیمت دے کر ٹکڑا گوشت کا لے جائے۔ اسی طرح مچھلی اور مرغی بیچنے والوں کا حال ہے۔ وہاں کے سب دوکانداروں کی یہی چال ہے۔ دوکانوں کو سیسر سے بلند کیا۔ صفائی سے اُن پر جو بن تھا۔ افسوس کہ ہندوستانی اپنے اپنے فنون میں کاہل ہیں، صفائی ستھرائی ہر چیز کی سے غافل ہیں۔ بنارس میں کنارے گنگا کے ایک مکان عالیشان بنا ہے۔ سابق وہ بت خانہ تھا عالمگیر نے اپنے عہد میں اس کو کھدوا کر بطور مسجد بنوایا ہے۔(۱) اب وہ تماشا گاہِ خلائق ہوا۔ بندہ بھی ایک روز اس کو دیکھنے گیا۔ بدویوں کی پوشاک پہنے تھا۔ کئی راجہ ہندو اور مسلمان صاحبِ آبرو وہاں موجود تھے۔ میری وضع نرالی دیکھ کر حیران ہو کر پوچھنے لگے۔ تم کون ہو کہاں سے آتے ہو۔ میں نے کہا۔ فقیر ہوں پھرتے پھرتے ادھر بھی آنکلا۔ تمہیں اس تقریر سے غرض کیا۔ انھوں نے نہ مانا زیادہ اصرار کیا۔ میں نے جواب دیا کہ مردِ سیاح جادہ پیما ہوں۔ ملکِ فرنگستان سے آتا ہوں۔ وہ بہت متعجب ہوئے کہ اللہ بہت دور سے آئے۔ اب بتاؤ کہ انگلستان بنارس کی سی آبادی رکھتا ہے۔ یہاں کا سا مکان اور محل بلند سنگین وہاں بھی بنتا ہے۔ یہ سن کر میں ہنسا۔ اُنھوں نے تعجب کیا کہ سچ کہو ہنسنے کا باعث کیا ہے۔ تب تو میں نے کہا۔ وہ ملک روے زمین میں بہشت خانہ ہے۔ اُس کے سامنے یہ شہر اور عمارت اُس کی پاخانہ ہے۔ اس شہر ناہموار کو

160
www.taemeernews.com

اُس سے کیا نسبت۔اس میں اُس میں بڑا تفاوت۔ وہاں ایسی فضا اور وسعت ہے کہ گویا نمونۂ جنت ہے اگر وہاں ایسی تنگی اور عفونت ہوتی، انگریزوں کی زیست اصلا نہ ہوتی۔ یہاں کی سی بے حیائی اگر وہاں کے لوگ کرتے انگریز ان لوگوں کو جان سے مارتے۔ یہاں کے لوگ عجب بے حیا ہوتے ہیں کہ ایک لنگوٹی غرقی سے ستر ڈھاکتے ہیں، اُس سے مقام بول وبراز نظر آتے ہیں۔ پر وہ کسی زن ومرد سے شرم وحیا نہیں رکھتے ہیں۔ انگلستان میں مرد اور عورت تہرے چوہرے کپڑے پہنتے ہیں۔ یہ کیا ممکن کہ سارے بدن میں اکہرا کپڑا بھی پہنیں۔ اس سرزمین میں بہ نسبت ہر اقلیم کے میوے اور نعمتوں کی زیادتی ہے۔ روز بروز ثروت اور حشمت کی ترقی ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ اگر وہاں یہ سب امر میسر ہوتے ہیں انگریز کیوں اُس شہر کو چھوڑ کر تلاش معاش میں اور ملکوں میں پھرتے ہیں۔ تم ہندوستانی ہو کر لندن کی تعریف کرتے ہو۔ شاید وہاں انگریزوں کے ساتھ کھانا کھایا اور اُن کے مذہب میں آئے ہو۔ اس سبب سے اُن کا دم بھرتے ہو۔ میں نے کہا تم غلط کہتے ہو، کوئی کسی کے ساتھ کھانے سے اُس کے مذہب میں نہیں آجاتا ہے۔ مذہب دل سے تعلق رکھتا ہے۔ ساتھ کھانے اور زیادتی صحبت غیر مذہب والے سے مذہب میں کچھ خلل نہیں آتا۔ میں نے اگرچہ انگریزوں کے ساتھ کھایا۔ پر اس وجہ سے اُن کے مذہب میں نہیں آیا۔ جب تک دل سے ایمان نہ لاؤں اور ان کے مذہب میں نہ آؤں۔ میں مذہب سلیمانی رکھتا ہوں۔ موافق اور مخالف دونوں سے صلح کرتا ہوں۔ میں نے تم سے جو تعریف لندن کی کی۔ ساری حق اور صحیح تھی۔ اس میں مذہب سے کچھ واسطہ نہیں۔ انگریزوں سے مجھ کو علاقہ نہیں اور یہ جو تم نے کہا کہ اگر انگلستان میں یہ ناز ونعمت ہوتی، انگریز لندن سے کیوں باہر نکلتے۔ صورت اس کی یوں ہے کہ اُس اقلیم کی وسعت پان سو کوس کی ہے۔ ہمیشہ لوگوں کی اولاد بڑھتی ہے۔ اگر سب وہیں رہتے۔ مکان رہنے کے نہ ملتے۔ اس واسطے بعضے اُس شہر کو چھوڑ کر عربستان یا

161
www.taemeernews.com

ہندوستان وغیرہ میں جاتے ہیں۔ نقد واسباب جمع کر کے پھر اپنی ولایت آتے ہیں۔ اسی سے خیال کرو اگر اُس ملک میں یہ لطف وخوبی نہ ہوتی کیوں انگریز اور شہروں سے روپیہ جمع کر کے وہاں چلے جاتے اور جو کہ سامان خاطر خواہ نہیں پاتے ہیں۔ جہاں جاتے ہیں وہیں بسر کرتے ہیں۔ اس صورت میں انگریزوں کا اور ملک میں رہنا بہ لاچاری ہے۔ گویا بلبل باغ کی رہنے والی کو قفس میں گرفتاری ہے۔ جب پنجرے سے چھوٹے۔ باغ میں اُڑ جائے۔ انگریز بھی جب طاقت پائیں، ملک بیگانہ سے لندن میں جاویں اور یہ جو ہندی مشہور کرتے ہیں کہ انگریز ہندوستان میں اکثر ثروت پاتے ہیں۔ لندن سے محتاج آتے ہیں۔ محض جھوٹ کہتے ہیں۔ اُس ملک کا انتظام ایسا کہ جب لڑکا کسی کے ہاں پیدا ہوا۔ دائی کی گود میں سونپا۔ یہاں تک کہ سنِ شعور کو پہونچا۔ صفائی کا یہ عالم کہ کوئی کپڑا میلا یا متعفن اُس کے پاس تک نہیں آنے پاتا۔ پھر مکتبِ گلزار آئیں میں فرش سفید بچھاتے ہیں۔ پوشاک صاف ستھری پہنا کر اُس کو پڑھواتے ہیں۔ ہزاروں روپے خرچ کرتے ہیں۔ ناز ونعمت سے پرورش دیتے ہیں، بعد اس کے زیادہ مستعدی کے لیے اسکول بھیجتے ہیں۔ وہاں بھی ہزاروں روپے عوض تعلیم وغیرہ کے دیتے ہیں۔ بعد فراغت ان سب باتوں کے کسی عہدہ ادنیٰ میں سو سوا سو روپے کا نوکر شاہی ہوتا ہے۔ بتدریج عہدۂ اعلیٰ کو پہونچتا ہے۔ بھلا اگر اُن کو دولت وحشمت نہ ہوتی۔ صورت تعلیم وتربیت اس صرف زاید سے کیوں کر ہو سکتی۔ خرد بزرگ وہاں کے پُر شرم وحیا۔ لڑکوں کا ایسا فہم رسا کہ ثروت آبائی پر مغرور نہ ہو کر مثل عوام کے ہزاروں محنت ومشقت سے علم وہنر حاصل کرتے ہیں۔ باپ اُن کے ان باتوں سے نہایت راضی اور خوش ہوتے ہیں۔ لڑکے ہندوستان کے باپ کی حشمت پر غرّہ کرتے ہیں۔ کسبیوں کی صحبت میں اوقات برباد کر کے انجام کار نہیں سوچتے ہیں کہ بعد باپ کے ہم تدبیر معاش کس ہنر سے کریں گے۔ زندگی اپنی کیوں کر نباہیں گے۔ طرفہ ماجرا یہ ہے کہ

162 www.taemeernews.com

باپ اُن کے اُن کا حالِ لہولعب دیکھ کر فکر مآل سے غافل ہو کر خوش ہوتے ہیں۔ درشتی کا کیا مقام کلمۂ پند و نصیحت بھی نہیں کہتے ہیں۔

القصہ یہ کلام کر کے اس مکان سے سرا میں آیا۔ ارادہ کلکتہ (۱) جانے کا کیا۔ اس سبب سے کہ میں جریدہ راہ خشکی سے آیا تھا۔ اسباب ضروری لندن سے اپنے ہمراہ لایا تھا۔ باقی کپڑے اور اسباب اپنا راہ دریا سے کلکتہ میں روانہ کر دیا تھا۔ یہاں آ کر کپڑے پرانے ہوئے۔ اس واسطے اور زیادہ ہم کلکتہ جانے پر مستعد ہوئے۔ خرچ راہ کا میرے پاس تھوڑا رہا۔ یقین کہ خشکی کی راہ سے پورا نہ پڑتا۔ اس وجہ سے ناؤ کی تلاش کرنے لگا۔ بہت جستجو سے ثابت ہوا کہ کئی برہمنوں نے شریک ہو کر ایک کشتی ٹھہرائی ہے۔ کلکتہ کی طرف ان کی جوائی ہے۔ بندہ نے اُن کے پاس جا کر اظہار کیا کہ میں بھی تمہارے ساتھ کلکتہ چلوں گا۔ انھوں نے یہ بات کہی۔ ہماری تمہاری شرکت نہ نبھے گی۔ تم ترک کہلاتے ہو، گوشت جانوروں کا کھاتے ہو۔ ہم لوگوں کو اس سے نفرت ہے پھر بھلا ہمارے تمہارے کیا لطفِ صحبت ہے۔ میں نے کہا۔ بہر صورت تمہاری اطاعت کروں گا۔ راہ بھر گوشت نہ کھاؤں گا۔ جب یہ قول و قرار ہو چکا۔ ناؤ کا کرایہ ٹھہرایا۔ پھر پانچویں تاریخ جولائی کو ان برہمنوں کے ساتھ ناؤ پر سوار ہو کر کلکتہ چلا۔ بموجب اقرار ساری راہ روٹی گیہوں کی اور ماش کی دال کھایا۔ زمفری صاحب جو شریک حصہ ہملٹن صاحب کمپنی کے تھے۔ بسبب بیماری کے ایک بڑی ناؤ پر سوار ہو کر تبدیل آب و ہوا کے لیے نیل کی کوٹھی میں اپنے بھائی ڈاکٹر راجڑ صاحب پاس آتے تھے۔ راہ میں اُن سے ملاقات ہوئی۔ دور سے مجھ کو دیکھ کر بہت اشتیاق سے آواز دی کہ اے یوسف کمل پوش سلیمانی مذہب کہاں جاتے ہو اور کدھر سے آتے ہو۔ میں اُن کی ناؤ پر جا کر دو گھڑی ٹھہرا۔ حال اپنا بیان کیا۔ پھر رخصت ہو کر اپنی ناؤ پر آیا۔ برہمنوں نے کلام انگریزی جب میری زبان سے سنا، حیران ہو کر پوچھنے لگے۔ سچ کہو تم کون ہو۔ اگر مذہب مسلمانی

163
www.taemeernews.com

رکھتے ہو، زبان انگریزی کہاں سے سیکھے ہو۔ میں نے کہا اس کا تعجب کیا۔ بہت مسلمان کلکتہ میں رہتے ہیں۔ انگریزی بولی بول سکتے ہیں۔ وہ تو بہت گھبرائے تھے۔ پر میرے سمجھانے سے سمجھے۔

چلتے چلتے ناؤ ہماری قریب چنکی پور کے پہونچی۔ بابت محصول پرمٹ کے وہاں روکے گئے اور بہت کشتیاں دیر سے رکیں تھیں۔ اس لیے کہ بے محصول دیے کیوں کر جاسکتیں۔ میں نے پوچھا سبب کیا جو محصول دینے میں اتنا عرصہ کھینچا۔ لوگوں نے کہا۔ بابو فلانا یعنی داروغہ گھاٹ کا ابھی سوتا ہے۔ جب میں نے یہ حال سنا آدمی کے ہاتھ کہلا بھیجا۔ بابو صاحب کتنی دیر میں جاگیں گے۔ دریافت ہوا دو تین گھڑی بعد خوابِ راحت سے فراغت پائیں گے۔ چار ناچار میں نے ناؤ کو ٹھہرایا۔ اسی عرصہ میں ایک فقیر لنگڑے گونگے نے ناؤ کے سامنے آکر اشارے انگلیوں سے سوال کیا۔ مجھ کو اس کی پالنگی اور بے زبانی پر رحم آیا۔ روٹی اور ترکاری منگوا کر دینے لگا۔ اُس حرام زادے نے تکرار کر کے سر ہلایا کہ مجھ کو پیسا دو، روٹی نہ لوں گا۔ کچھ کوڑیاں دیں وہ بھی نہ لیں۔ تب میرے ساتھیوں سے ایک برہمن نے روغنی روٹی نکال کر دی۔ وہ بھی دیکھ کر انکار کی۔ پیسا مانگتا اور کچھ نہ لیتا۔ معلوم ہوا کہ پیٹ بھرا ہے۔ شرارت اور بدذاتی سے مانگتا ہے۔ ہم نے سکوت کیا اور اُس کو کچھ نہ دیا۔ وہ کسی طرح نہ مانتا۔ ناؤ پر ڈھیلے پھینکتا۔ ہم اس کے ہاتھوں سے تنگ آئے۔ لاچار ہو کر اس کی پیٹھ پر دو تین کوڑے مارے۔ دکھلانے کو گونگا تھا۔ کوڑے کھا کر صاف بولنے لگا۔ لنگڑاہٹ بھی جاتی رہی۔ گالیاں سخت دیتا۔ میں نے خوب سمجھایا کہ اس حرکت سے تو باز آ۔ اُس نے ہرگز نہ مانا اور کہا تم کو تھانہ دار پاس لے چل کر قید کراؤں گا۔ مجھ کو اور زیادہ غصہ آیا اُس کو دونوں ہاتھوں سے اُٹھا کر ایک گڑھے کیچڑ بھرے میں دے مارا۔ سارا بدن اُس کا کیچڑ سے بھر گیا۔ لیکن اگلی باتوں سے باز نہ آیا۔ آخر میں اُس کی بے حیائی سے لاچار ہوا۔

164
www.taemeernews.com

چار پیسے دے کر رخصت کیا۔ بعد اس کے کچہری پرمٹ میں آ کر کہا۔ ہم نے چار گھڑی سے ناؤ کو یہاں ٹھہرایا۔ بابو صاحب ابھی تک آرام خواب میں ہیں، ہم ناحق عذاب میں ہیں۔ نائب اور گماشتوں اس کے نے رنجش سے کہا۔ سینکڑوں کشتیاں رکی ہیں۔ تم میں کیا سرخاب کا پر لگا۔ جو اتنی دیر میں گھبرا گئے۔ ہم تک شکوہ لائے۔ چار گھڑی کیا اگر چار روز بھی تمہاری ناؤ یہاں رہے، بعید نہیں۔ بلکہ حق بجانب ہے۔ میں اُس فقیر کی حرام زدگی سے پہلے ہی سے جل رہا تھا۔ ان کے کلام سن کر آگ بگولا ہو گیا۔ مگر جواب تند نہ دے سکا۔ اپنے تئیں سنبھالا بقول شخصے قہر درویش بجان درویش۔ غصہ ضبط کیا۔ اسکول گھر میں ایک ماسٹر انگریزی لڑکوں کے پڑھانے پر مقرر تھا۔ میں نے لاچار ہو کر اُس کے پاس جا کر زبانِ انگریزی میں کہا۔ تمہارے شہر میں یہ کیا اندھیر اور زیادتی ہے مسافروں کی ناؤ چار چار روز روکی جاتی ہے۔ بندہ محصول دیتا ہے۔ ناحق داروغہ گھاٹ کشتی روکتا ہے۔ ماسٹر صاحب نے میرے ساتھ بابو کے مکان پر آ کر محصول دلوایا اور جھٹ پٹ رَوّنا لکھوا کر مجھ کو دیا۔ انگریزوں کی رائے صائب سے یہ امر بعید نظر آتا ہے کہ اُن کی عمل داری میں بسبب غفلت کے ایسا ظلم صریح ہوتا ہے۔ وہ بابو یعنی داروغہ پرمٹ جس کو انگریز جانتا، فی الفور رَوّنا کشتی اُس کی لکھوا کر روانہ کرتا۔ مگر ہندوستانیوں پر جبر تھا۔ شاید کوئی انگریز لباس ہندوستانی سے وہاں نہیں آیا۔ نہیں تو حال اُس کا کھل جاتا اور تدارک قرار واقعی ہوتا۔

چلتے چلتے پچیسویں تاریخ جولائی کی ناؤ ہماری کلکتہ پہونچی۔ دوستوں آشناؤں سے ملاقات ہوئی، سبھوں نے میرے حال پر شفقت کی۔ حملٹن کمپنی اور کران صاحب نے یہ بات کہی کہ تم کرایہ کی حویلی نہ لو، ہمارے مکان پر اُترو۔ میں نے کثرت صحبت باعثِ کمی الفت سمجھ کر نہ مانا۔ محلّہ ٹبک خانہ میں ایک مکان بیس روپے کرایہ کا مع تنخواہ باغبان لے کر رہا۔ بیچ میں عمارت نفیس اور مکان خوش وضع تھے۔ گرداگرد، درخت میوے اور پھولوں کے۔

165
www.taemeernews.com

جب میں لندن جاتا تھا۔ سیر اس شہر کی بخوبی کر چکا تھا۔ مگر اس خیال سے کہ شاید انقلاب زمانہ سے کچھ صورت بدلی ہو پھر پھرا۔ حال وہاں کا دیکھا۔ جن دوکانوں پر چھپر پڑے تھے، کھپریل بنی۔ جن راہوں میں تنگی تھی، وسعت ہوئی۔ جو دوکانیں سابق بدقطع تھیں۔ اب کی مرتبہ مرتب اور طیار دیکھیں۔ زمانہ عجب انقلاب رکھتا ہے کہ کسی آدمی یا جگہ کو سدا ایک حال پر نہیں چھوڑتا ہے۔ بعد اس کے اور مکانوں میں جن کو پہلے نہیں دیکھا تھا۔ دوستوں کے ساتھ دیکھنے گیا۔ لطف وصنعت سبھوں کا بنظرِ غور دیکھا۔ چنانچہ مارچ صاحب نے کلڈ ھال میں، مارس صاحب نے ٹون ہال میں کران صاحب نے میوزیم اور اور جاؤں پر لے جا کر تماشا دکھلایا۔ وصف اُن مکانوں کا زبان سے بیان نہیں ہوسکتا۔ بنگالیوں کے لڑکے دیکھے۔ بے تکلف مثل ولائیتیوں کے کلام انگریزی کرتے۔ چرچا علم کا روز بروز بڑھتا جاتا ہے۔ اگر یہی حال بیس برس تک رہتا ہے۔ یقین کہ وہاں کے رہنے والوں سے کوئی بے علم وجاہل نہ رہے گا۔ بلکہ بجائے خود ہر ایک اُستاد بنے گا۔ لڑکے بنگالیوں کے شوق دلی سے علم انگریزی پڑھتے ہیں۔ مدرسوں میں اُستاد فارسی خواں بھی نوکر رہتے ہیں۔ علم فارسی لڑکوں کو پڑھاتے ہیں۔ اسی طرح عربی کے لیے عالم کامل جانب شاہِ لندن سے مقرر ہوئے ہیں۔ طالبِ علموں کو صرف نحو، منطق، ریاضی، ہیئت، فلسفہ، حکمت پڑھانے میں مستعد رہتے ہیں۔ اگرچہ بندہ عربی فارسی میں دخل نہیں رکھتا ہے کہ بیان کمالات ان کے کا بتفصیل کرے۔ مگر ایک عالم کے دو تین شاگردوں سے ملاقات ہوئی۔ کامل پائی اُن کی عقل ودانائی۔ اس دلیل سے ثابت ہوا حال مستعدی مدرسوں کا کہ جن کے ادنیٰ شاگردوں میں یہ عقل رسا ہے کیا مذکور اُن کے علم وفضیلت کا ہے۔ غرض کہ کوشش انگریزوں سے کلکتہ دارالعلم ہوا ہے۔ قلعہ کلکتہ کا سب قلعوں سے زیادہ مضبوط ہے اور متین، سیکڑوں توپیں لگیں۔ اگر روپیہ آدمی کے پاس موجود ہو جو چیز کہیں نہیں ملتی، اُس شہر میں میسر آتی ہے۔ عجب نادر شہر اور بستی ہے۔ اگر

166
www.taemeernews.com

کسی پاس روپیہ اور مال ہووے وہاں جا کر مزہ زندگانی کا لوٹے کہ ہمہ چیز وہاں ملتی ہے۔ ہر ملک کے آدمیوں کی صورت نظر آتی ہے۔ کنارے گنگا کے چنپا گھاٹ پر ہر روز ایسی کیفیت ہوتی ہے کہ شامِ اودھ اور صبحِ بنارس بھول جاتی ہے۔ ہر طرف سبزہ اُگا ہے۔ جاڑے گرمی اور ہر فصل میں ہرا رہتا ہے۔ جہاز روم اور روس اور حبش کے یہاں آ کر مقام کرتے ہیں۔ صاحبان انگریز اور بی بیاں بگھی پر سوار ہو کر وہاں ہوا کھانے جاتے ہیں۔ گھوڑے اور بگھی مانند رسم لندن کے یہاں کرایہ پر ملتے ہیں۔ روز بروز سب سامان اور انداز لندن کے سے ہوتے جاتے ہیں۔ صاحب علم اگر اُس شہر میں جائے، ہرگز مفلس و محتاج نہ رہنے پائے۔ سڑکیں یہاں کی ہموار اور صاف، آئینہ مثال۔ کوڑی یا مردے جانور پڑے رہنے کا کیا مجال۔ رستے ایسے ماہی پشت بنے کہ پانی یا جو کچھ اُس پر گرے۔ دونوں طرف ڈھلے۔ ایک قسم آدمی پہاڑی جوڈھانکر کہلاتے ہیں۔ سرکار سے کئی ہزار روپے در ماہہ سوا چھکڑوں کے پاتے ہیں۔ وہ تمام شہر کا کوڑا اور گندا پانی موریوں کا چھکڑوں پر لاد کر باہر پھینک آتے ہیں۔ اب ہندوستان میں کوئی شہر مقابل اُس کے نہیں نظر آتا ہے۔ بندہ از راہ انصاف سچ کہتا ہے۔ میں اسی سیر و تماشے میں دو مہینے وہاں رہا اور حال سفر اپنے کا بہ طور کتاب جمع کرنا چاہا۔ مگر میرے پاس خرچ تھوڑا سا رہ گیا تھا اور کوئی یار و مددگار نہ ہوا۔ لاچار قصد روانگی کا کیا۔

ساتویں تاریخ ستمبر کی ایک چھوٹی ناؤ کرائے پر ٹھہرا کر گنگا کی راہ سے بنارس چلا۔ اُس سال گنگا بڑی طغیانی پر تھی اور بسبب بڑھنے پاٹ کے آنبہ کے باغوں میں بہتی۔ یعنی اپنی جگہ اصلی سے بہت بڑھی تھی۔ زور بہنے اپنے کے سے سیکڑوں درختوں کو جڑ سے اکھاڑ کر ڈوبایا۔ دو تین دن تک ہم کو کنارہ نہ نظر آیا۔ لاچار ہو کر ایک آنب کے درخت میں ناؤ کی رسی کو باندھا۔ شب بھر وہاں مقام کیا۔ صبح ہی پھر روانہ ہوا۔ میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا۔ اُس

167
www.taemeernews.com

مرتبہ گائے بھینسوں کو پانی میں ڈوبتے، سیکڑوں سانپ بچھو ہماری ناؤ پر چڑھے آتے۔ بہزار خرابی دن رات چل کر دیوان گنج میں بھاؤ سنگھ کی کوٹھی میں ڈاکٹر راجڑ صاحب کے پاس پہونچے۔ وہ تجارت نیل اور ریشم کی کرتے تھے۔ راجڑ صاحب اور اُن کی میم نے نہایت شفقت وعنایت فرمائی۔ میں نے بہرصورت وہاں آسائش پائی۔ سچ تو یہ ہے کہ بندہ نے ان کی میم صاحب کی سی عورت خلیق کم دیکھی کہ مسافرنوازی میں بدل وجان مصروف ہوئی۔ بندہ تین دن عیش وعشرت میں رہا۔ تفریح طبع کے واسطے شکار بھی کیا۔ رمفری صاحب سے بھی ملاقات ہوئی، انھوں نے بیماری سابقہ سے صحت پائی تھی۔ بہت گرمجوشی سے پیش آئے۔ دیر تک ذوق شوق سے ہم آغوش رہے۔ بعد تین دن فقیر نے نیت چلنے کی کی۔ راجڑ صاحب اور میم صاحب سے رخصت چاہی۔ دونوں صاحبوں نے یہ بات کہی، ابھی نہ جاؤ، چندروز یہاں رہو، میں نے بہت کہہ سُن کر راضی کیا اور رخصت ہوکر وہاں سے روانہ ہوا۔ حق تعالیٰ راجڑ صاحب اور اُن کی میم صاحب کو ترقی مراتب پر پہونچادے کہ دل اُن کا مسافرنوازی پر مصروف رہتا ہے۔ ولایت میں ان کے بھائی سے ملاقات ہوئی تھی۔ انھوں نے بھی میرے حال پر کمال مہربانی فرمائی تھی۔

جب بندہ راجڑ صاحب سے رخصت ہوکر کشتی پر سوار ہوکر چلا۔ راہ میں ایک دن تیسرے پہر دریاے گنگ میں ایک کو ڈوبتے دیکھا۔ ملاّحوں سے کہا شاید یہ کوئی آدمی ہے ڈوبتا۔ اگر کوئی تم میں سے جائے اور اُس کو میرے پاس لائے۔ موافق مقدور کے انعام دوں گا۔ ملاّحوں نے جواب دیا، اس دریاے قہار میں اپنے تئیں گرانا عاقبت اندیشی سے دور ہے اور ناؤ کو بھی اُس طرف لے چلنا سراپا فتور ہے، مبادا صدمہ پانی کا پہونچے، ناؤ ڈگمگا کے ڈوبے۔ اسی طرح سینکڑوں آدمی ڈوبتے ہیں۔ ہم کس کس کو دریا سے نکالیں۔ جب ملاحوں نے میری بات نہ سنی اور کسی اور نے بھی اس کی طرف توجہ نہ کی۔ میں نے بے اختیار

168
www.taemeernews.com

ہوکر دل میں کہا اگر طبیب دوا مریض کی نہ کرے، مواخذہ دار ہووے۔ میں تیرنے میں دخل رکھتا ہوں۔ اگر اس کو دریا سے نہ نکالوں گنہگار خدا کا ہوں۔ بلاتحاشہ آپ اُس دریا میں کودا۔ اُس ڈوبتی عورت کو نکالا، کنارے لاکر کہا۔ اگر تجھ کو منظور ہو میری ناؤ پر آ کہ تیری دوا کروں۔ صورتِ صحت دکھلاؤں۔ اس کمبخت نے نہ مانا۔ دل میں کچھ اور ہی خیال کر کے کہا۔ میں کیوں تیری کشتی پر آؤں تو دھرم میرا برباد کرے گا۔ میں نے دل میں کہا۔ سبحان اللہ جس سے نیکی کی وہ کچھ اور ہی سمجھے۔ کلام شیخ سعدیؒ کا یاد آیا۔

نکوئی با بداں کردن چناں ست

کہ بد کردن بجای نیک مرداں

آدمی کو چاہیے کہ ناقدردان کے لیے جان اپنی ہلاکی میں نہ ڈالے۔ بُروں کے ساتھ برائی سے درگذر نہ کرے۔ یہ حال دیکھا اپنی ناؤ پر سوار ہوا اور منزل مقصود کا رستہ لیا۔

چلتے چلتے منگیر (۱) پہونچا۔ ناؤ سے اُتر کر شہر میں گیا۔ شہر چنداں وسعت نہ رکھتا مگر آباد خوب تھا۔ آب وہوا وہاں کی اور شہروں سے معتدل اور بہتر تھی۔ قریب اس کے کئی پہاڑ اُن پر سبزی لگی۔ متصل اُس سے ایک چشمہ پانی کا خوشگوار، کئی مکان سارجنوں کے اس قرب میں طیار۔ سارجن مع اپنی بی بی لڑکوں کے لبِ جو بیٹھے، مچھلیوں کا شکار کر رہے تھے۔ ان کے چہروں پر آثار شگفتگی اور بشاشت کے نمودار۔ پیشہ ور وہاں کے اپنے اپنے فن میں کمال رکھتے۔ عمدہ عمدہ چیزیں کنارے گنگا کے لاکر مسافروں کشتی نشینوں کے ہاتھ سستی بیچتے۔ چنانچہ میرے سامنے پنجرے عجیب وغریب اور گوشت اور مچھلیاں اور سب چیزیں ارزاں بیچیں۔ ایک شخص نے چھ مچھلیاں بڑی ایک روپے کی مول لیں۔ میرے نزدیک اس قیمت پر مفت تھیں۔ وہاں سے ایک پالکی کرایہ کی لے کر سیتا کنڈ کے جنگل میں گیا۔ شہر سے تین کوس پرے تھا۔ وہاں پہاڑ بسبب روئیدگی کے سبز ہو رہے تھے۔ درخت میووں سے

169
www.taemeernews.com

لدے ہوئے ، آواز جانوروں کی موزوں ۔ سبزہ اُگا زمرد گوں ۔ ویسی زمین ارم تزئین ہندوستان میں کم نظر آئی ۔ سبزی اور ہوائے سازگار اس کی دل کو بھائی ۔ اُس دشتِ پُر فضا میں تین چار تالاب برابر تھے ۔ خوشگواری میں ایک دوسرے سے بہتر ، سرد پانی سبھوں کا ۔ الا بیچ والے کا نہایت گرم تھا ۔ وہ ہی سیتا کنڈ کہلاتا ، اگر کوئی اُس میں ہاتھ ڈالتا ۔ شدتِ گرمی سے آبلہ پڑ جاتا ۔ میں یہ ماجرا دیکھ کر قدرت الٰہی پر غش کر گیا کہ سبھوں میں پانی سرد ہے بیچ میں جلتا آگ سا ۔ کئی ٹھلیاں مول لے کر ٹھنڈا اور گرم ملایا ۔ جب وہ حد اعتدال پر آیا اُس سے نہایا ۔ عجب تاثیر اُس کی تھی کہ کسالت اور ماندگی دور ہوئی ۔ بعد اس کے ایک درخت کے سائے میں بیٹھا شیشہ عرقِ انگور کا جو ساتھ لیے گیا تھا کھولا ۔ ٹھنڈھا پانی اُس چشمۂ شیریں کا ملا کر دوستوں کو یاد کر کے دو تین پیالے اس کے پیے ، زندگی کے مزے اور لطف حاصل کیے ۔ جب وہ چشمے خوشگوار اور کوہ و صحرائے سبزہ زار دیکھا ۔ بے اختیار دل میں آیا کہ ساری عمر یہاں بیٹھ کر یادِ خدا میں مصروف رہوں ۔ طریقۂ اسلاف پر گلہ بکریوں اور گھوڑوں کا چراؤں مگر بن نہ پڑا ۔ مشکل نظر آیا ۔ بعد چار گھڑی کے وہاں سے پھر آیا ۔ ناؤ پر سوار ہو کر راہی ہوا ۔

عظیم آباد (۱) پہونچ کر دو دن سیر کرنے کو رہا ۔ وہ شہر کنارے گنگا کے ہے بہت آباد ہوا ۔ مگر یہاں کی آب و ہوا میں رطوبت ہے ۔ اکثر لوگوں کو مرض پر صعوبت ہے ۔ یعنی رہنے والے یہاں کے اکثر مرض فتق یا فیل پائی میں گرفتار ہیں سبھوں کا رنگ زرد ، دبلے اور نزار ہیں ۔ قریب اُس کے دانہ پور ہے ۔ وہاں انگریزوں کا توپ خانہ اور لشکر ہے ۔ آب و ہوا وہاں کی بہ نسبت عظیم آباد کے بہتر ہے ۔ یہ سب سیر دیکھ کر بنارس میں آیا ۔ یہاں آ کر ایک چھکڑا کرایہ کا ٹھہرایا ۔ اسباب اپنا ناؤ سے اُتار کر اُس پر لادا اور گھوڑا پچھم کا مول لیا ہوا جو وقت جانے کلکتہ کے یہاں چھوڑ گیا تھا ۔ اُس پر سوار ہو کر دارالسلطنت لکھنؤ چلا ۔ عمل

170
www.taemeernews.com

انگریزی سے بخوبی نبھ آیا۔ مگر شاہ اودھ کے عمل میں زمینداروں نے جا بجا کوس دو کوس کے بعد بابت کوڑیوں محصول کے سخت ستایا۔ ہر چند کہتا تھا میرے چھکڑے میں نہیں کوئی اسباب محصول کا پھر تم کس چیز کا محصول مانگتے ہو۔ ناحق اور بے وجہ ستاتے ہو۔ اس کا جواب یہ دیتے تم ہمارے گانوں سے آنکلے ہو، اس کا محصول دو۔ جا بجا اس بات پر تکرار ہوئی پر کسی نے میری بات نہ سنی۔ آخر لاچار ہو کر ایک کتا ولایتی جو اپنے ساتھ لایا تھا۔ اس کے گلے میں رسّی ڈال کر چھکڑہ سے باندھا۔ جہاں کوئی زمیندار رہ گذری کی کوڑیاں مانگتا، میں جواب میں کہتا۔ یہ کتا اور چھکڑہ ہے، کپتان ڈاسن صاحب کا۔ سارا اسباب تم کو سونپتا ہوں۔ میں کپتان صاحب پاس جاتا ہوں۔ تم اس کی حفاظت کرو۔ مبادا کچھ کم ہو، جوابدہی میں پھنسو۔ نام انگریز کا سنتے ہی سب خاموش ہو جاتے۔ نرمی اور ملایمت سے پیش آتے۔ طرفہ تر یہ ماجرا ہے۔ قابل استہزا ہے کہ جو لوگ ملازم شاہ اودھ کی نگاہ بانی کے لیے مقرر ہیں وہ بھی کوڑیاں کھسیلتے ہیں۔ آمادہ تر محافظت راہ کی جیسی جیسی کچھ کرتے ہیں، لوگ خوب جانتے ہیں۔ زمین اس نواح کی قابل زراعت اور بہت بہتر ہے۔ مگر بسبب ظلم عاملوں کے ہزاروں بیگھہ خراب افتادہ اور ابتر ہے۔ بلکہ گانوں کے گانوں جا بجا جلے پڑے ہیں۔ سوائے جانوروں درندوں کے کہیں آدمی نظر نہیں آتے ہیں۔ شاہ اودھ کی طرف سے جو چکلہ دار آبادی ملک اور تحصیل روپے کے لیے جاتا ہے، حاکم سابق سے زیادہ ظلم و بدعت کرتا ہے۔ اپنی منفعت کے خیال سے خوف خدا اور بادشاہ سے غافل ہوتا ہے۔ رعیت کو ظلم سے اُجاڑ دیتا ہے عاملوں کے یہ ہتکھنڈے ہیں کہ وقت تردد کے اسامی اور زمینداروں کو دِلاسے سے بلاتے ہیں۔ پٹہ قبولیت روپے بیگھہ کا لکھواتے ہیں۔ جب غلّہ طیار ہوا۔ دو روپے بیگھہ مانگتے ہیں۔ اپنے قول و قرار سے بدل جاتے ہیں۔ اس وجہ سے کسان بھاگتے ہیں۔ زمیندار عاملوں سے مقابلہ کرتے ہیں اور بدقولی کے سبب سے ایک کوڑی نہیں دیتے ہیں۔

171
www.taemeernews.com

عامل فوج بادشاہی بلوا کر گڈھی قلعہ اُن کا کھدواتے ہیں۔ گائے، بیل اور غلّہ ان کا بیچ کر دُگنا تگنا روپیہ بٹھلاتے ہیں۔ زمین یہاں کی قابل زراعت ہے۔ پر افسوس کہ چکہ داروں کی بدعت ہے۔ شاہ اودھ بسبب کثرت مشاغل کے اس امر سے غفلت رکھتے ہے۔ ورنہ ان ظالموں بوم صفت کو اس ظلم ناحق سے متنبہ کرتا۔

بندہ یہ حالات دیکھتے قرب و جوار لکھنؤ کے پہونچا، ایک گانوں میں آ کر ٹھہرا۔ شکار میں مشغول ہوا۔ ایک چڑیا کو چھرّے سے مارا۔ پچاس آدمی جنگلی دوڑ پڑے۔ ڈھال تلوار ہاتھ میں لیے ہوئے کہ تم نے ہمارے گانوں کے جانور کو کیوں مارا۔ سبھوں نے آ کر مجھ کو گھیر لیا۔ میں مقابلہ کرنا اُن سے مناسب نہ سمجھا۔ نرمی اور آشتی سے پیش آیا۔ لیکن وہ لوگ بدذاتی سے باز نہ آئے۔ آمادہ میرے قتل پر تھے۔ کوئی کہتا اس کا سر کاٹ ڈالو۔ کسی کے خیال میں آتا نہیں زندہ پکڑ لے چلو۔ جب میں نے دیکھا کہ جان مفت جاتی ہے۔ کوئی تدبیر نہیں بن آتی ہے۔ انگریزی بولی میں گفتگو کی۔ اُنھوں نے انگریز سمجھ کر طرح دی اور اپنی راہ لی۔ اُس دن اگر میں اپنے تئیں انگریز نہ بناتا، بیشک وشبہہ مارا جاتا۔ اسی طرح سینکڑوں آدمیوں کا خون ہوتا ہے۔ کوئی کسی کا حال نہیں پوچھتا ہے۔ وہاں سے بچ کر خدا خدا کر کے متصل لکھنؤ کے آیا۔ ایک چھٹی میں کپتان ممتاز خان منگنس صاحب بہادر کو لکھا کہ اگر آپ کی مرضی ہو میں حاضر ہوں۔ نہیں تو اور کسی طرف جاؤں۔ کپتان صاحب نے اس کے جواب میں چھٹی عنایت آمیز لکھ بھیجی کہ ضرور آؤ۔ مجھ کو ہے تمہاری انتظاری۔ بندہ بموجب حکم کے اُن کے مکان پر گیا۔ فیضیاب ملازمت ہوا۔ انھوں نے نہایت مہربانی فرمائی اور دعوت و مہمانی کی۔ ایک خیمہ کھڑا کروایا۔ اُس میں فقیر کو اُتروایا۔ بعد چندے میں نے قصد اور سمت کا کیا۔ انھوں نے باز رکھ کر فرمایا۔ تم یہاں رہو اور رسم سابق اپنے کے درستی کرو۔ بندہ چٹھیاں سفارش کی افسروں ولایت کی لکھی ہوئیں کرنیل لو صاحب، بڑے صاحب اور پاٹن

172
www.taemeernews.com

صاحب چھوٹے صاحب کے نام پر لایا تھا۔ دونوں صاحبوں کو لے جا کر دکھلائیں۔ اُنھوں نے کمال اخلاق اور عنایت سے پیش آ کر یہ باتیں کہیں کہ ہم کو شاہ اودھ کی فوج میں سفارش کرنے کا اختیار نہیں۔ مہربانی زبانی اُن کی سے شکر گذار ہوا۔ اگرچہ خوبی ایام سے کچھ بھی نہ اجرائے کار ہوا۔ میں نے یہ حال کپتان مینگنس صاحب سے کہہ کر رخصت ہونے کا قصد کیا۔ اُنھوں نے اپنے مکان کے نزدیک ایک مکان کرایہ کا میرے رہنے کے لیے ٹھہرا دیا اور جدا ہونا میرا ہرگز گوارا نہ کیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد تدبیر کر کے سرکار شاہی میں عرضداشت کی اور اسامی قدیمی بحال کروائی۔ یعنی اپنے ہمراہی رسالہ سواروں اور توپ خانہ کی صوبہ داری دی کھانے میں اپنے ساتھ شریک رکھا۔ چنانچہ آج تک وہی طور چلا آتا ہے کہ بندہ انھیں کے ساتھ کھانا کھاتا ہے۔ کپتان صاحب نے جس قدر عنایت میرے حال پر فرمائی زبان طاقت نہیں رکھتی ہے، اس کی شکر گذاری کی۔ جب تک جیوں گا اُن کا احسان مند رہوں گا۔ ان دنوں ڈاکٹر کاربائن صاحب نے از راہ اشفاق چھٹی سفارش میری کی افسران فوج انگریزی کے نام پر میرے پاس لکھ بھیجی تھی کہ اگر تم کو منظور ہو اُن کے پاس جاؤ۔ پلٹن انگریزی میں جو قندھار جاتی ہے۔ تمہاری نوکری ضرور ہو جاوے گی۔ بندہ فقط پابندی مہربانیوں کپتان صاحب موصوف کی سے وہاں جانے سے باز رہا۔ ورنہ بے شبہہ وشک وہاں جاتا۔ اس شہر میں جتنے صاحب لوگ رہتے ہیں میرے اوپر کمال شفقت فرماتے ہیں۔ چنانچہ جس دن بڑے صاحب اور چھوٹے صاحب یعنی کالفیلڈ صاحب اور دلکی صاحب اس شہر میں آئے تھے۔ شاہزادہ ولی عہد صاحب عالم بہادر ثریّا جاہ اُن کے استقبال کو تھوڑی دور تک گئے تھے۔ بندہ بھی ہمراہ رکاب ظفر انتساب تھا۔ دلکی صاحب نے راہ میں نظر عنایت سے میری طرف دیکھا۔ جب آ کر اپنی کوٹھی میں داخل ہوئے اور کاروبار ضروری سے فراغت کر چکے۔ میری یاد فرمائی اور بلا کر بہت سی مہربانی کے بعد اس کے بڑے

173 www.taemeernews.com

صاحب سے میرا ذکر کیا۔ اپنے ساتھ لے جا کر مشرف ملازمت کروایا۔ بڑے صاحب نے بھی قدر دانی کی۔ بمقتضائے ریاست قرب بساط بوسی سے عزت دی۔ بندہ گاہ گاہ اب بھی دلکی صاحب اور کالفیلڈ صاحب کے پاس جاتا ہے۔ وہی عنایتِ سابقہ اپنے حال پر مبذول پاتا ہے۔ جب سے کالفیلڈ صاحب اس ملک میں آئے۔ مزاج محمد علی شاہ بادشاہ اودھ کا انتظامِ ملکی پر مصروف کرلائے ہیں۔

نصیرالدین حیدر جو سابق یہاں کے تخت نشین تھے۔ روانہ خلدِ بریں ہوکر دریا پار کی کربلائے نوتعمیر میں مدفون ہوئے۔ میں ان کا نمک خوار و خدمت گزار تھا۔ نہایت ملول ہوکر اُن کے مقبرے پر گیا۔ دیکھا کہ بجائے فرش حریر و ریشم کے فرش زمین خوابگاہ ہوا اور جسم نازک ان کا جو پھولوں کا ہار بار جانتا۔ ہزاروں من اینٹ پتھر کے نیچے دبا۔ کوئی رفیقوں اور جلسہ والوں سے پاس نہ رہا۔ دنیا عجیب مقام ہے کبھی اوج کمال پر پہونچاتی ہے، کبھی خاک میں ملاتی ہے۔ ایک دن وہ تھا کہ وہ حضرتِ خلد منزل تختِ سلطنت ہندوستان پر جلوہ فرماتھے۔ نوکر اور خدمت گزار حسب مراتب اپنی اپنی جگہوں پر کھڑے ہوکر تسلیمات بجا لاتے۔ رنڈیاں ناچنے گانے والیاں الحانِ داؤدی اور حسنِ یوسفی سے دل تماشائیوں کا پھسلاتیں۔ جام طلائی ونقرئی میں شراب بھر بھر کر اہل محفل کو بطور دور پلاتیں وہ خود بدولت کمال عیش وعشرت سے زرریزی میں مشغول ہوتے۔ فقرا اور مساکین کو دفعۃً تونگر کر دیتے۔ کوئی ہندوستانیوں سے باقی نہ رہا کہ ذلہ ربائے خوانِ انعام شاہ خلد آرامگاہ کا نہ ہوا۔ کوئی اہلِ علم وکمال اس اقلیم میں نہ آیا کہ قدر دانی اُس مغفور مبرور سے ترقی مدارج پر نہ پہونچا۔ زندگی میں وہ حال تھا۔ آج یہ ماجرا نظر آیا کہ جنبشِ دست وپا کی طاقت نہیں رکھتے ہیں۔ مثل خزانہ تہِ خاک وخشت دبے ہیں۔ بندہ شاہ سلیمان جاہ کا مقبرہ اور حال بے کسی ان کی کا دیکھ کر سخت ملول ہوا اور دیر تک سرہانے قبر کے کھڑے ہوکر روتا رہا۔ حال وفات ان

174
www.taemeernews.com

کی کا اس طرح سنا کہ نمک حراموں نے زہر پلا کر مارا۔(۱) افسوس صد افسوس ان کم بختوں نے غضب کیا کہ ایسے بادشاہِ فیاض کو یوں برباد کیا۔

بعد انتقال ان کے کے مرزا فریدوں بخت عرف منا جان جو اپنے تئیں صلبِ شاہِ خلد آرام گاہ سے جانتے تھے اور شاہ سلیمان جاہ حالت حیات اپنی میں نوشتہ مہری اپنا متضمن ابطال دعوی فرزندیٔ اُن کی کا سرکار کمپنی میں بھجوا چکے تھے۔(۲) بے اجازت بڑے صاحب کی آ کر تختِ سلطنت پر بیٹھے اور اپنے طور پر معروفِ نظم ونسق ہوئے۔ بڑے صاحب یعنی کرنیل لو صاحب نے کہا تم کو نہیں مناسب تخت پر بیٹھنا۔ اس لیے کہ تم بموجب نوشتہ شاہِ مغفور کے اُن کے نطفہ سے نہیں ثابت ہوتے ہو۔ پس ارادہ سلطنت کا کس دعوے سے رکھتے ہو۔ بہتر یہ ہے کہ اس خیال سے باز آؤ۔ خیریت سے اپنے گھر جاؤ۔ نہیں تو بعد دو گھڑی کے گرفتار ہو گے، نہایت ذلیل وخوار ہو گے۔ مرزا فریدوں بخت نے کہنا بڑے صاحب کا نہ جانا اور اپنے تئیں مستحقِ سلطنت جانا۔ لاچار بڑے صاحب نے اپنی ہمراہی پلٹنوں اور توپ خانہ کو حکم دیا۔ یکا یک گولی اور گولہ برسنے لگا۔ مصطفیٰ خان قندھاری رسالہ دار اسی جھگڑے میں مارے گئے اور بہت لوگ ناحق مفت کام آئے۔ تختِ زرنگار اجلاسِ شہر یار گولے توپ سے پرزے پرزے ہوا۔ فریدوں بخت مع بادشاہ بیگم دادی اپنی کے گرفتار ہو آیا۔ بعد اس کے لو صاحب نے بموجبِ حکمِ شہنشاہ انگلستان نصیر الدولہ بہادر کو تخت سلطنت پر بٹھلایا۔ تمام اختیار امور سلطنت کا اُن کو دیا۔ چنانچہ یہاں کے اب وہی فرماں روا ہیں۔ صاحبِ سکّہ دلوا ہیں۔ کسی نے سکّہ اُن کا یوں کہا۔ بندہ نے یادداشت کے لیے اس رسالہ میں لکھا فرد:

بہ جود و کرم سکہ زد در جہاں
محمد علی بادشاہ زماں

175
www.taemeernews.com

محمد علی شاہ نے ابتدائے جلوس اپنے سے روشن الدولہ نائب شاہ خلد منزل کو عہدۂ نیابت سے معزول کیا اور سبحان علی خان کمبومشیر اُس کے کو بسبب مفسدی طینت اس کی کے مع اہل وعیال گنگا پار کر دیا۔ حکیم مہدی علی خان منتظم الدولہ بہادر کو فرخ آباد سے بلا کر بجائے روشن الدولہ کے عہدۂ وزارت پر سرفراز کیا۔ چند روز خان مسطور نے نہایت خوش سلیقگی سے کاروبارِ وزارت نباہا۔ پر افسوس اجل نے مہلت نہ دی۔ تھوڑے دنوں کے بعد قضا کی۔ بعد اُن کے بھتیجے اُن کے منور الدولہ بہادر نے خلعتِ نیابت سے سربلندی پائی اپنے چچا کے طور پر انھوں نے بھی یہ خدمت انجام دی۔ اگر چہ مقلد مجتہد کے مثل نہیں ہوسکتا۔ الا اثر اس کا کچھ آجاتا ہے۔ اسی طرح ان دنوں منور الدولہ اگر چہ مستعد رہتے ہیں۔ پر اجرائے کار میں اپنے چچا کو نہیں پہونچتے ہیں۔ عظیم اللہ خان جو قدیم سے رفیق شاہ حال تھے۔ ابتدائے تخت نشینی شاہ زمان سے مالا مال اور نہال ہوے۔ داروغگی دیوان خانۂ سلطانی کی انھیں کے نام ہے۔ سوا اُس کے اور کارخانجات کا انھیں کے حوالہ سرانجام ہے۔ بادشاہ کے مزاج میں نہایت دخل رکھتے ہیں۔ جلوت وخلوت میں باریاب ہوتے ہیں۔ جب سے محمد علی شاہ نے تخت سلطنت پر اجلاس فرمایا ہے۔ رومی دروازے کے سامنے دولت خانہ میں ایک امام باڑہ قبر اپنی کا اور مسجد اور دروازہ، جواب رومی دروازے کا اور دوکانیں اور بازار بطور امام باڑہ اور مکانات آصف الدولہ بہادر کے بنوایا ہے اور اب تک بنتا جاتا ہے۔ اگر چہ امام باڑۂ آصف الدولہ کو نہیں پہونچتا ہے۔ مگر تاہم قابل تماشا ہے اور بہت بلکہ اور سب عمارتوں اس شہر سے نفیس بنا ہے، عمارت عالی شان رکھتا ہے۔ آگے اس مقام کا نام جمنیا باغ تھا۔ اب بسبب بننے امام باڑہ کے خطاب اُس کا حسین آباد ہوا۔ بڑے صاحب کی کوٹھی مقام بیلی گار داور دولت خانہ بادشاہی سے حسین آباد تلک سڑک وسیع بنی ہے۔ ایسی ہموار اور درست ہوئی کہ اندھا بھی اُس پر بے تکلف دوڑتا چلا جاے۔ کہیں ٹھوکر نہ کھائے۔ دوطرفہ

176
www.taemeernews.com

راہ میں دو دو تین تین گز کے فاصلہ پر لکڑیاں گڑی ہیں۔ رات کو اُن پر لالٹینیں روشن ہوتی ہیں اور راہوں کی درستی کا بھی حکم ہوا ہے۔ جا بجا رستہ بنتا جاتا ہے چنانچہ لکھنؤ سے شاہجہان پور تک سڑک بنتی آتی ہے۔ تھوڑے دنوں میں لائق آمد و رفت بگھیوں کے ہوئی جاتی ہے۔ غرض کہ مزاج بادشاہ کا ہر صورت سے رعایا پروری پر مصروف ہے اور عنان عزیمت کی رفاہیت خلائق پر معطوف۔ گرفتاری رہزنوں اور قزاقوں اور کھود ڈالنے گڈھی زمینداروں سرکشوں کے لیے بہ تاکیدِ اکید حکم دیا ہے۔ بموجبِ حکم محکم قزاق ہر شہر سے پکڑے آتے ہیں اور قلع و قمع گڈھیوں کا ہوتا ہے۔ ان دنوں بندہ بھی دو تین دفعہ ہمراہ کپتان منگنس صاحب اور راجہ درسن سنگہ غالب جنگ کی زمینداروں اور رہزنوں کے پکڑنے کو گیا تھا۔ ایک دن موضع سریان میں گڈھی کھودنے اور گرفتاری امام بخش زمیندار کے واسطے گیا۔ دیکھا کہ گڈھی بہت مضبوط بنی۔ گرد اُس کے چاروں طرف خندق گہری کھدی۔ ہر سمت اس کے جنگلا تھا۔ دیکھنے والے کا دم رکتا۔ اُس گڈھی میں آٹھ سو آدمی بندوقچی تھے۔ ملازم بادشاہی اُس کی گرفتاری کو تین ہزار آدمی مع دس ضرب توپوں کے گئے۔ بعضے عاقلوں اور بھائیوں اُس کے نے اُس کو سمجھایا کہ تو لڑائی سے باز آ۔ مقابلہ فوج بادشاہی نہ کر سکے گا۔ اُس کوتاہ اندیش نے ہرگز نہ مانا۔ ہمراہی اُس کے سب گڈھی سے نکل گئے۔ فقط سولہ آدمی امام بخش کے ساتھ گڈھی میں رہ کر گولیاں مارتے۔ ادھر سے تین ہزار آدمی مستعد تھے۔ اُن کے سوا دس ضرب توپ کے گولے پڑتے۔ آخر وہ سولہ آدمی امام بخش سمیت مارے گئے اور فوج بادشاہی سے دو آدمی کام آئے اور کتنے زخمی ہوئے۔ حق یہ ہے کہ گڈھی والوں نے بڑی جرأت کی۔ لیکن فوج بادشاہی کے سامنے ان کی کیا حقیقت تھی۔ اگر چند روز حکم بادشاہ کا یوں ہی جاری رہے گا۔ رہزنوں اور ڈکیتوں کا ممالک محروسہ بادشاہی میں نام و نشان باقی نہ رہے گا۔ ملک کا انتظام بخوبی ہوئے گا۔ روپیہ سرکاری بے کدو کاوش تحصیل آئے گا۔

177
www.taemeernews.com

اس اطراف و جوار میں لکھنؤ بھی غنیمت ہے کہ یہاں کچھ ایجاد و صنعت ہے۔ لیکن جو قدرت اختراعی اور صنعت و کاریگری فقیر نے ملک انگلستان میں دیکھی یہاں عشرِ عشیر اُس کی بھی نہ پائی۔ شمہ یہ کہ وہاں کلیں آہنی توپ اور بندوق اور تلوار اور کاغذ اور کپڑے وغیرہ کی کھڑی کی ہیں کہ گھڑی بھر میں اُس سے ایک رقم کی ہزاروں چیزیں بنتی ہیں۔ یہاں کوئی اُس کی خبر نہیں رکھتا ہے بلکہ نام و نشان بھی نہیں جانتا ہے۔ رئیس ہندوستان کے خوابِ خرگوش میں پڑے رہتے ہیں۔ بٹیر یا مرغ یا کبوتر یا پتنگ بازی وغیرہ میں عمر برباد کرتے ہیں۔ کوئی تحصیلِ علم و ہنر کا شوق نہیں رکھتا ہے۔ امورات کارآمدنی اور فنون سپاہ گری یا شکار شیر وغیرہ سے کاہلی کرتا ہے۔ صد آفریں امیران انگلستان پر کہ اُن میں سے کوئی تمام دن میں ایک گھڑی اپنی برباد نہیں کرتا ہے۔ ہر کوئی اپنے کام میں شام تلک مصروف رہتا ہے۔ رات کو عیش و عشرت کرتے ہیں۔ خیال سیر ملکوں کا سر میں رکھتے ہیں۔ عورتیں ان کی بھی تضیع اوقات نہیں کرتی ہیں۔ علم و ہنر میں مشغول رہتی ہیں۔ بہ خلاف ہندوستان کے کہ مرد یہاں کے امور بے جا میں صرف اوقات کرتے ہیں اور اپنی عورتوں کو ایک مکان میں قید کر کے دنیا و مافیہا سے غافل کر دیتے ہیں۔ سوائے دیوار خانہ یا چھت آسمان کے اُن کو نظر نہیں آتا ہے۔ ہر مرد اس پردہ نشینی کو باعثِ عصمتِ بی بی سمجھتا ہے۔ درحقیقت ان کو سیکھنے علم و ہنر سے باز رکھتا ہے۔

میرے نزدیک یہ خیال بے جا ہے کہ پردہ نشینی باعث عفت کا ہے۔ بلکہ جو عورت بالطبع عفیفہ اور صالحہ بنے اگر ہزار مردوں بد میں بیٹھے عصمت اس کی قائم رہے اور بدطینت عورت کو کوئی لاکھ پردے میں چھپائے۔ وہ اپنی حرکات ناشائستہ سے باز نہ آئے۔ ولایت لندن میں ایک عورت حسینہ ناکدخدا غیر مردوں کے ساتھ ایک بگھی میں بیٹھ کر جس ملک میں چاہے چلی جاوے۔ ہرگز اس سے کسی طرح کا فساد یا حرکت بد واقع نہ ہونے پائے۔ اس لیے کہ مرد نیک کار ہیں اور عورتیں حیادار۔ پس کیوں کر امرِ نامناسب کا خیال آوے۔

178
www.taemeernews.com

یہاں پردہ نشینی میں کیا کیا خرابیاں ہوتی ہیں۔ انجام کار ذلت اور رسوائیاں ہوتی ہیں۔ اگر یہاں کی عورتیں علم رکھتی ہوتیں اور بے پردہ باہر نکلتیں۔ ہرگز ایسا فساد نہ ہوتا۔ بھلا اس پردہ نشینی میں کیا فائدہ نکلا۔ حقیقت میں مردنادانی کرتے ہیں کہ عورتوں اپنی کو ایک مکان تنگ پنجرے سے میں قید کر کے تماشائے عجائبات زمانہ سے باز رکھتے ہیں۔ کیا اندھیر ہے کہ آپ سیر دیکھتے پھرتے ہیں اور اپنے ہم جنسوں یعنی عورتوں کو اجازت نہیں دیتے ہیں۔ کافی ہے اُن کو یہ پند ہر چہ بر خود نہ پسندی بدیگرے مپسند۔

ہر چند حال بہت تھا۔ لاکن اسی قدر لکھنا مناسب سمجھا۔ اس فقیر نے نہایت خونِ جگر کھایا۔ ۔تب جا کر یہ رسالہ مختصر طیّار ہوا۔ امید ہے کہ ارباب خرد اس کو پسند کریں۔ عیب گیری میں نہ مصروف ہوویں اب بھی یوسف حلیم کمل پوش سلیمانی مذہب ارادہ سیر ملک سیہ پوشوں (۱) کا رکھتا ہے اور ایران وتوران واصطنبول اور روس وماژندران وغیرہ کے جانے پر آمادہ ہے۔ بسبب لاچاری اور نہ بہم پہونچنے زادِراہ کے یہاں پڑا ہے۔ امیر اور رئیس ہندوستان کے ایسے خیال کب رکھتے ہیں کہ خرچ راہ کا اور ایک محرر کامل ہمراہ میرے کر کے رخصت کریں۔ بندہ ملکوں میں پھرے اور بے کم وکاست حال ہر جا کا اپنی آنکھ سے دیکھ کر بیان کرے۔ اگر یاوریٔ بخت سے کوئی متکفل خواہش میری کا ہوا، فبہا، نہیں تو فقیر تھوڑے دنوں میں راہی ہوگا۔ خدا مسبب الاسباب ہے، کوئی سبب کر دے گا۔ پاجامہ فقیری پہن کر سیر ملکوں کی کرے گا۔ ایک دن وہ تھے کہ میں انگلستان میں پریوں کے ساتھ چلتا پھرتا تھا۔ رات کو نفیس باجوں کی آواز سنتا تھا۔ ایک یہ وقت ہے کہ اس مکان ناہموار میں چڑیلوں کے پڑوس رہ کر صورت کر یہ ان کی دیکھتا ہوں اور رات کو ان کی آپس کی لڑائی کے شور وغل سے سونے نہیں پاتا ہوں۔ ولایت لندن میں پریوں کی سیر دیکھتا۔ دوکانوں خوش قطع کے نظارے کرتا۔ بارش برف کا عجب عالم تھا۔ نسیم خوشگوار بہاری سے دل شگفتہ ہوتا۔ سیکڑوں

179
www.taemeernews.com

بگھیاں اور گھوڑے نفیس نظر آتے۔ راگ معشوقوں کے دل میں اثر کرتے۔ یہاں بجائے گھوڑوں کے گدھے اینٹوں کے لدے رات کو دوڑتے دکھائی دیتے ہیں اور بجائے پریوں کے چڑیلوں کے منھ نظر پڑتے ہیں۔ جس مکان میں رہتا ہوں قریب اُس کے اجلاف لوگ رہتے ہیں۔ اُن کی عورتیں رات کو شراب پی پی کر درجہ بدرجہ ہمسایوں کو گالیاں دیتی ہیں۔ اگر بالفرض تھک کر چپ رہتی ہیں۔ مرد اُن کے بدمست ہوکر آلہا گاتے ہیں۔ دماغ کو پریشان کرتے ہیں۔

180
www.taemeernews.com

خاتمۃ الطبع از جانب کارپردازان مطبع (۱)

بعد حمد و نعت سیاحان قلزم ناپیدا کنار، عجائب روزگار و سیاحان منازل پرغرائب دشت و کہسار کو مژدۂ طرب افزا کہ اس زمان فرحت اقتران میں رشک آئینہ اسکندری کاشف حالات خشکی و تری عزیز مصر خوبی موسوم بہ تاریخ یوسفی مصنفۂ سیاح دیار و امصار صدق بیان وراست گفتار نثار پرجوش اعنی یوسف خان کمّل پوش جس میں حضرت مصنف نے اپنے سفر یورپ کے کل حالات بعبارات رنگین فقرات نمکین درج فرمائے ہیں، ناظرین باتمکین کو کل مقامات کے فوٹو دکھائے ہیں۔ بار دوم مطبع نامی و گرامی منشی نولکشور واقع لکھنؤ میں بعالی ہمتی جناب منشی پراگ نرائن صاحب دام اقبالہ ملک مطبع موصوف بماہ فروری ۱۸۹۸ء مطابق ماہ رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ حیلہ طبع سے آراستہ و پیراستہ ہوکر زیب آغوش مشتاقان ہوئی۔

ڈاکٹر مظہر احمد

ایسوسی ایٹ پروفیسر

شعبۂ اُردو، ذاکر حسین پوسٹ گریجویٹ ایوننگ کالج

جواہر لعل نہرو مارگ، نئی دہلی۔۲

Ph: 09212089910, 011-23271991

مرتّب کی دیگر کتابیں:

۱۔جدید اُردو شاعری اور خلیل الرحمٰن اعظمی	۱۹۸۹ء
۲۔پیروڈی (دو ایڈیشن)	
۳۔ورطۂ خیال (تنقیدی مضامین)	
۴۔مشتاق احمد یوسفی (تین ایڈیشن)	
۵۔تحریکِ آزادی کے ترانے	۱۹۹۷ء
۶۔تلمیحات	۲۰۰۷ء
۷۔مرزا محمد رفیع سودا	۲۰۰۷ء
۸۔عزیزن	۲۰۰۸ء
۹۔انتخاب کلیاتِ پروین شاکر (تین ایڈیشن)	
۱۰۔اُردو کے مزاحیہ افسانے	۲۰۰۹ء

''اس نے نہ صرف یہ کہ لندن کے قابلِ دید مقامات، اس کے مضافات، وہاں کے رہن سہن، کھیل تماشوں، وہاں کے لوگوں کی علم دوستی، وہاں کے عجائبات ونوادرات، وہاں کی تاریخی عمارات، وہاں کے رسم و رواج اور تہذیب و معاشرت کے دلچسپ مرقع پیش کیے بلکہ وہاں تک پہنچنے کے دوران اس نے جن مقامات ومناظر کو دیکھا ان کی بھی نہایت دلچسپ تصویر کشی کی ہے۔''

''عجائبات فرنگ صرف یوروپ، افریقہ کے ساحلی علاقوں، پرتگال اور مصر ہی کی تہذیب وتمدن کا سامان اپنے اندر نہیں سمیٹے بیٹھا، بلکہ اس میں ہندوستان کے اس عہد کے حالات کی طرف بھی بلیغ اشارے ملتے ہیں۔ زوال آمادہ ہندوستانی ریاستوں کا حال انگریز کی روز افزوں قوت، ہندوستان کے لوگوں کی عمومی مداہنت اور بے حسی، ریاکاری اور عیش پرستی کی بھی افسوس ناک تصویر سامنے آتی ہے۔''

تحسین فراقی

''وہ (کمبل پوش) سرتاپا حسن پرست ہے اور جہاں کہیں مقامی یا بدیسی حسیناؤں کو دیکھتا ہے، دیکھتا ہی وہ جاتا ہے اور ان کی عشوہ طرازیوں پر اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کو تیار رہتا ہے۔ اس کی جمال پرستی کا یہ عالم ہے کہ زمین پر گری دو عورتوں میں خوبصورت خاتون کو سہارا دے کر اٹھالیتا ہے اور بدصورت کو وہیں پڑا رہنے دیتا ہے۔ وہ نسوانی حسن کا پرستار ہے لیکن جسم پرست نہیں۔ دیارِ فرنگ میں جہاں کہیں عریانیت دکھائی دیتی ہے وہ اسے سخت ناپسند کرتا ہے۔''

اکرام چغتائی

182
www.taemeernews.com

مقدمہ

ان دیکھے جہانوں کی تلاش وجستجو اور نئی دنیا کی سیر انسانی فطرت کا خاصہ ہے۔ چنانچہ اس جبلّی تشنگی کو بجھانے کے لئے بنی نوع انسان نے تہذیب وتمدن کی ہوا لگنے سے پہلے ''سفر'' اختیار کیا اور نئے جہانوں کی تلاش میں سرگرداں ہوگیا۔ کرۂ ارض کے کونے کونے کی خاک چھانی اور اسی جبلّت کے تحت ترقی وتبدّل کے ان گنت مراحل طے کرتا ہوا مہذّب دنیا سے روشناس ہوا۔ بقول شخصے'' سفر وسیلۂ ظفر ہے'' اور اس ظفر مندی نے انسان کو بلند سے بلند تر مقام تک پہنچایا ہے۔ انسان کی کہانی کا پہلا ورق ''سفر'' کی دشواریوں کا غماز ہے کہ حضرت آدم کا جنت سے نکالا جانا ہی عظیم سفر کا استعارہ ہے۔ یہ سفر آج بھی جاری وساری ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ چنانچہ سفر کا تعلق انسان کی ابتدا سے ہے اور اس کی انتہا پر یہ سلسلہ اختتام پذیر ہوگا۔

دنیا کی ہر بڑی اور زندہ قوم کے افراد نے سفر کیے ہیں اور اپنے مشاہدات وتجربات کو قلم بند کرنے کی سعی بھی کی ہے۔ چنانچہ ادبیاتِ عالم میں بڑی تعداد میں سیاح ہی نہیں ہیں، بلکہ ان کے سفر نامے بھی شیرازہ بندی کے عمل سے گزرے ہیں۔ بطورِ خاص مسلمانوں نے بے شمار سفر نامے تحریر کیے ہیں کہ یہ مذہب نئے جہانوں کی سیر کی اجازت دیتا ہے تاکہ سیر وسیاحت کے ساتھ ساتھ تبلیغ واشاعتِ اسلام کا فریضہ بھی انجام دیا جاسکے اور پھر اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک رکن جسے فرض کی حیثیت حاصل ہے، سفر سے ہی متعلق ہے یعنی — ''سفرِ حج''، چنانچہ ہر سال ہزارہا فرزندگانِ توحید اس فرض کی ادائیگی کے لئے رختِ سفر باندھتے ہیں اور عازمِ مکّہ ہوتے ہیں۔ حج کا یہ سفر ظاہری وباطنی دونوں کیفیات سے عبارت ہے، اس کے علی الرغم اہلِ طریقت کا تمام فلسفہ مصطلحاتِ سفر سے ہی متعلق ہے۔ یہاں سالک راہِ حق پر سرگرداں ہوتا ہے اور سفر کی صعوبتوں سے گزرتا ہوا بلندیٔ فکر ونظر سے ہم کنار ہوتا ہے۔ سفر الی اللہ کا یہ سلسلہ مسافر،

183 www.taemeernews.com

مقدمہ

منزل اور راہ کے متعلقات کی باطنی اصطلاحوں سے مزین ہے اور سفر کا اختتام فنا فی اللہ پر ہوتا ہے۔ چنانچہ صوفیوں کے تمام سلاسل میں سفر اور متعلقاتِ سفر کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ بقول خواجہ میر درد:

مانندِ فلک دل متوطن ہے سفر کا
معلوم نہیں اس کا ارادہ ہے کدھر کا

سیاروں اور ستاروں کی بے کراں خلا میں گردش بھی سفر کا ہی سلسلہ ہے اور یہ سلسلہ مالکِ دو جہاں کے ''کن فیکون'' کی ادائیگی سے جاری ہے۔ کائنات لمحہ بہ لمحہ پھیلتی جا رہی ہے اور یہ پھیلاؤ بھی، سفر کی علامت ہے۔ اس سفر کا خاتمہ دراصل تمام کائنات کا خاتمہ ہے۔ چنانچہ ہم سب اس عظیم الشان سفر کا حصہ ہیں۔

سفر کا مقصد تحصیلِ علم بھی ہے اور مشاہدۂ قدرت بھی۔ نئے جہانوں کی سیر بھی ہے اور مختلف تہذیب وتمدن سے روشناسی کا ذریعہ بھی۔ تبلیغِ مذہب بھی ہے اور تلاشِ معاش بھی، مقاماتِ مقدسہ کی زیارت بھی ہے اور محض سیر وسیاحت بھی۔ یہاں تحیّر وتجسّس، تحریکِ سفر کا سبب بنتے ہیں۔ یہی تحیّر وتجسّس انسان کو آمادۂ سفر کرتے ہیں اور وہ سفر کی صعوبتوں سے بہ آسانی گزر جاتا ہے۔ دیدۂ بینا سفر کو لطافت وندرت عطا کرتا ہے اور مشاہدہ کی گہرائی و جزئیات نگاری تحریری مرقعوں کی صورت میں جلوہ گر ہوتے ہیں اور ہمیں یہ گمان ہوتا ہے کہ ہم سیاح کی انگلی تھامے نو دریافت شدہ جہانوں سے گزرتے جا رہے ہیں اور صرف گزرتے ہی نہیں جا رہے بلکہ وہ قدم قدم ٹھہرتا ہوا منظر در منظر ہمیں حیرت واستعجاب میں مبتلا کرتا جا رہا ہے۔ چنانچہ سفرنامے کے خصائص میں ''پرکھ، کھوج، تفحص، تحقیق، تردّد اور تفتیش'' کی خاص اہمیت ہے اور یہاں تقابل وتجزیے کے ذریعے ایک ایسی دیدہ زیب فضا قائم کی جاتی ہے کہ جس کی دلفریبی میں گم ہو کر قاری وسامع دنیا و مافیا سے بیگانہ محض ہو کر اس سفر کا حصہ بن جاتا ہے۔

سفرنامے سوانحی کوائف کے ساتھ ساتھ تاریخی وجغرافیائی معلومات کی کھتونی ہوتے ہیں۔ سفرنامہ نگار اپنے حالات وخیالات کو ہی قلم بند نہیں کرتا بلکہ بالواسطہ طور پر تاریخ نگاری کے فریضے کو بھی انجام دیتا ہے کہ جس دور میں سفرنامہ نگار مصروفِ سفر ہوتا ہے، اس دور کے تاریخی واقعات پر

184 www.taemeernews.com

بھی تبصرہ کرتا جاتا ہے۔ نیز نئے علاقوں اور ممالک کی سیر کے پس منظر میں وہاں کی آب و ہوا، جغرافیائی حالات، تہذیب و معاشرت اور انسانی زندگی کے معمولی واقعات کو بھی صفحۂ قرطاس کی زینت بناتا جاتا ہے۔ ایک اچھے سفرنامے میں جغرافیہ اور تاریخ کی آمیزش ہوتی ہے۔ سیاح بھانت بھانت کی تہذیبوں سے ٹکراتا ہے اور مختلف النوع انسانی گروہوں سے ملتا ہے اور انسان شناسی اور انسان فہمی کے نئے مدارج طے کرتا ہے۔ ایک کامیاب سیاح کی آنکھ تعصبات سے مبرا ہوتی ہے۔ وہ محدود فضا سے نکل کر لامحدود دنیاؤں میں پہنچ جاتا ہے اور اس کے مشاہدے اور مطالعے میں بے پناہ وسعت در آتی ہے۔ بوسیدگی اور فرسودگی سے اسے نجات مل جاتی ہے۔ اس کے نت نئے تجربے، اس کی شخصیت میں خوشگوار تبدیلیاں پیدا کرتے ہیں اور وہ قاری کو بھی اس میں شامل کر لیتا ہے۔ چنانچہ سفرنامے کا مطالعہ دراصل فہم و ادراک میں تحرک و تبدل پیدا کر دیتا ہے اور قاری زیادہ بڑی اور عظیم دنیا سے ہمکنار ہوتا ہے۔

سفرنامہ ایک نوع کی ''خودنوشت'' ہے کہ اس میں سیاح اپنی زندگی کے حالات قلم بند کرتا ہے۔ یوں خودنوشت بھی دراصل زندگی کے سفر کی ہی روداد ہے۔ اس حیثیت سے سفرنامے کی اہمیت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایک کامیاب سفرنامہ سیاحت اور ادب کی خوبصورت آمیزش سے عبارت ہے۔ ذوقِ سفر سیاح کو آمادۂ سفر کرتا ہے اور وہ اپنے قوتِ مشاہدہ کی بدولت زندگی کے سرد و گرم کو نہایت باریک بینی سے دیکھتا ہے اور ہر منظر، عمارت اور ملک کے حالات پیشِ نظر رکھتا ہے۔ یہ کام قوتِ باصرہ کا ہے اور پھر سیاح ان جزئیات کو خوبصورت اور، دلکش اسلوب میں پیش کرتا ہے۔ زبان و بیان پر اس کی قدرت اور اسلوب پر اس کی گرفت سفرنامے کو ادبی رنگ عطا کرتی ہے اور یوں تمام مناظر و مقامات متحرک ہو جاتے ہیں اور سیاح کا تجربہ قاری کا تجربہ بن جاتا ہے۔

ایک کامیاب سفرنامہ میں خارجی واقعات کے ساتھ ساتھ داخلی احساسات و فکری میلانات کی آمیزش بھی ہوتی ہے۔ سیاح تقابل و تجزیہ کے ذریعے مختلف و متضاد تہذیبوں پر اظہارِ خیال کرتا ہے اور ایسا کرتے ہوئے اپنے نظریۂ حیات کی تبلیغ و اشاعت بھی کرتا ہے۔ سیاح کے یہ تبصرے اگر غیر جانبدار ہوئے تو ایک خوشگوار فضا وقوع پذیر ہوتی ہے۔ ورنہ سفرنامہ محدود ذہنی و فکری خیالات کا مجموعہ ہو کر رہ جاتا ہے۔

185
www.taemeernews.com

مقدمہ

سفرنامے میں وقائع نگاری کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ دراصل ایک کامیاب سفرنامہ واقعات کی ایک سلسلہ وار کڑی ہوتا ہے، ہم سیّاح کی نظر اور قلم کے ذریعے دنیا جہاں کی سیر ہی نہیں کرتے بلکہ وہاں پیش آنے والے واقعات کے بھی چشم دیدہ گواہ بن جاتے ہیں۔ وہ ہمیں اپنے ساتھ دیس بدیس لیے پھرتا ہے اور ہم گھر بیٹھے ہی سات سمندر پار کی سیر کر آتے ہیں۔ سفرنامہ نگار جن ملکوں، شہروں، بازاروں اور گلی کوچوں سے گزرتا ہے، وہاں پیش آنے والے واقعات، مشاہدات و تجربات اور وہاں پائے جانے والی مخلوقات (انسان اور دیگر) کے متعلق بھی معلومات فراہم کرتا چلا جاتا ہے۔ بلکہ سیاسی، سماجی اور تہذیبی حالات پر بھی اظہار خیال کرتا چلا جاتا ہے اور یوں واقعہ نویسی کے ساتھ ساتھ تجزیاتی اسلوب کے ذریعے اپنی تحریر کو زیادہ مؤثر اور اہم بنا دیتا ہے۔ روایتی اور غیر روایتی سفرناموں کے سلسلے میں مشفق خواجہ کا یہ اقتباس غور طلب ہے:۔

> ''روایتی سفرنامہ ہمیں مقاماتِ سفر سے متعارف کراتا ہے اور غیر روایتی سفرنامہ کیفیتِ سفر سے۔ مقاماتِ سفر کی تفصیل لکھنے والا زماں و مکاں کا اسیر ہوتا ہے۔ جبکہ کیفیاتِ سفر قلم بند کرنے والا زماں و مکاں سے ہٹ کر بھی سوچتا ہے اور یہی چیز اس کے سفرنامے کو معلومات کا گنجینہ بننے سے بچاتی ہے اور اس کا رشتہ ادب سے قائم کرتی ہے۔'' (مشفق خواجہ، دیباچہ موسموں کا عکس از جمیل زبیری ص ۱۰)

زمان و مکاں سے بلند ہو کر سوچنے والا سیاح تاریخ نویسی کے ساتھ سفرنامے کو ایک وسعت عطا کرتا ہے اور یہی وسعت ایسے سفرنامے کو ادب عالیہ بنا دیتی ہے۔

☆☆☆

برصغیرِ ہند و پاک سے متعدد سیّاح، آوارہ گرد اور مسافر، سیر و سیاحت، تلاش حق اور نئے جہانوں کی سیر، کی غرض سے رختِ سفر باندھتے رہے ہیں (حالانکہ خود برصغیر دنیا کے سیّاحوں کی تلاش و جستجو کا ایک اہم مرکز رہا ہے۔) ان میں سے بیشتر سیّاح مسلمان تھے، بطورِ خاص انیسویں صدی کے ابتدائی برسوں میں کئی مسافروں نے برطانیہ (لندن) کی راہ اختیار کی۔ انگریز برصغیر کے حاکم تھے اور انسانی جبلّت ہے کہ محکوم حاکموں سے مرعوب و متاثر ہوتے ہیں اور ان کی ہر ادا کے

186 www.taemeernews.com

تمنائی، چنانچہ اس خطۂ خاص سے خاصی تعداد میں اپنے حاکموں کے ملک کی سیر و سیاحت، تہذیب و تمدن، رسم و رواج، تاریخ و جغرافیہ کے قریبی مطالعے کے لئے لوگوں نے رختِ سفر باندھا اور ہزار ہا مصیبتوں اور پریشانیوں سے دوچار ہوتے ہوئے کامیاب و کامران وطنِ عزیز واپس لوٹے۔

''یوسف خان کمبل پوش'' سے قبل انگلستان کا سفر اختیار کرنے والوں نے اپنے سفرنامے فارسی زبان میں تحریر کئے۔ لہٰذا'' تاریخِ یوسفی المعروف بہ عجائباتِ فرنگ''، جو ہمارا موضوع ہے۔ اُردو کا پہلا سفرنامہ ہے حالانکہ کمبل پوش نے اسے پہلے فارسی ہی میں تحریر کیا تھا، بعدازاں اردو کے قالب میں ڈھالا۔ کمبل پوش سے قبل کے سیاحوں کی تفصیلات ہمیں اسلامیہ کالج کلکتہ کے پروفیسر عبدالقادر کے ایک مضمون، بہ زبان انگریزی سے دستیاب ہوتی ہیں۔ موصوف کے اس مضمون کا عنوان "Early Muslim Visitors of Europe From India" ہے۔ ان کے مطابق محمد قباد بیگ پہلا مسافر تھا جو عازمِ یوروپ ہوا، اس کے بعد میر محمد حسین لندنی، اعتصام الدین، ابو طالب اصفہانی (لندنی) وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ یہ سبھی اٹھارویں اور انیسویں صدی کے درمیانی عرصے میں عازم سفر ہوئے۔

تحسین فراقی نے اپنے پُر مغز مقدمے (عجائباتِ فرنگ) میں کمبل پوش سے قبل یورپ کے سفر پر جانے والے کئی سیاحوں کا تذکرہ کیا ہے۔ نیز ان کے سوانحی کوائف پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان سیاحوں کے سفرنامے بہ زبان فارسی لکھے گئے۔ ان سفرناموں میں نہایت تفصیل کے ساتھ اسفار کی روداد بیان کی گی۔ ایسے اسفار میں میر محمد حسین لندنی، شیخ اعتصام الدین تاج الدین (شگرف نامۂ ولایت ۱۷۶۵ء کا مصنف) اور ابو طالب اصفہانی (مسیر طالبی فی البلاد افرنجی ۱۷۹۹ء کا مصنف) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آخرالذکر دو سیاحوں کے سفرناموں کا تحسین فراقی نے قدرے تفصیل سے جائزہ لیا ہے۔ خاص طور پر ان واقعات و حادثات اور سیاحتی مقامات کا تذکرہ کیا ہے جو کمبل پوش کے سفرنامے میں بھی موجود ہیں تا کہ تقابل و تجزیہ سے کمبل پوش کے سفرنامے کی اہمیت و افادیت کا اندازہ ہو سکے۔ ان دونوں سیاحوں نے ہندوستان کے سیاسی و سماجی حالات کی ابتری، نظم و نسق کی کمی، عوام کی بدحالی، امراء اور حاکموں کی عوام کی طرف سے چشم پوشی اور انگریزوں کے روز بروز بڑھتے ہوئے عمل دخل اور تسلط پر بھی خامہ فرسائی کی ہے

ایسے ہی خیالات کا اظہار کمبل پوش بھی اپنے سفرنامہ میں کرتا ہے۔ اعتصام الدین اور ابو طالب اصفہانی کے سفرنامے تجسّس کے ساتھ ساتھ حیرت زا واقعات سے پُر ہیں۔ دورانِ سفر پیش آنے والے واقعات، مشاہدات اور تجربات بھی نہایت تفصیل و جزئیات کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ لندن کی تعریف کے سلسلے میں یہ سیّاح یک زبان ہیں۔ وہاں کی تہذیب و تمدن، ترقی اور طرزِ معاشرت کی تعریف کرتے ہوئے ان کی زبان نہیں تھکتی۔ گمان ہوتا ہے کہ وہ انگریزوں کی ہر شے سے حد درجہ متاثر و مرعوب ہیں چنانچہ ان کی مداحی میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ مذہب و عقائد کے تذکرے میں ان کے کچھ اعتراضات ہیں اور وہ ان پر بے لاگ تبصرے بھی کرتے ہیں۔

اُس دور کے رواج کے مطابق یہ دونوں سیّاح مذہبی مناظرات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں عیسائی مبلّغین سے ان کے بحث و مباحث دلچسپی کے باعث ہیں۔ عیسائی مذہب پر ان کی آرا خاصی دلچسپ اور معنی خیز لگتی ہیں۔ پادریوں سے ملاقاتیں اور مفکرانہ و فلسفیانہ مباحث ان اسفار میں دل چسپی پیدا کر دیتے ہیں۔ ابو طالب اصفہانی نے (کمبل پوش کی طرح) انگریزی تہذیب و معاشرے کی محض خوبیوں پر ہی اظہار خیال نہیں کیا بلکہ اس کی کج ادائیوں اور خامیوں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ اس اعتبار سے یہ سفرنامے اہمیت کے حامل ہیں اور چونکہ فارسی زبان میں تحریر کیے گئے چنانچہ کمبل پوش کے پیش روؤں کی حیثیت سے ان کی اہمیت دوچند ہے۔ شگرف نامہ اور مسیر طالبی کے ترجمے اُردو میں ہوئے مگر دیگر فارسی اسفار کے ترجمے شائع نہ ہو سکے۔ گمانِ غالب ہے کہ کمبل پوش نے ان سفرناموں کا مطالعہ کیا ہوگا اور اپنے سفرنامے کی ترتیب و تالیف میں ان سے استفادہ بھی کیا ہوگا۔

☆☆☆

اُردو میں سفرناموں کا نقشِ اوّل ''تاریخِ یوسفی المعروف بہ عجائبات فرنگ'' از یوسف خاں کمبل پوش ہے۔ نقشِ اوّل ہونے کے باوجود یہ سفرنامہ فنِ سفرنامہ نگاری کے جدید معیارات پر پورا اُترتا ہے۔ اس کا اسلوب، اندازِ بیان، تحیر و تجسّس اور حیرت انگیز معلومات نے اسے آج بھی قابلِ مطالعہ بنایا ہوا ہے۔ کمبل پوش کی صاف گوئی اور سچائی کے ساتھ ساتھ عجائبات عالم دیکھنے اور دکھانے کی لگن خاص طور پر قابلِ غور ہے۔ ''عجائباتِ فرنگ'' پر مفصّل اظہار خیال سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم یوسف خاں کمبل پوش سے متعلق سوانحی، علمی و ادبی معلومات حاصل کر لیں۔

188 www.taemeernews.com

یوسف خاں کمبل پوش کے حالاتِ زندگی پردۂ خفا میں ہیں۔ اس کے سالِ پیدائش و وفات پر بھی وقت کی گرد جمی ہوئی ہے۔ اُس دور کے تذکروں اور تاریخِ ادب کی کتابوں میں اس کا ذکر نہ ہونے کے برابر ہے۔ چنانچہ جو چند احوال اس سے متعلق مختلف کتابوں میں دستیاب ہیں ان کے اقتباسات درج ہیں۔

سیّد محسن علی کے تذکرے ''سراپا سخن'' میں کمبل پوش کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:۔

① ''یوسف خاں یوسف تخلص، ولد رحمت خاں باشندہ لکھنؤ، شاگرد خواجہ حیدر علی آتش [1]

اسی تذکرے میں پاؤں کی ردیف کے تحت اشعار درج کرتے ہوئے سیّد محسن علی نے یہ الفاظ دہرائے ہیں:۔

② ''یوسف خاں یوسف ولد رحمت خاں غوری باشندہ لکھنؤ'' [2]

کمبل پوش کے ایک معاصر تذکرہ نگار عبدالغفور نساخ نے کم و بیش ان ہی تفصیلات کا اندارج کیا ہے، ملاحظہ ہو:۔

③ ''یوسف تخلص، یوسف خاں ولد رحمت خاں غوری باشندۂ لکھنؤ
شاگرد آتش [3]

اس دور کے ایک اہم ادبی تاریخ نویس اور خطبہ خواں گارساں دتاسی نے قدرے تفصیل کے ساتھ یوسف خاں کمبل پوش سے متعلق معلومات فراہم کی ہیں۔ چنانچہ ۲ دسمبر ۱۸۶۱ء کے گیارہویں خطبے میں رطب اللسان ہے:۔

④ ''۱۰ اگست گزشتہ لکھنؤ میں یوسف خاں بہادر کا انتقال ہوا۔ یہ عیسائی ہونے کے ساتھ ہی اُردو زبان کے بڑے عمدہ انشا پرداز تھے۔ ان کا لقب کمبلی پوش مشہور تھا۔ موصوف واجد علی شاہ کے توپ خانے میں تقریباً ۳۰ سال خدمت انجام دے چکے تھے۔ انہوں نے اُردو میں ''سیر و

---

[1] سیّد محسن علی: سراپا سخن ۱۸۷۵ء ص ۸۲ (بحوالہ تحسین فراقی)

[2] ایضاً ص ۳۶۵

[3] عبدالغفور نساخ: سخن شعرا ۱۸۷۴ء ص ۵۷۰ (بحوالہ تحسین فراقی)

189 www.taemeernews.com

سفر'' کے نام سے اپنا سفرنامہ لکھا ہے۔ یہ سفرنامہ دہلی میں ۱۸۴۷ء میں شائع ہوا۔ اسٹورٹ ریڈ نے اس سفر نامے کا مقابلہ Morier کی کتاب 'Haji Baba in England' سے کیا ہے۔اس ضمن میں سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ یوسف خاں بہادر ہندوستانی نہیں تھے بلکہ اطالوی تھے۔ یہ مسلمان بھی نہیں تھے۔ بلکہ کیتھولک مسیحی تھے اور مرتے دم تک کیتھولک عقائد پر قائم رہے۔اصل میں ان کا نام Delmerich تھا اور کہا جاتا ہے کہ ان کا فلورنس کے مشہور Medicis خاندان سے تعلق تھا۔کوئی پندرہ سال ہوئے کہ یوسف خاں بہادر سیاحت کی غرض سے انگلستان، فرانس، اسپین، پرتگال اور جرمنی گئے تھے۔ واپسی پر ترکی اور عربستان کے راستے ہندوستان واپس آئے میں نے ابھی جس سفرنامہ کا ذکر کیا ہے وہ دراصل انہی ملکوں کے حالات پر مشتمل ہے۔انہوں نے یہ سفرنامہ خود اُردو میں لکھا تھا۔[1]

گارسیں دتاسی کی ''تاریخِ ادبیات ہندوی و ہندوستانی'' کے دوسرے ایڈیشن، جس کی تاریخ طباعت ۱۸۷۱ء ہے، کی تیسری جلد میں کمبل پوش سے متعلق یہ اقتباس درج ہے:۔

> ⑤ یوسف خاں لکھنوی، اس کے والد کا نام رحمت خاں غوری تھا۔ خواجہ حیدر علی آتش کا شاگرد تھا۔ ہندوستانی میں شعر کہتا تھا۔ اس کا لقب 'کمبل پوش' ہے محسن نے اپنے تذکرے میں کمبل پوش کے اشعار نقل کیے ہیں۔ وہ سلطنتِ اودھ میں ملازم تھا۔اس نے ۱۸۳۷۔۱۸۳۸ء میں انگلستان اور فرانس کا سفر کیا۔ اس نے اُردو زبان میں اپنے سفر کے حالات قلم بند کیے۔ ایچ۔ایس۔ ریڈ صاحب نے اس سفرنامے پر ایک مضمون تحریر کیا ہے ۔ جس میں انہوں نے اس سفر نامہ کا موازنہ مورئر Morier کے ''حاجی بابا اِن انگلینڈ'' سے کیا ہے۔ مضمون نگار نے

---

[1] خطباتِ گارسیں دتاسی ۱۸۵۰ء۔۱۸۶۹ء ص ۱۹۔۳۱۸

190 www.taemeernews.com

کمبل پوش کی بے جا جزئیات نگاری پر اعتراض کیا ہے اور ان کے خیال میں ایسی تفاصیل کا درج کرنا ضروری تھا جن سے بلاشبہ یورپ کی ایشیا پر برتری ثابت ہوتی۔[1]

کمبل پوش کے حالاتِ زندگی کا سب سے اہم، بنیادی اور بڑا ماخذ اس کی اپنی تصنیف ہے۔ سفر کی ابتدا سے قبل ''حالِ مؤلف'' کے تحت اس نے چند جملے اپنی ذات کی نذر کیے ہیں۔ یہ جملے حسب ذیل ہیں:۔

(۶) ''یہ فقیر بیچ سن اٹھارہ سو اٹھائیس عیسوی مطابق سن بارہ سو چوالیس ہجری کے حیدرآباد وطن خاص اپنے کو چھوڑ کر عظیم آباد، ڈھاکہ، مچھلی بندر، مندراج، گورکھپور، نیپال، اکبرآباد، شاہجہان آباد وغیرہ دیکھتا ہوا بیت السلطنت لکھنؤ میں پہنچا یہاں بمددگاری نصیبے اور یاوری کپتان خاں منکنس صاحب بہادر کی، ملازمت نصیرالدین حیدر بادشاہ سے عزت پانے والا ہوا۔ شاہ سلیمان جاہ نے ایسی عنایت اور خاوندی میرے حال پُر اختلال پر مبذول فرمائی کہ ہرگز نہیں تابِ بیان اور یارائے گویائی۔ رسالۂ خاص سلیمانی میں عہدہ جماعہ داری کا دیا۔ بعد چند روز کے صوبہ داری اسی رسالے کی دے کر بڑھایا۔ بندہ چین سے زندگی بسر کرتا اور شکرانہ منعمِ حقیقی کا بجالاتا۔ ناگاہ شوق تحصیل علم انگریزی کا دامن گیر ہوا۔ بہت محنت کر کے تھوڑے دنوں میں اسے حاصل کیا۔ بعد اس کے بیشتر کتابوں تواریخ کی سیر کرتا۔ دیکھنے حال شہروں اور راہ ورسم ملکوں سے محظوظ ہوتا۔ اکبارگی سن اٹھارہ سو چھتیس عیسوی میں دل میرا طلب گار سیاحی جہاں خصوص ملک انگلستان کا ہوا۔ شاہ سلیمان جاہ سے اظہار کر کے رخصت دو برس کی مانگی۔ شاہ گردوں بارگاہ نے بعد عنایت و انعام اجازت دی۔ عاجز تسلیمات بجالایا اور راہی منزلِ مقصود کا ہوا۔[2]

---

[1] بحوالہ تحسین فراقی ص ۵۲

[2] عجائبات فرنگ (نولکشور) ص ۳، ۴

www.taemeernews.com

بیسویں صدی کے دو ادبی تاریخ نویسوں کے یہاں بھی کمبل پوش اور اس کی تصنیف سے متعلق معلومات ملتی ہیں۔ حالانکہ یہ تمام معلومات ''تاریخِ یوسفی'' سے ہی اخذ کی گئی ہیں۔ مگر ان کی اولیت اور بعد ازاں تاریخ نویسوں کی اُردو کے اس پہلے سفرنامے سے متعلق خاموشی کے سبب ان کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔

احسن مارہروی کی کتاب ''تاریخ نثر اُردو'' (نمونہ منشورات، ۱۹۲۹ء) میں کمبل پوش کے سفرنامے کی چند سطور (حالِ مؤلف) نقل کرتے ہوئے احسن مارہروی نے تبصرۂ کیفیت کے عنوان سے یہ اقتباس تحریر کیا ہے:۔

⑦ ''یہ سفرنامہ پنڈت دھرم نارائن کے اہتمام سے مطبع العلوم مدرسۂ دہلی میں چھپا ہے۔ جس کا سنِ طباعت ۱۸۴۷ء ہے۔ کتاب کا حجم ۲۹۷ صفحہ ہے اور اکثر صحتِ کتابت کا خیال رکھا گیا ہے۔ مگر املا میں یائے معروف و مجہول کا یک قلم لحاظ نہیں کیا گیا۔ زبان عام فہم ہے۔ البتہ پرانی ترکیبیں موجود ہیں۔ جن پر انتقالِ ذہنی اور توجہِ نظر کے لئے لکیریں (—) کھینچ دی ہیں۔''[1]

اُردو کے ایک اور معتبر تاریخ نویس حامد حسن قادری نے اپنی کتاب ''داستانِ تاریخ ادب اُردو'' میں ایک باب غیر مشہور مصنفین سے متعلق رقم کیا ہے۔ جس میں متعدد ایسے مصنفین کا ذکرِ خیر ہے کہ جن کی تالیفات تو مشہور تھیں مگر نام زبانِ خلق پر اتنے عام نہ تھے۔ نیز ان سے متعلق معلومات بھی عنقا تھیں۔ ان مصنفین میں یوسف خاں کمبل پوش کا نام نامی بھی موجود ہے۔ حامد حسن قادری صاحب کا مآخذ بھی ''تاریخ یوسفی'' ہے۔ اس لیے اس میں کسی اہم اضافے کی گنجائش تو نہیں، پھر بھی یہاں نقل کیا جا رہا ہے:۔

⑧ ''یوسف خاں کمبل پوش:۔ حیدرآباد وطنِ اصلی تھا۔ سیر و سیاحت کے لئے گھر سے نکلے، تمام ہندوستان کی سیر کر کے انگلستان کا سفر کیا۔ یورپ کے دوسرے مقامات اور مصر وغیرہ کی بھی سیر کی۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی سیاحوں میں سب سے قدیم تھے۔ ۱۸۲۸ء سے

---

[1] احسن مارہروی۔ تاریخ نثر اردو (نمونہ منشورات) ص ۱۲۷

192 www.taemeernews.com

سیاحت شروع کی۔ ۱۸۳۷ء میں ولایت کا سفر کیا۔ حالاتِ سفر لکھتے گئے، جن کو ۱۸۴۷ء میں دہلی میں چھپوایا۔ پھر دوبارہ ۱۸۷۳ء میں مطبع نول کشور میں چھپا۔ ''عجائباتِ فرنگ'' اس کا نام ہے۔ یہ اُردو میں سب سے پہلا سفرنامہ ہے اور بڑی خوبی یہ ہے کہ محض ایک سیاح کا سفرنامہ ہے۔ جس کی کوئی قومی وملکی یا تعلیمی غرض نہ تھی اور سب لوگوں کے سفر مثلاً مولوی مسیح الدین، سرسید احمد خاں، راجہ رام موہن رائے وغیرہ کے اس سے بعد کے ہیں اور بغرض سیر وسیاحت نہ تھے۔ پھر انیسویں صدی کے آخر میں اور بیسویں صدی میں بھی لوگوں نے یورپ کے سفرنامے لکھے ہیں۔[1]

درج بالا صفحات میں آٹھ اقتباسات نقل کیے گئے، جن میں یوسف خاں کمبل پوش کے سوانحی کوائف اور اس کے سفرنامے کی تفصیلات اجمالی طور پر رقم کی گئی ہیں۔ ان میں اقتباس نمبر ایک، دو اور تین کا تعلق اُس دور کے تذکروں سے ہے۔ چنانچہ ان مختصر اقتباسات میں تحریر کردہ حقائق پر اعتبار نہ کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ مگر یہ معلومات اتنی مختصر ہیں کہ ان سے کمبل پوش کے حالات کما حقہٗ واضح نہیں ہوتے، چنانچہ مذکورہ اقتباسات سے جو معلومات فراہم ہوتی ہے، وہ حسب ذیل ہیں۔

کمبل پوش کا نام یوسف خاں اور تخلص یوسفؔ تھا۔[2] والد کا نام رحمت خاں غوری تھا۔ لکھنؤ کا باشندہ اور خواجہ حیدر علی آتشؔ کا شاگرد تھا۔

---

[1] داستان تاریخ ادبِ اُردو۔ حامد حسن قادری ص ۳۷۲

[2] مذکورہ تذکرہ نویسوں نے کمبل پوش کے چند اشعار بھی درج کیے ہیں۔ یہاں قارئین کی دلچسپی کے لیے انھیں نقل کیا جاتا ہے۔ سراپا سخن:

رکھتی ہیں مدِ نظر گیسوئے خمدار آنکھیں — دام میں تیرے پھنساتی ہیں مجھے یار آنکھیں
اک قیامت ہے تیرا تیرِ نظر او ظالم — مارا بے موت اسے جس سے ہوئیں چار آنکھیں
فرقتِ یار میں ہرگز نہیں نیند آتی ہے — چشمِ انجم کی طرح رہتی ہیں بیدار آنکھیں
حسد و بغض سے یہ دیکھتا ہے یوسفؔ کو — کور ہوں غیر کی یا حیدرِ کرار آنکھیں

رخِ قمر سے زیادہ ہیں آب و تاب میں پاؤں — نہ دیکھے چشمِ فلک نے بھی ایسے خواب میں پاؤں

اگلے صفحہ پر جاری

193 www.taemeernews.com

ظاہر ہے کہ یہ معلومات برائے نام ہیں۔ان معلومات پر اقتباس نمبر چھ خاطر خواہ اضافہ کرتا ہے اوراس کی اہمیت یوں بھی ہے کہ خود کمبل پوش نے اپنے سفرنامے میں اپنے متعلق قدرے تفصیل سے یہ معلومات فراہم کردی ہیں۔ان معلومات کے تحت ہم ان کی سوانح میں درج ذیل اضافہ کرسکتے ہیں۔

''کمبل یوسف کا وطن حیدرآباد (دکن) تھا۔ جہاں سے وہ ۱۸۲۸ء میں ہندوستان کے مختلف علاقوں کی سیاحت کرتا ہوا لکھنؤ آکر بس گیا۔ یہاں ایک انگریز دوست کی وساطت سے نواب نصیرالدین حیدر کی فوج میں ملازمت اختیار کرلی۔ پہلے جماعہ داری کے عہدے پر فائز رہا، بعد ازاں ترقی کرکے صوبہ دار (فوج) مقرر ہوا۔انگریزوں کی قرابت داری کے سبب انگریزی زبان سے دلچسپی پیدا ہوئی اوراس زبان پر دسترس بھی حاصل کرلی۔ نیز تاریخی کتابوں کی مطالعے میں دلچسپی رکھتا تھا۔بطور خاص شہروں اور ملکوں کے حالات سے محظوظ ہوتا۔۱۸۳۶ء میں نواب سے دوسال کی اجازت لے کر انگلستان روانہ ہوا۔یعنی کمبل پوش نے سفر اختیار کرنے سے پہلے آٹھ سال شاہِ اودھ کی ملازمت کی۔''

یہ معلومات چونکہ خود مصنف نے فراہم کی ہیں چنانچہ ان کی صداقت پر کوئی انگشت نمائی نہیں

پچھلے صفحہ سے جاری

سوالِ بوسۂ عارض پہ ناز کہتا ہے — عوض انگوٹھے کے اس کو دکھا جواب میں پاؤں،
بغل میں دخترِ رز کو لیے زمیں پہ گرا — یہ لڑکھڑائے مرے نشۂ شباب میں پاؤں
خطا ہوئی جو کفِ پا کو روئے حور کہا — چھپایئے نہ برائے خدا حجاب میں پاؤں
طوافِ کعبۂ کوئے صنم میں ہیں مصروف — نہ ایک گام چلیں گے رہِ صواب میں پاؤں
ہمیشہ شرم ہے اعلیٰ کو اسفلوں سے زیاد — چھپیں نہ منہ کی طرح پردۂ نقاب میں پاؤں
جنوں میں لاکھ پھرا شکلِ مرغ قبلہ نما! — کبھی نہ گھر سے ہوئے باہر اضطراب میں پاؤں
خدا کے فضل سے وہ دن نصیب ہو یوسفؔ — رواں ہوں سوئے نجف عشقِ بوتراب میں پاؤں

بخنِ شعرا:

رخِ قمر سے زیادہ ہیں آب و تاب میں پاؤں — نہ دیکھے چشمِ فلک نے بھی ایسے خواب میں پاؤں
کاٹا پہاڑ دل میں نہ شیریں کے گھر گیا — پتھر پڑے نصیب پہ اے کوہکن ترے

194 www.taemeernews.com

کرسکتا۔ کمبل پوش اپنے سفر سے لوٹا تو اودھ کی فوج میں اس کی نوکری بحال کردی گئی۔ (اس کی تصدیق سفرنامے کے آخری اوراق سے ہوتی ہے) سلطنت اودھ کے خاتمے (۱۸۵۶ء) کے بعد کمبل پوش کہاں گیا اور کیا کرتا رہا، کچھ معلوم نہیں۔ ہاں اقتباس نمبر چار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا انتقال ۱۸۶۱ء میں بمقام لکھنؤ ہوا۔ تحسین فراقی نے اپنے مقدمے (عجائباتِ فرنگ) میں چند قیاسی آرا کے ذریعے کمبل پوش کی عمر متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے مطابق اگر یہ قیاس کیا جائے کہ نصیرالدین حیدر کی فوج کی ملازمت اس نے کم سے کم پچیس سال کی عمر میں اختیار کی ہوگی (اس وقت سن ۱۸۲۸ء تھا) تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کا سنِ پیدائش ۱۸۰۳ء ہوگا۔ گارسیں دتاسی کے مطابق اس کا انتقال ۱۰ اگست ۱۸۶۱ء کو ہوا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کمبل پوش نے تقریباً اٹھاون سال عمر پائی'' ظاہر ہے کہ یہ محض قیاس ہے چنانچہ اسے نیم صداقت کے ذیل میں رکھا جاسکتا ہے اور جب تک کہ کوئی اہم، معتبر اور مستند حوالہ سامنے نہیں آجاتا۔ اس قیاسی تحقیق سے کام چلانا ہماری مجبوری ہے۔

گارسیں دتاسی کے اقتباس نمبر ۴ میں کئی اغلاط ہیں۔ اس اقتباس میں چند فاش غلطیاں بھی ہیں۔ وہ کمبل پوش کو مسلمان کے بجائے کیتھولک مسیحی (عیسائی) لکھتا ہے اور اس بات پر بھی زور دیتا ہے کہ کمبل پوش مرتے دم تک اپنے مذہب (عیسائیت) پر قائم رہا۔ نیز اسے ''اطالوی باشندہ'' قرار دیتا ہے اور اس کا نام Delmerick لکھتا ہے اور فلورنس کے مشہور خاندان Medicis سے اسے منسوب کرتا ہے۔ سفر سے متعلق تفصیلات بیان کرتے ہوئے دتاسی لکھتا ہے کہ وہ یورپ کے دیگر ممالک کی سیر کے ساتھ ساتھ جرمنی بھی گیا تھا۔ جہاں تک اس کے جرمنی جانے کا سوال ہے۔ سفرنامے میں اس کی کوئی شہادت موجود نہیں ہے اور چونکہ دتاسی نے خود اس سفرنامے کا مطالعہ نہیں کیا تھا، چنانچہ اس سے یہ غلطی سرزد ہوئی۔ کمبل پوش کے عیسائی ہونے، اطالوی باشندہ ہونے اور مشہور خاندان کا فرد ہونے کی تردید خود دتاسی نے یوں کردی ہے کہ اقتباس نمبر ۵ میں جو پہلے اقتباس سے ۱۰ سال بعد ضبطِ تحریر میں لایا گیا۔ اس کے مسلمان ہونے (یوسف خاں لکھنوی) اور اس کی ولدیت (رحمت علی خاں غوری) کے سلسلے میں دتاسی نے تذکرہ نگاروں کی معلومات پر انحصار کیا ہے اور اس طرح اپنے سابقہ بیان کو رد کردیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اسی ذیل

195 www.taemeernews.com

میں اس کے عیسائی نہ ہونے کی بھی تصدیق ہوگئی ہے۔ تحسین فراقی نے ان اغلاط پر بڑی معروضی گفتگو کی ہے اور کئی خارجی و داخلی شواہد کی بنا پر انہیں رد کر دیا ہے۔ ہمارے نزدیک خود دتاسی نے ہی ان غلطیوں کا اعتراف بالواسطہ طور پر کر لیا تھا چنانچہ اس کے بعد دیگر شہادتوں کی ضرورت نہ تھی حالانکہ تحسین فراقی کے دلائل خالی از دلچسپی نہیں اور ان کی دقتِ نظر، تحقیقی طریقۂ کار اور علمی و ادبی جانفشانی کے مظہر ہیں بطورِ خاص کمبل پوش کے مسلمان ہونے کے سلسلے میں تحسین فراقی نے جو داخلی و خارجی شواہد پیش کیے ہیں، غور طلب ہیں۔ دونوں تذکرہ نویسوں کے علاوہ عبدالقادر کے مضمون Early Muslim Visitors of Europe from India کے حوالے درج کیے ہیں۔ نیز کمبل پوش کے سفرنامے سے کئی اہم اقتباسات کا حوالہ دے کر اسے مسلمان ثابت کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ بعد ازاں تحسین نے گارسیں دتاسی کے خطبات کی عام فاش غلطیوں پر اظہار خیال کرتے ہوئے قاضی عبدالودود کے توسط سے لکھا ہے کہ دتاسی اردو، فارسی سے عالمانہ واقفیت نہ رکھتا تھا۔ اس کا حافظہ کمزور تھا، دقتِ نظر سے محروم تھا اور سنی سنائی باتوں پر یقین کر لیتا تھا۔ چنانچہ اس کے یہاں متعدد تحقیقی اغلاط موجود ہیں اور بقول قاضی عبدالودود صاحب اس کا شمار ''محسنین اُردو'' میں تو ہوسکتا ہے، محققین کی فہرست میں اسے شامل نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ کمبل پوش سے متعلق سوانحی کوائف کو ان ہی آرا کی روشنی میں دیکھنا چاہیے۔

اکرام چغتائی نے اپنی مرتب کردہ کتاب ''تاریخِ یوسفی'' میں سید غوث علی شاہ پانی پتی (۱۸۰۴۔۱۸۸۰ء) کے ایک دوست کمبل پوش کا ذکر کیا ہے۔ یہ سید غوث علی شاہ پانی پتی وہی ہیں، جن کی خدمت مرزا غالبؔ نے بھی کی ہے اور مولانا الطاف حسین حالیؔ نے ایک مرتبہ وحیدالدین سلیم پانی پتی سے ان کے متعلق کہا تھا کہ ''ہم نے تمام عمر میں تین صاحب کمال بزرگ دیکھے ہیں شاعروں میں مرزا غالب، مدبروں میں سرسید احمد خاں اور فقراء میں غوث علی شاہ صاحب''، انہیں غوث علی صاحب کے ملفوظات پر مشتمل کتاب 'تذکرۂ غوثیہ' میں متعدد مقامات پر کمبل پوش نامی ایک شخص کا تذکرہ ہے۔ جو دہلی کی مسجد، زینت المساجد میں غوث صاحب کی مصاحبت میں تھا۔ اکرام چغتائی صاحب نے اس کتاب کے آٹھ مختصر و طویل اقتباسات نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان میں کمبل پوش بطور نام استعمال ہوا ہے۔ ''یوسف خاں'' کہیں استعمال نہیں کیا گیا۔ اگر ایسا ہوتا تو شک و شبہ کی گنجائش نہ رہتی کہ صاحب عجائباتِ فرنگ اور یہ شخص دراصل ایک ہی ہیں، بعد ازاں چغتائی صاحب

196 www.taemeernews.com

نے چند مماثلات پر اظہار خیال کیا ہے۔ان میں کمبل پوش کے ظاہری کوائف جسم، داڑھی مونچھ، سیاحت کا شوق، عمر، وسیع المشربی، شعر گوئی وغیرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے دونوں شخصیات کو ایک ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔مگر خود ہی چند اختلافات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے دعوے پر شک وشبہ ظاہر کیا ہے۔ظاہر ہے کہ جب تک معتبر اور مستند حوالے دستیاب نہ ہوں گے تب تک حتمی طور پر کچھ کہنا مناسب نہ ہوگا، تاہم اکرام چغتائی کی اس تحقیقی کاوش کو پوری طرح نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا۔تفصیلات کے لئے ملاحظہ فرمائیں ''تاریخ یوسفی'' مرتبہ اکرام چغتائی۔

احسن مارہروی (اقتباس نمبر ۷) اور حامد حسن قادری (اقتباس نمبر ۹) ابتدائی ادبی مؤرخین ہیں، جنہوں نے کمبل پوش کے سفرنامے کا ذکر اپنی تاریخی کتابوں میں کیا۔حالانکہ دونوں کا مآخذ خود کمبل پوش کی فراہم کردہ معلومات (اقتباس نمبر ۶) ہیں۔مگر کم از کم ان اصحاب نے کمبل پوش کے اس سفرنامے کو قابلِ اعتنا تو سمجھا اور مختصراً ہی سہی اس کا تذکرہ تو کیا۔بعد کے تاریخ نویسوں نے تو اس کا نام لینے کی ضرورت بھی نہ سمجھی، محض چند تحقیقی مقالوں میں جن کا تعلق سفرناموں سے ہے۔کمبل پوش کے اس سفرنامے کا تجزیہ کیا گیا ہے۔[1]

---

[1] ۱۔ اردو سفرنامہ انیسویں صدی میں از ڈاکٹر قدسیہ قریشی ۱۹۸۷ء

۲۔ اردو سفرنامے کی مختصر تاریخ از ڈاکٹر مرزا حامد بیگ ۱۹۸۷ء

۳۔ اردو ادب میں سفرنامہ از ڈاکٹر انور سدید ۱۹۸۹ء

۴۔ اردو سفرناموں کا تنقیدی مطالعہ از ڈاکٹر خالد محمود ۱۹۹۵ء

مندرجہ بالا تحقیقی مقالوں میں ''عجائبات فرنگ'' پر تنقید وتبصرہ کیا گیا ہے۔ڈاکٹر بشریٰ رحمٰن کے مطبوعہ تحقیقی مقالے ''اردو کے غیر مذہبی سفرنامے'' میں یوسف خاں کمبل پوش سے متعلق ایک فاش غلطی سرزد ہوگئی ہے۔موصوفہ نے یوسف خاں کمبل پوش اور ڈاکٹر یوسف حسین خان کو ایک ہی شخص تسلیم کرلیا ہے۔ابتدائی سطور میں وہ لکھتی ہیں'' ڈاکٹر یوسف حسین خان کمبل پوش ایک زبردست مورخ، عالم اور ادیب تھے۔۱۸۲۸ء میں اپنا وطن حیدرآباد چھوڑ کر عظیم آباد اور ڈھاکہ پہنچے۔۔۔ان کی تصنیف ''یادوں کی دنیا'' ایک خودنوشت ہے جو ادبی تاریخ وتہذیب کا نادر نمونہ ہے۔'' یادوں کی دنیا یوسف حسین خان کی تصنیف ہے، جبکہ ''عجائبات فرنگ'' یوسف خان کمبل پوش کی۔ظاہر ہے کہ موصوفہ نے سہل انگاری سے کام لے کر دونوں اشخاص کو ایک کردیا۔حالانکہ ادنیٰ کوشش سے یہ ثابت ہو سکتا تھا کہ یوسف خان کمبل پوش اور ڈاکٹر یوسف حسین خان (۱۹۰۶ء۔۱۹۷۹ء) کے زمانے میں سو سال سے بھی زیادہ کا فرق ہے۔

197
www.taemeernews.com

یوسف خاں کمبل پوش کے معرکتہ الآرا سفرنامے کی عہد بہ عہد اشاعتوں کی تفصیلات پر اظہار خیال کرنے سے پہلے دو اہم نکات کی طرف قارئین کی توجہ دلانی مقصود ہے اوّل یہ کہ یہ سفرنامہ ''عجائباتِ فرنگ'' کے نام سے مشہور و معروف ہے اور اس کی زیادہ تر اشاعتوں میں یہی عنوان منتخب کیا گیا ہے۔ جبکہ خود مصنف نے اس کا نام'' تاریخی یوسفی'' رکھا۔ کتاب کی پہلی اشاعت (دہلی کالج، مطبع العلوم) اسی عنوان سے منسوب ہے۔ چنانچہ کتاب کے اختتام میں یہ عبارت درج ہے۔

''الحمد اللہ کہ کتاب عجیب نسخہ غریب مسمیٰ'' تاریخ یوسفی'' تصنیف
سیاح جہاں گرد و سرد چشیدۂ زماں صداقت کیش حقیقت کوش یوسف خاں
کمبل پوش کی۔۔۔۔''

خود کمبل پوش سفرنامے کی ابتدائی سطور میں اسے'' تاریخِ یوسفی'' کا عنوان عطا کرتا ہے لہٰذا تحریر کرتا ہے کہ:۔

''چونکہ اس کتاب میں سب حال اپنا گزرا بیان کیا ہے۔ نام اس
کا'' تاریخ یوسفی'' رکھا۔''

اس کے علاوہ مختلف اخبارات و سرکاری دستاویز میں اس سفرنامے کا نام'' سیر یوسفی'' یا'' سفر یوسف کمبل پوش'' درج ہے۔ گارسیں دتاسی نے اقتباس نمبر ۴ میں اس کا نام'' سیر و سفر' لکھا ہے، جو ظاہر ہے کہ غلط ہے۔ اولاً'' عجائبات فرنگ'' کا عنوان مطبع منشی نول کشور سے شائع طبع دوم کے ساتھ منظرِ عام پر آیا اور پھر اس کے بعد یہ سفرنامہ اسی نام سے مشہور ہو گیا۔ حالانکہ خود کمبل پوش کے اختیار کردہ عنوان کو ہی اصل سمجھنا چاہئے۔ مگر چونکہ بعد کے مورخین نے'' اسے عجائباتِ فرنگ'' کے نام سے یاد کیا، چنانچہ یہی نام مشہور ہو گیا۔ اور ہم نے بھی یہی مروجہ و مشہور عنوان اختیار کیا ہے۔

دوئم یہ کہ یوسف خاں کمبل یوسف نے یہ سفرنامہ پہلے فارسی میں لکھا تھا۔ بقول اکرام چغتائی اس کا سنِ تالیف ۱۸۴۳ء ہے اور مادۂ تاریخ'' چہ حالِ غریب'' ہے۔ مگر یہ فارسی مخطوطہ کبھی زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہو سکا۔ اس مخطوطے کی اطلاع ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (کلکتہ) میں موجود فارسی مخطوطات کی فہرست میں دی گئی ہے۔[1]

---

[1] تفصیلات کے لئے ملاحظہ کریں تاریخِ یوسفی از اکرام چغتائی

198 www.taemeernews.com

اردو میں اس سفرنامے کی اولین اشاعت دہلی کالج کے مطبع العلوم سے ۱۸۴۷ء میں عمل میں آئی۔اس کا عنوان جیسا کہ عرض کیا گیا ''تاریخ یوسفی'' تھا۔اس کے کم وبیش پچیس سال بعد کمبل پوش کے دوست منشی نولکشور نے اسے نئے عنوان کے ساتھ شائع کیا۔اس اشاعت کا عنوان ''عجائبات فرنگ'' اور سنِ اشاعت ۱۸۷۳ء ہے۔بعدازاں ۱۸۹۸ء میں دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔اول الذکر نسخہ نایاب ہے جبکہ نولکشوری نسخہ اب بھی ہندوپاک کی قدیم لائبریریوں میں کہیں کہیں موجود ہے۔

ہمارے پیش نظر عجائبات فرنگ کا نولکشوری ایڈیشن ہے۔جسے ہم نے بنیادی نسخہ قرار دیا ہے۔اور اس کے لیے ''نولکشور'' کا مخفف استعمال کیا ہے۔نسخۂ دہلی کالج کی طباعت کے چند سال بعد دہلی کالج کے مطبع العلوم سے شائع ہونے والے رسالے ''محب ہند'' (جس کے مدیر ماسٹر رام چندر تھے) میں اس سفرنامے کی قسط وار اشاعت کا سلسلہ شروع ہوا۔چنانچہ محب ہند جلد ۲۸ (۱۸۴۹ء) محب ہند جلد ۳۰ (جنوری ۱۸۵۰ء) محب ہند جلد ۳۱ (فروری ۱۸۵۰ء) محب ہند جلد ۳۲ (اپریل ۱۸۵۰ء) میں اس سفرنامے کے طویل حصص شائع ہوئے۔ہفتہ وار مجلہ قران السعدین (دہلی کالج۔مطبع العلوم) میں بھی اس کے چند حصوں (جلد ۲ نمبر ۴، جلد ۲ نمبر ۱۱) کو اداراتی نوٹ کے ساتھ شائع کیا گیا۔[1]

مذکورہ بالا ابتدائی دو اشاعتوں کے طویل عرصے، تقریباً ۸۴ سال بعد ۱۹۸۳ء میں تحسین فراقی نے اس سفرنامے کو اپنے گراں قدر مقدمے اور تحقیقی حواشی کے ساتھ شائع کیا۔اس نسخے کی بنیاد نسخۂ نولکشور پر رکھی گئی ہے۔چنانچہ مذکورہ نسخے کے صفحۂ اول کے نقش کے ساتھ یوسف خاں کمبل پوش کی تصویر (خیالی) بھی شائع کی گئی ہے۔مقدمے میں تحسین فراقی نے اہم معلومات فراہم کی ہیں اور اپنی دقتِ نظر، تحقیقی دروں بینی اور بیش بہا معلومات سے اسے اہمیت کا حامل بنا دیا ہے۔نیز کمبل پوش کی سوانح، اس کے مذہبی عقائد اور اردو و فارسی میں سفرناموں کی روایت پر سیر حاصل تبصرے شاملِ کتاب ہیں۔ہم نے اس نسخہ کا تقابلی مطالعہ نسخۂ نولکشور سے کیا اور اس کے لئے ''تحسین'' کا مخفف استعمال کیا ہے۔

سنگ میل پبلی کیشنز سے ۲۰۰۴ء میں محمد اکرام چغتائی نے ''تاریخِ یوسفی'' کے عنوان سے اس

---

[1] تفصیلات کے لئے ملاحظہ کریں تاریخِ یوسفی از اکرام چغتائی

199 www.taemeernews.com

مقدمہ

سفرنامے کا ایڈیشن شائع کیا ہے۔ اکرام چغتائی نے اس سفرنامے کی اشاعت اوّل کا عکس شائع کرنے کے ساتھ ساتھ متن کو ازسرنو کمپوز بھی کرادیا ہے۔ چنانچہ عہد جدید میں سفرنامے کی دونوں اشاعتوں کو ازسرنو مدوّن کردیا گیا۔ اکرام چغتائی نے دہلی کالج کے مطبع العلوم کی اشاعت پر کام کیا، جبکہ تحسین فراقی نے نسخۂ نولکشور کی تدوین کی۔ اکرام چغتائی نے یوروپ کے کتب خانوں سے سفرنامے سے متعلق مختلف النوع معلومات کو نہ صرف یکجا کیا بلکہ ان کی بنیاد پر کئی اہم، گمشدہ کڑیوں کو ملانے کی کوشش بھی کی۔ نیز کمبل پوش سے متعلق کئی اہم معلومات میں اضافہ کردیا۔ اکرام چغتائی کو اشاعت اول کا نسخہ برلن کے مرکزی کتب خانے سے دستیاب ہوا جہاں وہ ذخیرۂ اسپرنگر میں محفوظ تھا۔ (اسپرنگر دہلی کالج کے نامور پرنسپل اور ورنیکلر ٹرانسلیشن سوسائٹی کے سکریٹری تھے۔) ان دونوں متون کو پیراگرافوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ جبکہ نسخۂ نولکشور میں اس کا کوئی اہتمام نہیں ہے۔ ہم نے نسخۂ اکرام چغتائی کے لئے ''اکرام'' کا مخفف استعمال کیا ہے۔

☆☆☆

یوسف خاں کمبل پوش کے سفرنامے میں جہاں ایک طرف سیر و سیاحت کا تذکرہ بڑے دل آویز انداز میں بیان کیا گیا ہے، وہیں مختلف تہذیبوں کے تقابلی مطالعہ کے ساتھ ساتھ مختلف مذاہب کا موازنہ بھی کیا گیا ہے۔ ان پر تفصیلی گفتگو آئندہ صفحات پر ہوگی۔ مگر یہاں اس کے قدرے خودساختہ مذہب ''مذہبِ سلیمانی'' کا تذکرہ مقصود ہے۔ کمبل پوش تلاشِ حق کی جستجو میں اوائلِ عمر ہی سے سرگرداں رہا اور مختلف مذاہب اس کے زیرِ مطالعہ ہی نہیں رہے بلکہ ان کے مبلغین سے مناظرے اور مکالمے بھی کرتا رہا۔ مگر ہر جگہ اسے حرص کے بندے ہی نظر آئے خدا کی سچّی عبادت کرنے والا، خلقِ خدا کی عزت و احترام کرنے والا اور تمام بنی نوع انسان کو ایک نظر سے دیکھنے والا اسے کہیں نظر نہ آیا۔ چنانچہ ہر تیز رو کے ساتھ چلنے کے بعد ''مذہبِ سلیمانی'' اختیار کرلیا۔ یہ مذہب کیا ہے اس کی اصل کیا ہے۔ اس کے ماننے والوں کے کیا عقائد ہیں، اس پر سیر حاصل گفتگو اس نے اپنے سفرنامے میں کی ہے۔ تحسین فراقی اور اکرام چغتائی نے اس مذہب کی اصلیت اور اس کے نام نہاد مروجہ عقائد پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ تحسین فراقی اسے ''Deism'' سے منسلک کرتے ہیں۔ جبکہ اکرام چغتائی نے اس مذہب کا تعلق اسماعیلوں کی ایک شاخ ''سلیمانیہ''

200 www.taemeernews.com

سے قائم کیا ہے۔اس فرقے کا سربراہ سلیمان بن حسن تھا۔جس کے نام کی نسبت سے اسے سلیمانی کہا گیا۔ان دونوں فاضل مرتبین (تحسین فراقی اور اکرام چغتائی) کے مباحث بطور ضمیمہ کتاب میں شامل کر دیے گئے ہیں (ملاحظہ فرمائیں ضمیمہ نمبر ا اور ضمیمہ نمبر ۲) کمبل پوش کے اس نام نہاد مذہب سے متعلق ہمیں صرف اتنا کہنا ہے کہ خود صاحب معاملہ نے اس پر سیر حاصل گفتگو کی ہے اور چونکہ اس مذہب کا کوئی باقاعدہ وجود نہیں چنانچہ اپنی آزادہ روی، مخلوق خدا سے حسن سلوک اور دادِ عیش دینے کے حیلے پیدا کرنے کی خاطر اس نے یہ مذہب اپنی طرف سے گڑھ لیا ہے اور بس۔

☆☆☆

یوسف خاں کمبل پوش نے انگلستان کے سفر کا آغاز مارچ ۱۸۳۷ء میں کیا اور تقریباً آدھی دنیا کا سفر طے کرتا ہوا، انگلستان اور پیرس کی سیر سے لطف اندوز ہوتا ہوا، مصر اور وسطی ہندوستان کے راستے لکھنؤ وارد ہوا۔اس کا یہ سفر ۱۸۳۸ء کے آخری دنوں میں تمام ہوا۔اس سفر کے دوران پیش آنے والے واقعات اور سیاحتی مقامات کی تفصیلات، جغرافیائی حالات، مختلف معاشروں کی تہذیب وسخاوت، طرزِ زندگی، روزمرّہ، رسوم وعقائد، رہن سہن، تاریخی عمارات اور واقعات کی تفصیلات پر بے لاگ تبصرے اور اظہارِ خیال کرتا ہوا، انہیں ضبطِ تحریر میں لاتا گیا۔اس سفرنامے کی اہمیت اور خوبی صرف یہ ہی نہیں ہے کہ یہ اردو کا پہلا سفرنامہ ہے بلکہ اس میں بیان کردہ واقعات عجب حیرت زا ہیں اور کمبل پوش ایک کامیاب وکامران سیاح کی حیثیت سے ابھر کر سامنے آتا ہے۔کمبل پوش کی بے ساختگی، صاف گوئی اور بے باکی نے اس سفرنامے کو خاص اہمیت کا حامل بنا دیا ہے۔قاری کمبل پوش کی انگلی تھامے کشاں کشاں اس کے ساتھ سفر میں شریک ہو جاتا ہے اور کمبل پوش اسے ایسے دلچسپ، قابل ذکر اور ناقابلِ فراموش مقامات کی سیر کراتا ہے کہ طویل عرصے تک اس کے ذہن سے یہ مرقعے محو نہیں ہوتے۔اس کی جزئیات نگاری، مرقع سازی اور منظر نگاری اس سفرنامے کو خاصے کی چیز بنا دیتے ہیں۔اس کی مشاہدات انوکھے اور دلچسپ ہیں۔ واقعات کے بیان میں حیرت انگیزی کا عنصر نمایاں ہے اور مناظر اپنے تمام تر حسن کے ساتھ دلچسپی کے باعث ہیں۔تحسین فراقی کمبل پوش کے سفرنامے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''نہ صرف یہ کہ اس نے لندن کے قابلِ دید مقامات، اس کے

201 www.taemeernews.com

مضافات، وہاں کے رہن سہن، کھیل تماشوں، وہاں کے لوگوں کی علم دوستی، وہاں کے عجائبات ونوادرات وہاں کی تاریخی عمارات، وہاں کے رسم ورواج اور تہذیب ومعاشرت کے دلچسپ مرقعے پیش کیے۔ بلکہ وہاں تک پہنچنے کے دوران اس نے جن مقامات ومناظر کو دیکھا ان کی بھی دلچسپ تصویر کشی کی ہے۔''[1]

لندن کے علاوہ کمبل پوش پیرس، مصر اور ہندوستان کے مختلف شہروں کی سیر کرتا ہوا ان مقامات کی تفصیلات اسی خشوع وخضوع سے پیش کرتا چلا جاتا ہے جتنی لندن اور اس کے مضافات کی کرتا ہے۔ اس سفرنامے میں انیسویں صدی کا لندن اور پیرس ہی نہیں بلکہ ہندوستان بھی جیتا جاگتا نظر آتا ہے اور یہی خوبی اس سفرنامے کو اہم اور لائق مطالعہ بناتی ہے۔

لندن کی سیر کے دوران وہ سینٹ پال کا گرجا گھر، برٹش میوزیم، ویسٹ منسٹر آبے، رائل جیولاجیکل گارڈن، دریائے ٹیمز، واکس ہال گارڈن، ولوچ اور گرینچ کا توپ خانہ، شاہی عمارت ٹیڑس ہال، مادم تساد کا میوزیم، ناجائز بچوں کا گھر اور پاگل خانے کا تفصیل سے ذکر کرتا ہے اور انہیں ہمارے روبرو آئینہ کر دیتا ہے۔ آیئے کمبل پوش کے سفرنامے کی جزئیات نگاری ومرقع سازی پر ایک نظر ڈالیں۔ لندن کے مشہور زمانہ سینٹ پال گرجا گھر کی سیر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

''کلیسائے سنٹ پال میں گیا۔ وہ کلیسا ہزار برس کا بنا ہے مگر اب تک ویسا ہی مضبوط اور نیا ہے۔ میں ہندوستان سے اس کے دیکھنے کی آرزو رکھتا تھا۔ وہاں جا کر دیکھا کہ بہت انگریز اور پادری بندگی کے لئے جمع ہیں ۔۔۔۔ایک آرگن تیس ہاتھ کا بجاتے تھے اور دھیان طرف خدا کے لگاتے۔ اس کی آواز سننے سے میرے دل میں ہیبت سمائی۔ خدا کی قدرت یاد آئی۔۔۔۔کلیسا کے اندر کام سونے کا ایسا کیا ہے کہ عقل دریافت کرنے خوبیوں اس کی سے بے سروپا ہے۔ اگر کوئی برسوں وہاں رہے ہرگز خوبیاں اس کی دریافت نہ کر سکے۔ میناروں پر بھی پانی سونے کا پھرا ہوا۔ فرش زمین

---

[1] عجائبات فرنگ۔ تحسین فراقی ص ۸۴

202 www.taemeernews.com

کا سنگِ مرمر سپید کا بنا ہوا۔ قبریں بادشاہوں عالیشان اور پادریوں کی اس
میں جا بجا۔ اس کی چھت پر سے تمام شہر لندن نظر آتا۔''

کمبل پوش کو اس عالیشان گرجا گھر کے زیارت کے دوران روضۂ تاج بی بی (تاج محل) کی یاد آجاتی ہے۔ یہاں وہ دونوں عمارتوں کا تقابلی مطالعہ کر کے ایک کو دوسرے پر سبقت دینے کے بجائے دونوں عمارتوں کی خوبصورتی کا ذکر کرتا ہے۔

لندن کی دوسری عمارتوں کے ذکر میں تحیّر پذیری کے اوصاف صاف نظر آتے ہیں۔ وہ عالمِ تجسس میں ایک ایک عمارت کی تفصیلات بیان کرتا چلا جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس نے قلم سے موقلم کا کام لیا ہے۔ چنانچہ اس کی یہ تصویریں جاذبِ نظر بھی ہیں اور دل آفروز بھی۔ لندن کے میوزیم کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہے:۔

''صبح ہی بیدار ہو کر میوزیم گیا۔ وہ بھی ایک عجیب مکان ہے۔
تعریف اس کی نہ یارائے بیان ہے۔ عمارت اس کی میں لاکھوں روپیہ
صرف ہوئے ہوں گے۔ ہر طرح کے تحفے اور عجائبات وہاں رکھے ہیں۔
بہت مورتیں مصر کی اور ہتھیار لڑائی کے، جانور دوپائے، چوپائے قسم قسم کے
رکھے ہیں۔ سب چیزیں نادر ہر ایک جا سے بہت تلاش سے لائے ہیں۔
حضرت نوح کے طوفان کے ڈوبے ہوئے مرد اور عورتیں وہاں تھیں۔''

غرض لندن اور اس کے اطراف پر ہی موقوف نہیں، پیرس، مصر، عرب اور ہندوستان کے مختلف علاقوں کی تاریخی عمارتوں کی سیر کرتے ہوئے اور اُن پر قلم اُٹھاتے ہوئے کمبل پوش جزئیات نگاری سے کام لیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کمبل پوش انگلستان کی تہذیب کا پرستار اور مدّاح ہے۔ چنانچہ کہیں کہیں مبالغہ سے بھی کام لیا ہے۔ کمبل پوش کا بڑا کمال یہ ہے کہ اس نے انیسویں صدی کے اوائل میں یہ سفرنامہ تحریر کر کے انگلستان، مصر اور ہندوستانی معاشرت کے جیتے جاگتے مرقعے پیش کر دیے ہیں۔ وہ ایک آزاد منش اور سچا سیاح ہے اور اس کی یہ سچائی اس سفرنامے میں از اول تا آخر سطر بہ سطر نظر آتی ہے۔

کمبل پوش کو منظر نگاری میں بھی کمال حاصل ہے۔ اس نے اپنے سفرنامے کو جا بجا ایسے

203
www.taemeernews.com

منظروں سے آراستہ کیا ہے کہ تحریر پر تصویر کا گمان ہوتا ہے بلکہ یہ تصویریں متحرک ہوکر پردۂ سیمیں میں ڈھل جاتی ہیں اور ہم کمبل پوش کے ساتھ ان مناظر کا حصہ بن جاتے ہیں۔ یہاں صرف ایک منظر ملاحظہ فرمائیں۔Guild Hall میں کوئن وکٹوریہ کے عالیشان جلوس کی تفصیلات ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:۔

> ''دوپہر پر دو بجے سواری آئی ۔ وقت سوار ہونے شاہزادی کے گھنٹے کلیساؤں میں بجنے لگے لوگوں کو اس امرِ خیر سے خوشخبری دینے گئے۔ سب سے پہلے سردار اور منصب دار گھوڑوں پر سوار کلڈھال میں داخل ہوئے۔ بعد ان کے ارکانِ دولت، اعیان سلطنت چار چھ گھوڑے کی گاڑیوں پر سواروں کے شامل ہوئے۔گھوڑے گاڑیوں کے اصیل، ولایتی قدم باز راہوار۔ سب ساز ان کے جڑاؤ، نہایت آبدار۔نوکر پوشاک، زرینہ وزریفت پہنے ۔ایک دوسرے سے زیادہ بنے چنے۔ پھر سواری وزیراعظم لاڈ میر کی آئی ۔ بعد اس کے گاڑی ملکہ جم جاہ کی نمود ہوئی۔ گاڑی ستھری جواہر جڑے۔آٹھ گھوڑے سمند اس میں لگے۔صورت و سیرت میں سب برابر تھے۔ایک ذرہ آپس میں فرق نہ رکھتے۔اگر ایک چھپایا جاتا۔دوسرا سامنے آتا۔ دھوکا اِس کا اُس پر ہوتا اور ہرگز فرق نہ ثابت ہوسکتا ۔ ویسے گھوڑوں کی صورت دیکھنا مجھ کو پھر نہ نصیب ہوئی۔۔۔۔جب وہ گاڑی اگاڑی بڑھی ۔میرے قریب آئی۔ دو تصویریں رومیوں کی قد آدم اس میں کھڑی تھیں۔ میں سمجھا دو رومی زندہ ہیں، تصویریں نہیں جب خوب غور سے دیکھا شبہ مٹا۔ ملکہ مہر سیما کوین وکٹوریہ مع اپنی والدہ ماجدہ کے اس پر سوار تھیں۔ چاند صورت، سورج طلعت دکھائی دیتیں۔''

حقیقت یہ ہے کہ اس پورے سفرنامے میں منظرنگاری کے بے حد عمدہ اور کامیاب نمونے بکھرے پڑے ہیں۔ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کا مطالعہ از اوّل تا آخر کیا جائے تا کہ صحیح

204 www.taemeernews.com

صورتِ حال سامنے آسکے۔ یہاں صرف ایک مثال سے اس خوبی کی طرف ایک اشارہ مقصود تھا۔ بقول تحسین فراقی ''کون سا ایسا مقام اور منظر ہے جس کو اس نے زندہ نہیں کر دیا۔'' اور یہ اس سیاحتی ذوق وشوق کا ثمرہ ہے جسے قدرت نے کمبل پوش کو ودیعت کیا تھا۔

کمبل پوش چونکہ انگلستانی تہذیب سے بے حد مرعوب ہے، چنانچہ اسے وہاں کی معاشرت میں خوبیاں ہی خوبیاں نظر آتی ہیں۔ اس کی یہ مرعوبیت اس کے لاشعوری احساسِ غلامی کی پروردہ ہے۔ محکوم قوم کا ایک ادنیٰ سپاہی حاکموں کی سرزمین کی سیر پر آتا ہے۔ وہاں کی تہذیب وتمدن، طرز معاشرت، ثقافت، ہندوستان سے بدرجہا بہتر تھی اور کمبل پوش اس سے بے طرح متاثر تھا۔ چنانچہ جگہ جگہ انگریزوں کی تعریف کرتا ہے۔ ایک موقعہ پر صاحبانِ انگریز اور رئیسانِ ہندوستان کے تقابل میں یہی توصیفی لہجہ نظر آتا ہے:۔

> ''صاحبانِ انگریز کیا عقل رسا اور فہم وذکا رکھتے ہیں کہ باوجود ثروت کے ہمیشہ علم وہنر کے طالب رہتے ہیں۔ ایک لحظہ اپنی اوقات برباد نہیں کرتے ہیں۔ مستعد تلاش امور عجیب کے ہوتے ہیں۔ ایک نئی بات حاصل کر کے اہل جہاں اور واماندوں کے لئے یادگار چھوڑ جاتے ہیں۔۔۔۔ وائے بحال رئیسانِ ہندوستان کہ زندگی اپنی بے جا باتوں میں برباد کر دیتے ہیں۔ کبوتر اور مرغ اور بٹیر اور قمار بازی میں مشغول رہتے ہیں۔''

وہ جگہ جگہ اپنے انگریز دوستوں اور کرم فرماؤں کا شکر گزار ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک اجنبی اور محکوم قوم کے فرد پر نظرِ عنایت کی اور طرح طرح کی آسودگیاں (معمولی) فراہم کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی۔ چنانچہ ہر موقع پر اس کی زبان پر انگریزوں کے لیے تعریفی کلمے ہی نکلتے ہیں:۔

> ''خدا ان صاحبوں کو ترقی مرتبہ پر پہونچادے۔ میرے حال پر کیا کیا عنایتیں کرتے ہیں۔''

وہ انگریزوں کی علم دوستی، وقت کی قدر اور مستقل مزاجی کی تعریف کرتا ہے۔ ان کی سوسائٹی کی مثبت اقدار پر اظہار خیال کرتے ہوئے وہ مبالغے سے کام لیتا ہے۔ یتیم خانے، پاگل خانے

205 www.taemeernews.com

اور نا جائز بچوں کے گھر کی نفاست، صفائی اور عمدگی کی تعریف کرتا ہے اور اس کے مقابلے ہندوستان کی سوسائٹی کی بُرائی کرتا ہے۔ ہندوستانیوں کی کاہلی اور تن آسانی، امراء اور روساء کی عیش پرستی اور عیاشی پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے انگریزوں کے اوصافِ حمیدہ کی تعریف کرتا نظر آتا ہے۔ یاد رہے کہ وہ خود اودھ کی حکومت کا ایک ملازم ہے اور وہاں کے زوال اور بے اعتدالیوں نیز عیش پرستیوں کا چشم دید گواہ ہے، چنانچہ اس کے مقابلے اسے بیرونی حاکموں کی طرزِ معاشرت بدرجہا بہتر نظر آتی ہے۔

مگر یہ تصویر کا صرف ایک ہی رخ ہے۔ یعنی کمبل پوش نے انگریزی معاشرت کے منفی پہلوؤں پر بھی اظہار خیال کیا ہے۔ چنانچہ وہاں کی جنسی آزادی پر وہ یوں طنز کرتا ہے:۔

> ''ولایت کے سب سامان اور باتیں اور رسمیں اچھی ہیں۔ مگر بعضی رسمیں خلافِ آئین ہیں۔ ایک ان میں سے مقدمہ خاوند جوروکا ہے۔ بنظرِ انصاف دیکھا جائے کہ مرد بہزار محنت و مشقت وجہ معاش حاصل کرتا ہے۔ حقوق والدین سے کہ ان سے زیادہ حق کسی کا نہیں، غافل ہوتا ہے، دل و جان سے بی بی کی خاطر داری میں مصروف رہتا ہے۔ سخت حیف ہے کہ وہ بی بی اور سے ملتفت ہوئے۔ ننگ و ناموسِ شوہر برباد کرے۔ ہزاروں لعنت اس مرد ملعون پر کہ پرائی جورو سے مرتکبِ مباشرت ہو۔ منھ کالا اس عورت کا کہ غیر مرد سے مشغولِ لذت ہو۔ یہ رسم اس ملک کی اپنے مزاج کے پسند نہ آئی۔ اس لیے کہ اس میں بہت فساد ہے اور بُرائی۔''

پادریوں کے ترکِ دنیا یعنی رہبانیت اختیار کرنے پر بھی کمبل پوش اپنی فطری ناراضگی کا اظہار کرتا ہے۔ اس کے نزدیک ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھنا نہایت قبیح فعل ہے۔ وہ کہتا ہے کہ:۔

> ''وہاں پادریوں نے ترک دنیا کر کے رہنا اختیار کیا۔ گوشۂ تنہائی میں تجرد سے موافقت کر کے تعلقاتِ دنیا سے ہاتھ اٹھایا ان کے معتقد اور مرید کھانا بھیجتے ہیں اور غذائے نفیس ان کو کھلاتے ہیں۔ دنیاداروں سے ان کو زیادہ موٹا اور فربہ پایا۔ سمجھا کہ گوشہ کا بیٹھنا محض کھانوں لطیف اور

206 www.taemeernews.com

زیادتی معتقدوں کے لیے تھا۔ان سے یہ حرکت بدنظر آئی۔ ماباپ نے
کس محنتوں سے ان کی پرورش کی۔اس خیال سے کہ بوڑھاپے میں
ہمارے کام آویں۔افسوس کہ وہ جوان ہوکر اس سعادت سے باز رہیں
بلکہ آپ اوروں کے ٹکڑوں پر نظر لگاویں۔''

اسے یہ پادری بنارس کے موٹے سانڈوں کی طرح نظر آتے ہیں جو'' بے محنت بار برداری کے دانہ گھاس غیروں کا کھا کر سوئے ہوتے ہیں۔''

''عجائباتِ فرنگ'' کی ایک اور خوبی وہ مناظرے ہیں جو دوران سفر کمبل پوش نے دیگر مذاہب کے پیشواؤں اور اپنے احباب سے کیے ہیں۔ان مناظروں کا ایک وصف یہ ہے کہ کمبل پوش نے تمام سوالوں کے نہایت مفصل جواب دیے ہیں اور مذہبی عقائد و رسوم کی جغرافیائی تاویلات کے ساتھ ساتھ انہیں نیچر کی کسوٹی پر کسنے کی کوشش کی ہے۔ان ہی مناظروں کے دوران اس نے اپنے خودساختہ مذہب ''مذہب سلیمانی'' کے رسوم وعقائد پر بھی بے لاگ تبصرے کیے ہیں۔ وہ انسان دوست ہے اور اس کی یہ خوبی ان مناظروں میں ابھر کے سامنے آتی ہے۔ان مذہبی مباحثوں میں وہ اپنے مخالفین کو لاجواب کر دیتا ہے۔ایک پادری کے اس سوال کے جواب میں کہ باوجود کوشش کے ہم انہیں خدا (مذہب عیسائی) کی طرف راغب نہ کر سکے اور آج بھی وہ (ہندوستانی) بت پرستی کی طرف مائل ہیں۔کمبل پوش جواب دیتا ہے کہ:۔

''جیسے کوئی عاشق معشوق تک نہیں پہونچ سکتا ہو اور دیکھنا اس کا
منظور رکھتا ہو ناچار وہ تصویر اس کی سامنے رکھتا ہے اور اپنے دل کو اس سے
تسلی دیتا ہے۔اسی طرح ہندو بت کو اپنے سامنے رکھتے ہیں۔حقیقتاً اس کو
خدا نہیں جانتے۔بلکہ خدا کو وحدہٗ لاشریک کہتے ہیں۔''

درختوں کی پوجا کے تعلق سے کمبل پوش کا جواب جغرافیائی تاویل رکھتا ہے کہ ہندوستان گرم ملک ہے اور اگر مذہب ان درختوں کے کاٹنے کا حکم صادر کرتا تو مسافروں کو سائے کے لیے کہیں جگہ نہ ملتی۔حالانکہ اس کے باوجود درخت کٹتے ہیں۔اسی طرح گائے کی پوجا کے تعلق سے کمبل پوش کا یہ کہنا کہ ''اکثر امر ہندوستان کے بیل پر موقوف ہیں'' عقلی دلیل کی عمدہ مثال ہے۔ان تمام

207 www.taemeernews.com

مقدمہ

مباحث کے بیان کرنے میں کمبل پوش کا قلم خطیبانہ وصف کا حامل ہوجاتا ہے۔ وہ انگریزوں کی چند برائیوں کا ذکر کرتے ہوئے انہیں لاجواب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ انگریزوں کی عیش پرستی، جنسی کج روی پر اظہار خیال کرتے ہوئے وہ حضرت عیسیٰ کی قربانیوں اور ان کی طرزِ حیات کا ذکر کرکے پادریوں کو کسی حد تک شرمندہ بھی کرتا ہے۔ مسلمانوں میں چار شادیوں کے رواج کی توجیح پیش کرتے ہوئے وہ دورانِ جنگ ہلاک ہوجانے والے سپاہیوں کی بیواؤں کا ذکر کرتا ہے، شراب، وضو، نماز وغیرہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے وہ اسلامی تعلیمات کا احاطہ کرتا ہے۔ ختنہ کے تعلق سے کہتا ہے کہ ''یہ بھی سبب نفاست کا ہے نہ عیب وکراہت کا۔'' غرض یہ کہ ان مناظروں میں اکثر کامیابی کمبل پوش کے ہی ہاتھ لگتی ہے اور مخالفین لاجواب ہوکر پسپائی اختیار کرتے ہیں۔ مذہبی عقائد سے متعلق مباحث میں کمبل پوش نیچر پرست نظر آتا ہے۔ اس کے یہاں تفکر اور غور وخوض کرنے کا رجحان ہے۔ وہ ہر مسئلہ پر گفتگو کرسکتا ہے۔ ذہنی سطح پر وہ ایک بیدار مغز اور تغیر پذیر انسان کے طور پر اُبھرتا ہے، ساتھ ہی اس کی منکسر المزاجی، عاجزی اور دردمندی اسے درویش صفت اور ہردلعزیز بناتی ہے۔ وہ حد درجہ جذباتی انسان ہے، خوشی کے موقعے پر ایک معصوم بچہ بن جاتا ہے اور غم کے موقعے پر رنج وتاسف کا اظہار کرنے لگتا ہے۔ اس کا دل ہمدردی کے جذبات سے پُر ہے۔ کسی کو تکلیف میں دیکھ کر وہ بے اختیار ہوا اٹھتا ہے۔ وہ ذاتی اور اجتماعی مظالم میں ہمیشہ مظلوم کے ساتھ نظر آتا ہے۔ قوم مملوک کے خاتمے کے واقعات اس کے دل کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتے ہیں۔ اسی طرح انسانوں کی خرید وفروخت (بردہ فروشی) کے تعلق سے اس کے تاثرات غم انگیز اور اس رسم کے تئیں قابل نفریں ہیں۔

کمبل پوش متنوع اور ہمہ گیر شخصیت کا مالک ہے۔ چنانچہ اس کی شخصیت کے کئی متضاد نقوش ہمیں ''عجائباتِ فرنگ'' میں نظر آتے ہیں۔ اس کے مزاج کی ظرافت اور شوخی بھی ان میں سے ایک ہے۔ سفر کے دوران جابجا کئی مضحک واقعات پیش آتے ہیں، جنہیں کمبل پوش اپنے مخصوص انداز میں رقم کرتا چلا جاتا ہے۔ ایسے ہی چند واقعات کا تذکرہ یہاں دلچسپی کا باعث ہوگا۔ لندن کے قیام کے دوران کمبل پوش کی سادگی اسے ایک مضحک صورت حال سے دوچار کردیتی ہے:۔

''صبح کے وقت مکان کی سیر کرنے لگا۔ باورچی خانہ میں ایک چھوٹا

208 www.taemeernews.com

حوض کہ اس کے اوپر نل پیچ دار تھا۔ بندہ وہاں کی راہ ورسم سے محض نا آشنا تھا۔ باورچی خانہ کو حمام سمجھ کر نہانے لگا اور پیچ نل کا کھول دیا نوکر میرا بدن ملتا۔ تھوڑی دیر میں پانی کمروں میں بھر گیا۔ تعجب کر کے عورت صاحب خانہ مع پیش خدمت اپنی کے دوڑ آئی مجھ کو نہاتے دیکھ بہت ہنس کر چلی گئی۔ نوکر میرا اور میں بھی حیران ہوا کہ باعث ہنسی کا کیا ہے۔ شاید یہاں رسم نہانے کی نہیں کہ نہاتے دیکھ کر ہنسیں۔ میں نے نہا دھو کر حاضری منگوائی۔ اس وقت وہ عورت نوکر صاحب خانہ کی پھر آئی۔ فقیر نے اس سے پرسش کی کہ مجھے نہاتے دیکھ کر تو اور تیری بی بی کیوں ہنسی۔ وہ پھر بہت ہنسی۔ میں نے ہٹ کی۔ تب اس نے کہا۔ جہاں تم نہائے باورچی خانہ ہے نہ غسل خانہ۔ ہم کو تمہاری نادانی پر ہنسی آئی کہ تمہے باورچی خانہ اور غسل خانہ کی نہیں شناسائی۔''

کمبل پوش کا باورچی خانے اور حمام میں فرق نہ کر پانا یہاں ہنسی کا سبب بنتا ہے۔ حق گوئی اور راست گوئی کا یہ عالم ہے کہ خود اپنی ذات سے وابستہ مضحک واقعات رقم کرتا چلا جاتا ہے۔ ایک دوسرے موقعے پر ایک مجلس میں ایک مرد ضعیف سے ملاقات ہوئی جو علم ریاضی اور گردشِ فلکی میں ماہر تھا اور اپنی گفتگو سے کمبل پوش اور دوسرے اشخاص کے لئے دردِ سر بنا ہوا تھا، چنانچہ کمبل پوش اس سے منہ پھیر کر بیٹھا اور یوں اپنی جان چھڑانے میں کامیاب رہا۔ رات بھر مجلس رقص وسماع برہم رہی۔ صبح کے وقت کمبل پوش ان مزاحیہ فقروں سے اس پر تبصرہ کرتا ہے:۔

''صبح کو اس بوڑھے کو دیکھا، کرسی پر بے خبر سوتا، کسی نے کہا یہ سوتا ہے، میں نے کہا خیال ستاروں میں ڈوبا ہے۔ جگانا ضرورت نہیں رکھتا ہے۔''

اس طرح کے مزاحیہ جملوں سے کمبل پوش نے جابجا کام لیا ہے اور اپنے اسلوب میں خوش گواری اور شگفتگی کا اضافہ کیا ہے۔ ایک اور مضحک واقعہ ملاحظہ فرمایئے۔ مصر (قاہرہ) سے سوئیس کی طرف سفر کرتے ہوئے ایک گدھے کے گڑھے میں پیر پڑ جانے اور اس کے نتیجے میں گدھے

سمیت گڑھے میں گر جانے کے واقعہ کو یوں بیان کیا ہے کہ:۔

''ہم اونٹوں کے ساتھ چلے۔ جب رات آئی۔ بہت تاریکی چھائی چلتے چلتے پاؤں گدھے میرے کا ایک گڑھے میں جاتا رہا میں بھی اس کے اوپر سے مع تلوار بندوق کے اس میں گرا۔ عرب جو میرے ساتھ تھے، حال پوچھنے لگے۔ میں زبان عربی سے نا آشنا تھا اس وقت اور ہر حال میں طائب طائب کہتا طائب ان کی بولی میں بجائے بہتر کے بولتے اور میں نے کہا بیچ ایسے وقت مصیبت کے۔ انھوں نے یہ سن کر قہقہہ مارا اور غار سے مجھ کو نکالا۔''

کمبل پوش کی شوخی ان مقامات پر دہ چند ہو جاتی ہے جہاں وہ حسن و جمال کا ذکر کرتا ہے۔ خوبصورت حسیناؤں کی صحبت میں وہ خوب کھل کھیلتا ہے۔ ان کے حسن کی تعریف میں وہ زمین آسمان کے قلابے ملا دیتا ہے۔ ان کی ناز و ادا پر اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کے لیے تیار رہتا ہے۔ ایک موقعے پر زمین پر گری ہوئی دو عورتوں میں سے خوبصورت عورت کو اٹھا لیتا ہے جبکہ بدصورت کو وہیں پڑے رہنے دیتا ہے۔ مگر اس کی یہ حسن پرستی صرف نگاہ بازی اور شوخی و شرارت تک ہی محدود ہے۔ اس میں کسی طرح کی جنسی کج روی یا فحاشی کو دخل نہیں۔ بلکہ جہاں کہیں اسے عریانیت اور ہوس ناکی نظر آتی ہے، اس پر تنقید کرتا ہے۔ ایک طرف انگریزوں کی جنسی آزادی پر وہ تاسف کا اظہار کرتا ہے تو وہیں دوسری طرف ہندوستان میں رائج چند مذہبی کجرویوں (جن کا تعلق جنسی عیاشی سے ہے) پھر بھی غم و غصہ کا اظہار کرتا ہے۔ آیئے کمبل پوش کی حسن پرستی کی چند تصویریں دیکھتے چلیں۔ ایک موقعہ پر ایک حسینہ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:۔

''آگ حسن تمہارے کی غضب ڈھاتی ہے۔ ایک چنگاری اس کی جس پر گرے۔ جان و جگر جلاتی ہے۔ پانی سے زیادہ بھڑک جاتی ہے۔ حشر تک بجھنے نہیں پاتی ہے۔''

حسن کے بیان میں جزئیات نگاری اور شوخی کے ساتھ ساتھ تشبیہات و استعارات کا استعمال بھی معنی خیزی میں اضافہ کر دیتا ہے۔ ذیل کے دو اقتباس اس کی عمدہ مثال ہیں:۔

210 www.taemeernews.com

''ایک بارگی ایک رنڈی پری زاد نکلی، اس کے دیکھنے سے میری آنکھوں میں ٹھنڈک آئی، عجب صورت رکھتی تھی کہ چاند کو شرماتی، پردے سے نکل کر اس میز پر آ بیٹھی اور پانی کے پیالے سے ہاتھ دھو کر ان بارہ پیالوں کو بجاتی ان سے ایسی آواز نکلتی کہ دل کو بیتاب کرتی، ان کے سننے کے لیے سارا بدن کان ہو گیا اور صورت دیکھنے کے لیے ہر عضو آنکھ بنا۔''

''راہ میں ایک عورت نوجوان مرہٹن پری زاد زعفرانی اطلس کے کپڑے پہنے ہوئے ملی۔۔۔۔عجب حسن و جمال درخشاں رکھتی تھی کہ دیدۂ خورشید نے اس کی طرف ٹکٹکی باندھی، چہرہ اس کا درمیان بالوں عنبریں کے یوں چمکتا جیسے کالی گھٹا سے نکلا۔ زیور خورشید طلائی بالوں میں گندھا عجب کیفیت دکھاتا، انداز اس کا معشوقانہ تھا، دل دیکھتے ہی لوٹ جاتا جدھر آنکھ اٹھا کر دیکھتی فتنہ برپا کرتی۔''

فرنگی حسن کے ساتھ ساتھ ہندوستانی حسن کی تعریف میں بھی کمبل پوش پیچھے نہیں۔ چنانچہ بمبئی کی حسیناؤں کی تعریف یوں کرتا ہے:۔

''عورتیں ہندوؤں کی جو کنویں پر پانی بھرنے آتیں۔ صورت شکل میں فتنۂ روزگار تھیں۔ زیور اور ریشمی لہنگے پہنے ہوئے چھم چھم کرتی آتیں۔ دیکھنے والوں کا ہوش اڑا لے جاتیں۔ جتنا حسن و جمال بمبئی میں تھا۔ ہندوستان میں کہیں نہیں نظر آیا۔''

علاوہ ازیں ایک مرہٹن گھڑ سوار کی تعریف میں بھی زمین آسمان ایک کر دیتا ہے۔ جس طرح کمبل پوش خوبصورتی کا دیوانہ ہے اس طرح بدصورتی سے خائف بھی نظر آتا ہے۔ ایک شاعر اور جمال پرست ہونے کے سبب وہ زندگی کی بدصورتیوں سے بے چین ہو جاتا ہے۔ یہاں چونکہ ذکر نسوانی حسن کا ہو رہا ہے چنانچہ ایک موقعے پر حبشنوں کی بدہیئتی و بدصورتی ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

''دوسری طرف اور بازار میں جا کر دیکھا کہ حبشنیں بدشکل مچھلیاں بیچ رہی ہیں۔ عجب رنڈیاں، چوتڑ ان کے پہاڑ سے موٹے، بال پیچ دار،

www.taemeernews.com

منہ کالے، پتلی آنکھ کی ان کی دیکھنے سے، زبان قلم کی ان کی سیاہی لکھنے
سے کالی ہوئی۔ دیکھ کر ان کو میں ڈرا کہ کیوں ان چڑیلوں میں آ پھنسا۔''

عجائباتِ فرنگ میں بے نیازی، دردمندی اور بے ثباتی دنیا پر بھی اظہارِ خیال کیا گیا ہے۔ ان مرقعوں سے کمبل پوش کی درویشانہ صفت اور کسی حد تک صوفیانہ مزاج کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کے نام نہاد مذہب، ''مذہبِ سلیمانی'' میں دولت کی نفی اور دنیا ہی میں جنت و جہنم کی صفات کے بموجب یہ حصے اہمیت کے حامل ہو جاتے ہیں۔ لندن اور پیرس کے قبرستانوں کی سیر کے دوران، نیز ہندوستان میں بزرگانِ دین کی درگاہوں اور بادشاہوں کے مقبروں کی زیارت کے وقت اس کا اظہارِ تاسف اور انسان کے انجام سے متعلق اس کے تاثرات اس کے درویشانہ مزاج کی غمازی کرتے ہیں۔ دنیا کی بے ثباتی کے پس منظر میں ہر عروجے را زوالے پر اظہار خیال کرتے ہوئے وہ اہل دنیا پر کفِ افسوس ملتا ہے اور انسان کے انجام (موت) کو یاد کر کے خود کو بھی اسی بے نیازی اور دردمندی کی صفات سے متصف کرتا ہے جس کا تذکرہ ہم نے اوپر کیا، نپولین بوناپاٹ کے انجام سے متعلق کمبل پوش کے تاثرات ملاحظہ فرمائیں:۔

''بونے پاٹ کی لاش کو اسی گاڈی پر رکھ کر لائے تھے اور اس ٹاپو میں
کہ چاروں طرف اس کے سمندر ہے، دفن کرا ہے۔ مجھ کو اس بات کے سننے
سے بہت رنج ہوا کہ زندگی چند روزہ کا کیا بھروسا۔ بوناپاٹ سا بادشاہ جو دس
لاکھ فوج ملازم رکھتا اور سب بادشاہوں پر غالب آیا تھا۔ آخر کار کس بیکسی
سے لاش اس کی گاڈی پر لائے اور اسے جزیرۂ خراب میں سونپ آئے۔''

پیرس کے ایک مشہور قبرستان کی سیر کرتے ہوئے اور وہاں مدفون کئی بادشاہوں کو یاد کرتے ہوئے کمبل پوش جذباتی ہو جاتا ہے اور ان کے انجام پر کفِ افسوس ملتا ہے:۔

''قبر بادشاہوں کی دیکھ کر مجھ کو عبرت آئی کہ کیا کیا صورت تہ زمین
سمائی۔ یہ بادشاہ کہ فرماں روا تھے، اب کوئی نشان سلطنت کا نہیں رکھتے۔''

اورنگ آباد میں اورنگ زیب کے مقبرے کی زیارت کے دوران، اس کی دختر زیب النسا کے مقبرے کی خستہ حالی اور بربادی پر آنسو بہاتا ہے کہ نظام الملک آصف جاہ اُس کے مقبرے

212 www.taemeernews.com

سے سنگِ مرمر نکلوا کر اپنے باپ کے مقبرے میں لگوا رہا ہے اور یوں اس کے مقبرے کو برباد کر رہا ہے۔ اس بربادی پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:۔

''اگر چندے یہی حال رہے گا۔ یہ مقبرہ ویران اور برباد ہوگا۔ ایک دن وہ تھا کہ باپ زیب النسا کا دبدبۂ عالمگیری اور کشور کشائی رکھتا۔ کسی کو دم مارنے کا امکان نہ تھا آج وہ روز ہے کہ اس کے لختِ جگر کے مقبرے سے پتھر کھود لیے جاتے ہیں خوف خدا کا دل میں نہیں لاتے ہیں۔ وہ کچھ خبر نہیں رکھتا۔''

عجائباتِ فرنگ کی ایک اہم خوبی موازنہ و تقابل ہے۔ کمبل پوش مشرقی تہذیب کا نمائندہ ہے مگر مغربی تہذیب کا دلدادہ ہے۔ وہ انگریزوں کی طرزِ معاشرت، تہذیب و شائستگی، رسم و رواج اور شب و روز کے معمولات سے بے طرح متاثر ہے۔ چنانچہ سفرنامے میں جہاں کہیں اسے موقع ملتا ہے، موازنے اور تقابل سے کام لے کر دونوں تہذیبوں کے فرق اور بُعد کو سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرتا ہے اور ایسا کرتے ہوئے بیشتر وہ انگریزوں کی تعریف و توصیف اور کہیں کہیں بڑائی کے گن گانے لگتا ہے۔

سفر کے ابتدائی مرحلے میں ایک مسافر خانے کے احوال رقم کرتے ہوئے کمبل پوش دونوں تہذیبوں کے نوجوانوں کا تقابل ان الفاظ میں کرتا ہے:۔

''عجب شہر ہے لڑکوں، کنواروں، خوبصورتوں کو دیکھا کہ استاد کے سامنے بڑے امتیاز سے بیٹھے پڑھ رہے ہیں۔ خرد و بزرگ سے حسبِ مراتب ادب سے پیش آتے ہیں۔ میں حیران ہوا کہ ہمارے وطن کے لڑکے اس سن میں نشست و برخاست کی تمیز نہیں رکھتے ہیں۔ یہ کیا شے ہیں جو اس صغرسنی میں باوجود حسن و جمال کے دانائی میں بڈھوں سے سبقت لے گئے ہیں۔''

یعنی مغرب میں جس عمر میں نوجوان علم سیکھتے ہیں اور ادب و آداب سے آشنا ہوتے ہیں وہیں ہندستان کے نوجوان بے راہ روی اور آوارگی میں مبتلا ہیں اور آدابِ محفل سے محض نا آشنا۔

213 www.taemeernews.com

مشرقی نوجوانوں کی بے راہ روی پر کمبل پوش کفِ افسوس ملتا ہے۔ جبکہ انگریز نوجوانوں کی تہذیب وشائستگی کی تعریف کرتے ہوئے نہیں تھکتا۔ ایک موقع پر یتیموں کے اسکول کا تذکرہ کرتے ہوئے نوجوانوں کا تقابلی مطالعہ اس طرح کیا ہے کہ:۔

''وہاں دیکھا لڑکے بن باپ کے یتیم پتلون زرد پہنے ہوئے لکھنے پڑھنے میں مشغول تھے۔ خرچ ضروری ان کے بادشاہ کے وہاں سے مقرر اور معمول تھے۔ وہ سب لڑکے امیروں نامدار کے ہیں۔ بہت صاحب لیاقت طبیعت ان کی نوشت وخواند پر ایسی مصروف پائی کہ مجھ کو حیرت آئی۔ اپنے دل میں کہا سبحان اللہ! لڑکے ہندوستان کے باوجود تاکید والدین کے تحصیلِ علم میں ہرگز نہیں مشغول ہوتے ہیں۔ اوقات اپنی مفت برباد دیتے ہیں۔ بلکہ چھٹ پنے میں حرکتیں بیجا کرتے ہیں۔ یعنی ماں باپ کو گالیاں دیتے اور ان کے سامنے حقہ پیتے ہیں۔''

لندن کے پاگل خانے کی سیر کے وقت وہ وہاں کے حالات تفصیل سے بیان کرتا ہے۔ اس کے مطابق لندن کا پاگل خانہ شاہِ لندن نے خود بنوایا ہے۔ اس مکان عالیشان میں پاگلوں کے کئی درجے ہیں۔ مردوں اور عورتوں کے لیے الگ الگ انتظام کیے گئے ہیں۔ ڈاکٹر وغیرہ علاج کے لیے مقرر ہیں۔ غرض وہاں پاگلوں کو ہر طرح کی آسائش اور آرام میسر ہے۔ اس کے مقابلے مصر کے پاگل خانوں کی خستہ حالی، حاکموں کے بے پروائی اور بے اعتنائی اور بے راہ روی پر کفِ افسوس ملتا ہے اور اس موقعے پر اسے لندن کے پاگل خانے کی یاد آجاتی ہے:۔

''ایک مکان سودائیوں کا لندن میں دیکھا تھا۔ ہر ایک نفاست سے سنگِ مرمر کی کرسی پر بیٹھا تھا۔ پوشاک نفیس پہنے ہوئے۔ آدمی خدمت کے لیے سرکار سے مقرر تھے۔ ڈاکٹر علاج کے واسطے مقرر۔ ہر طرح کی دوا وغذا سرکار سے میسر۔ مکان ایسا صاف اور بہتر تھا کہ مکھی کا ہرگز گذر نہ تھا۔ جب کوئی جنوں سے صحت پاتا ہے اپنے گھر خیریت سے بھیج دیا جاتا ہے یا ملازم سرکاری ہوتا ہے۔ یہاں برخلاف اس کے عمل

214 www.taemeernews.com

میں آتا ہے۔کوئی ان دیوانوں کی خبر نہیں لیتا ہے۔اگر مسافر آ نکلے ان کو کچھ کھلا دے، نہیں تو فاقہ کریں، مصیبت میں رہیں۔اگر خدا کی قدرت سے بے دوا اور علاج کوئی اچھا ہو جاوے، اس مکان سے نکلنے نہ پائے انگلستان میں کتے بھی ان دیوانوں سے اچھے رہتے ہیں، کھانے کی طرف سے ہرگز تکلیف نہیں کھینچتے ہیں۔''

اوپیرا ہاؤس میں رقص کے دوران مغربی رقصائیوں کی عریانیت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے انگریزوں پر کمبل پوش ناراض ہو جاتا ہے کہ یہی انگریز ہندوستان کی کسبیوں کی ننگی پوشاکوں اور باریک کپڑوں سے نالاں نظر آتے ہیں اور نفرت کا اظہار کرتے ہیں مگر اپنے ملک میں اس عریانیت کو جائز سمجھتے ہیں۔کمبل پوش انگریزوں کے اس دوہرے معیار پر نہ صرف حیرت کا اظہار کرتا ہے بلکہ احتجاج بھی کرتا ہے۔اقتباس ملاحظہ فرمائیں:۔

''انہوں نے ناچتے وقت ایسا کپڑا نہیں پہنا کہ تمام بدن خصوص جسم نہانی ان کا صاف نظر آتا۔ناچتے ناچتے جب پاؤں اٹھاتیں، گویا لوگوں کو شرم گاہ اپنی دکھاتیں۔مرد رنڈی سب تماشا دیکھتے۔اس امر نامناسب کو خلافِ حیا نہ سمجھتے۔یہ ماجرا خلافِ عقل نظر آیا میں نے اکثر انگریزوں کا حال سنا کہ ہندوستان کی کسبیوں سے بسبب پہننے ننگی پوشاک اور کپڑے باریک چست کے نفرت کرتے ہیں اور اسی وجہ سے ان کا راگ اور گانا نہیں سنتے ہیں، پر وہاں کوئی مانع نہ ہوا کہ ان کو اس حرکتِ بے جا سے باز رکھتا۔''

کمبل پوش انگلستانی اور ہندوستانی روساء کے مابین فرق کی طرف اشارے کرتے ہوئے ہندوستان کے اس طبقۂ خاص پر تنقید کرتا ہے کہ انگریز باوجود ثروت کہ علم و ہنر کے طالب رہتے ہیں اور فضول کاموں میں اپنا قیمتی وقت خراب نہیں کرتے۔ان کے یہاں تحرک اور عمل پایا جاتا ہے۔ان کے مقابلے میں ہندوستان کے روساء اور بادشاہ تضیعِ اوقات میں مصروف نظر آتے ہیں۔اپنی دولت بے کار کاموں میں برباد کرتے ہیں اور عیش و عشرت میں غرق ہو کر اپنے منصب و

215
www.taemeernews.com

فرائض سے بیگانہ ہو جاتے ہیں۔ کبوتر، بٹیر اور مرغ بازی میں مشغول نظر آتے ہیں۔ کمبل پوش شاہِ ہندوستان کی کسمپرسی پر کفِ افسوس ملتا ہے کہ ایک وقت تھا کہ اس کے تصرف میں کابل وقندھار بھی تھے مگر اب کاہلی اور نامستعدی سے مثل شاہِ شطرنج اپنے گھر میں بھی بے دخل ہو گیا ہے۔ ایسے مواقع پر کہ جہاں دوسروں کے عیب وہنر کا تذکرہ ہو یا جہاں حرفِ شکایت زبان پر آجائے۔ اچانک اسے احساس ہوتا ہے کہ اس کا قلم بہک رہا ہے اور اس احساس کے بعد وہ سنبھل جاتا ہے:۔

''اے قلم تو ارادہ مطلب نگاری کا رکھتا ہے۔ اظہارِ عیب وہنر سے
ہر ایک کو ناحق دشمن اپنا بنا کر بات بڑھاتا ہے۔''

لندن کے عالیشان ہوٹلوں، جنہیں کمبل پوش ''سرا'' لکھتا ہے کا مقابلہ ہندوستانی سراؤں سے کرتا ہے تو اسے لندن کی سرائیں بدرجہا بہتر نظر آتی ہیں۔ وہاں کی صفائی ستھرائی، عزت افزائی اور تمام تر سامانِ آرائش وزیبائش کی تعریف کرتے ہوئے میرزا پور، کی ایک سرا کا بڑا عبرت ناک منظر ہمارے روبرو لاتا ہے:۔

''عجب سرا کہ مکاں اس کے معدنِ حرارت، بھٹیاریاں ڈائنوں کی صورت میلے کپڑے پہنے۔ سیکڑوں چیلڑ اس میں بھرے۔ صفائی ستھرائی کی یہ حالت تھی کہ ریننٹ ہونٹوں تک لٹکتی۔ کوئی اپنے سر کے بال کھجلاتی، کوئی اپنے چوتڑوں پر ہاتھ دوڑاتی۔ مسافر اپنی شامت اعمال سے اگر وہاں آنکلا۔ عذابِ دوزخ میں گرفتار ہوا۔ یعنی ہر ایک اپنی طرف بلاتی ہے۔ ایک مکان تاریک وتنگ میں اُتارتی ہے۔ وہاں مچھر ہجوم لاتے ہیں ہڈی چمڑا زخمی کر ڈالتے ہیں۔ میں بھی اس سرا میں اترا۔ ایک تو گرمی مکان اور تکلیف مچھروں سے حیران تھا، دوسرے لید اور گوبر کی بو دماغ کو پریشان کرتی۔ طرفہ اس پر یہ کہ ہر ایک بھٹیاری آدھی رات تک آپس میں لڑی۔ ان وجہوں سے نیند آنکھ میں حرام ہوئی۔''

ایک کامیاب سفرنامہ، اس عہد کے تاریخی حوالے اور واقعات بھی بیان کرتا ہے کہ جس میں وہ تحریر کیا گیا ہے۔ اس حوالے سے اگر ہم ''عجائبات فرنگ'' پر ایک سرسری نظر ڈالیں تو ہمیں

216 www.taemeernews.com

اندازہ ہوگا کہ جگہ جگہ کمبل پوش نے تاریخی حوالوں اور واقعات کا تذکرہ کیا ہے، چاہے وہ بیرونِ وطن کے سیاسی حالات ہوں چاہے اندرونِ وطن کے۔ کمبل پوش کی سیاسی بصیرت غور طلب ہے۔ اسے انگریزی حکومت کی ریشہ دوانیوں کا علم ہے۔ مگر ان کے جاہ وجلال کا معترف بھی ہے۔ چنانچہ وہ اس بات کا قائل ہے کہ انگریزوں نے اپنے علم وفضل اور ثروت سے تمام دنیا پر قبضہ کرلیا ہے اور ان کا یہ تصرف حق بہ جانب ہے۔

علاوہ ازیں واٹرلو کی جنگ، نپولین بونا پارٹ، مملوکوں کا صفایا، مصر کے سیاسی وسماجی حالات، محمد علی پاشا کے ظلم وستم وغیرہ پر بھی اظہارِ خیال کیا ہے۔ ہندوستان میں دورانِ سفر جن ریاستوں سے اس کا گزر ہوا، وہاں کی حالتِ زار کا تقابل ان علاقوں سے کیا جو انگریزوں کے براہِ راست قبضے میں تھے۔ اس نے انگریزوں کی عمل داری کی تعریف کی ہے۔ کمبل پوش شاہِ اودھ کی فوج کا ملازم تھا، مگر دورانِ سفر دیگر ممالک کی افواج کے مقابلے اودھ کی فوج کی حالتِ زار پر آنسو بہاتا ہے۔ سفرنامے کے آخر میں کہ جب کمبل پوش اپنے وطن لکھنؤ پہنچ جاتا ہے وہاں کے سیاسی حالات پر مفصل تبصرہ کرتا ہے۔ جس سے اس کی سیاسی بصیرت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

انگلستان کے سفر کے دوران کمبل پوش وہاں کی عورتوں کے عملی زندگی میں شریک ہونے کو تحسین کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ وہاں کی عورتیں مردوں کے ساتھ کام کرتی ہیں اور علم و ہنر کی حصولیابی میں مشغول رہتی ہیں۔ جبکہ ہندوستان کی عورتیں گھر کی چار دیواری میں قید کردی جاتی ہیں۔ چنانچہ وہ پہلا ہندوستانی ہے جو پردے کی مخالفت کرتا ہے۔ بقول محمد اکرام چغتائی:۔

> ''غالباً کمبل پوش وہ واحد شخص ہے، جس نے آج سے تقریباً پونے دوسو سال قبل خواتین کی پردہ نشینی کی کھل کر مخالفت کی اور اس بات پر زور دیا کہ وہ بھی عملی زندگی میں حصہ لیں۔ دولتِ علم سے بہرہ مند ہوں اور اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ملک کی ترقی میں اپنا بھرپور کردار ادا کریں۔'' [1]

کمبل پوش کے پردہ نشینی سے متعلق یہ خیالات اسے بڑی حد تک ترقی پسند اور جدید ذہنیت

---

[1] تاریخ یوسفی از محمد اکرام چغتائی ص ۳۶

کا حامل بنادیتے ہیں۔ اقتباس ملاحظہ فرمائیں:۔

''میرے نزدیک یہ خیال بے جا ہے کہ پردہ نشینی باعث عفت کا ہے۔ بلکہ جو عورت بالطبع عفیفہ اور صالحہ بنے اگر ہزار مردوں بد میں بیٹھے عصمت اس کی قائم رہے اور بدطینت عورت کو کوئی لاکھ پردے میں چھپائے وہ اپنی حرکات ناشائستہ سے باز نہ آئے۔ ولایت لندن میں ایک عورت حسینہ ناکدخدا غیر مردوں کے ساتھ ایک بگھی میں بیٹھ کر جس ملک میں چاہے چلی جاوے۔ ہرگز اس سے کسی طرح کا فساد یا حرکت بدواقع نہ ہونے پائے۔ اس لیے کہ مرد نیک کار ہیں اور عورتیں حیادار۔ پس کیوں کر امر نامناسب کا خیال میں آوے۔ یہاں پردہ نشینی میں کیا کیا خرابیاں ہوتی ہیں۔ اگر یہاں کی عورتیں علم رکھتی ہوتیں اور بے پردہ باہر نکلتیں۔ ہرگز ایسا فساد نہ ہوتا۔ بھلا اس پردہ نشینی میں کیا فائدہ نکلا۔ حقیقت میں مرد نادانی کرتے ہیں کہ عورتوں اپنی کو ایک مکان تنگ پنجرے سے میں قید کر کے تماشائے عجائبات زمانہ سے باز رکھتے ہیں۔ کیا اندھیر ہے کہ آپ سیر دیکھتے پھرتے ہیں اور اپنے ہم جنسوں یعنی عورتوں کو اجازت نہیں دیتے ہیں۔''

فقیروں، سادھوؤں، کٹھ ملاؤں اور نقلی پیر فقیروں پر بھی کمبل پوش کا قلم طنز کے تیر برساتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ وہ پادریوں اور یہودی مبلغوں پر بھی طعن و تشنیع کے وار کرتا ہے۔ اسے مذہبی ظاہرداری سے چڑ ہے۔ اس کے نزدیک یہ تمام لوگ بے عملی اور بے غیرتی کا شکار ہیں۔ انگلستان سے ہندوستان تک ان کا جال پھیلا ہوا ہے۔ مذہب چاہے جو ہو، مذہب کے یہ نام نہاد ٹھیکے دار مفت کا مال کھا کھا کر فربہ ہو گئے ہیں اور ایسے ہی لوگوں کی مذہب پر اجارہ داری ہے۔ کمبل پوش کے یہ تاثرات اسے کسی حد تک مذہب بیزار بنادیتے ہیں اور اس وجہ سے وہ ایک خودساختہ مذہب (مذہب سلیمانی) اختیار کر لیتا ہے۔ جس کے تمام عقائد و رسومات، مساوات اور بھائی چارے پر مبنی ہیں۔ یہ دنیا ہی جنت و جہنم ہے۔ انسان اپنے نیک اعمال کے ذریعے اس دنیا میں جنت حاصل

www.taemeernews.com

کرلیتا ہے۔ پیسہ ہاتھ کا میل ہے۔ جسے وہ ناداروں اور غریبوں میں تقسیم کردینا چاہتا ہے۔ کمبل پوش کی یہ مذہب بیزاری دراصل ایک راہِ فرار بھی ہے اور راہِ عیش ونشاط بھی کہ وہ حسن وشراب کا رسیا ہے اور چونکہ داخلی شواہد سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مسلمان ہے، چنانچہ اپنے کھل کھیلنے کے لیے اس نے یہ وتیرہ اختیار کرلیا ہے۔

عجائباتِ فرنگ میں ایک جگہ ایک مرہٹن کا ذکر کرتے ہوئے کمبل پوش ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی یعنی ۱۸۵۷ء سے بیس سال پہلے ہندوستانی عوام میں انگریزوں کے خلاف نفرت و بغاوت کی طرف واضح اشارہ کرتا ہے۔ حالانکہ یہاں ذکر ایک خوبصورت عورت سے کمبل پوش کی ملاقات کا ہے اور ایسے میں اس کی شوخی وشرارت حد درجہ بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ اس مخصوص انداز میں مرہٹن سے اپنی ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہے کہ:۔

> ''راہ میں ایک عورت نوجوان مرہٹن پریزاد، زعفرانی اطلس کے کپڑے پہنے ہوئے ملی۔ نیزہ ہاتھ میں لیے ایک کمیت گھوڑے پر سوار جاتی تھی۔ شعر
>
> جمالش چو در نیم روز آفتاب
> کرشمہ کناں نرگسِ نیم خواب

عجب حسن وجمال درخشاں رکھتی کہ دیدۂ خورشید نے اس کی طرف ٹکٹکی باندھی۔ چہرہ اس کا درمیان بالوں عنبریں کے یوں چمکتا جیسے سورج کالی گھٹا سے نکلا۔ زیور خورشید طلائی بالوں میں گندھا، عجب کیفیت دکھاتا۔ انداز اس کا معشوقانہ۔ دل دیکھتے ہی لوٹ جاتا۔ جدھر آنکھ اٹھا کر دیکھتی، فتنہ بپا کرتی۔ فقیر جونہیں چار چشم ہوا۔ آئینہ ساں حیران ہوکر دیکھتا رہا۔ جب قریب آپہونچی۔ میں نے بے اختیار شوق سے یہ بات کہی، اگر اجازت پاؤں کچھ آپ کی خدمت میں عرض کروں۔ نگاہ تیز سے میری طرف دیکھا اور اشارے سے حکم کیا۔ میں نے کہا۔ اس مصور پنجوں پر صد آفریں کہ تیری یہ تصویر کھینچی نازنین۔ اس کلام سے وہ معشوقہ ہنس کر کہنے

219 www.taemeernews.com

لگی۔اے فقیر صاحب کمال سچ بتا کہ عمل مرہٹوں کا ہندوستان میں کب ہوگا اور کتنے دنوں میں انگریزوں پر زوال آوے گا۔میں نے کہا اے جان جب میرا نکاح تیرے ساتھ ہووے گا۔''

اس واقعے سے ۱۸۵۷ سے قبل انگریزوں کے خلاف بے چینی و بے قراری، بغاوت اور نفرت کے جذبات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔تاریخ کے اس نازک دور میں ایک ہندوستانی عورت کے قلبی جذبات کا اس طرح واہونا قابلِ غور ہے۔اورنگ آباد (جہاں یہ واقعہ پیش آیا) سے دہلی تک اس بے چینی اور بغاوت کے جذبات کی نفسیاتی توجیح کی جاسکتی ہے اور اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس عہد کے سیاسی حالات میں کس درجہ تبدیلی رونما ہورہی تھی۔عجائبات فرنگ میں شامل ایسے واقعات اس کی قدر و قیمت میں اضافہ کرنے کے لئے کافی ہیں۔

ایک سو تہتر (۱۷۳) صفحات پر مشتمل کمبل پوش کا سفرنامہ جس کا عنوان اس نے ''تاریخ یوسفی'' رکھا اور بعدازاں یہ ''عجائباتِ فرنگ'' کے نام سے مشہور و معروف ہوا۔دراصل لندن فرانس اور یوروپ کے سیاحتی مقامات اور تہذیب و تمدن کی تصویر ہی ہمارے سامنے نہیں لاتا بلکہ مصر اور ہندوستان کے حالات بھی ہمارے پیش نظر رکھتا ہے۔بلکہ مصر و ہندوستان کے واقعات تقریباً سو صفحات پر مشتمل ہیں اور ۷۳ صفحات ''فرنگ'' کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں۔اس اعتبار سے اس سفرنامہ کا عنوان ''عجائبات فرنگ'' کے بجائے ''تاریخِ یوسفی'' زیادہ بہتر اور معتبر لگتا ہے۔تحسین فراقی نے بھی اس صورتِ حال کی طرف اشارہ کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں:۔

''عجائبات فرنگ صرف یوروپ، افریقہ کے ساحلی علاقوں، پرتگال اور مصر ہی کی تہذیب و تمدن کا سامان اپنے اندر نہیں سمیٹے بیٹھا بلکہ اس میں ہندوستان کے اس عہد کے حالات کی طرف بھی بلیغ اشارے ملتے ہیں۔زوال آمادہ ہندوستانی ریاستوں کا حال، انگریز کی روز افزوں قوت، ہندوستان کے لوگوں کی عمومی مداہنت اور بے حسی، ریاکاری اور عیش پرستی کی بھی افسوس ناک تصویر سامنے آتی ہے۔''[1]

---

[1] عجائباتِ فرنگ از تحسین فراقی ص ۸۹

220
www.taemeernews.com

عجائبات فرنگ کی اشاعت اوّل ۱۸۴۷ء اور دوئم ۱۸۷۳ء کے عہد میں اُردو نثر نے ارتقا کے کئی دور دیکھ لیے تھے۔ جو تاریخ زبان وادب کا حصہ ہیں۔ دکنی ادب کے علی الرغم شمالی ہند میں بھی نثر دقیق، ادق و پیچیدہ اسلوب سے آگے بڑھ کر سلاست و روانی کی طرف گامزن ہو چکی تھی۔ فورٹ ولیم کالج (۱۸۰۰ء) کے زیرِ اہتمام اُردو نثر کے کئی عمدہ نمونے عوام وخواص کے سامنے تھے۔ جن میں میر امن کی باغ و بہار کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ میر امن نے داستانوی اسلوب میں انقلابی تبدیلیاں کیں اور اسے بڑی حد تک آسان وسلیس کر دیا۔ ان کی اس داستان کی ایک خوبی محاوروں اور روزمرہ کا برجستہ اور برمحل استعمال بھی ہے۔ وہ دہلی والے تھے چنانچہ اپنی زبان پر بجا طور پر فخر بھی کرتے تھے۔ علاوہ ازیں فورٹ ولیم کالج کے دیگر مصنفین نے بھی اُردو کے ارتقاء میں نا قابل فراموش حصہ لیا۔ یہ اُردو نثر کی ایک اہم تحریک تھی جس نے اُردو کو جذباتی اور داستانوی اسلوب کی حد تک خود مختار کر دیا۔ ۱۸۲۵ء میں لکھنوی نثر کا ایک اہم نمونہ رجب علی بیگ سرور کی فسانہ عجائب تھی۔ یہ مختصر داستان باغ و بہار کے مقابلے لکھنوی اسلوب کا ایک نا قابل فراموش نمونہ تھی۔ اس کی زبان مقفیٰ و مسجع تھی اور رنگین عبارت ایک شان دکھا رہی تھی۔ یعنی کمبل پوش کے سامنے اُردو نثر کے دو مختلف اسالیب تھے، ایک باغ و بہار کی بامحاورہ اور سلیس نثر اور دوسری فسانۂ عجائب کی رنگین و فارسی آمیز نثر۔ عجائبات فرنگ پر سرسری نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ کمبل پوش نے دونوں اسالیب سے جگہ جگہ استفادہ کیا ہے اور ہر دو طرح کے نمونے اس کی نثر میں جا بجا نظر آتے ہیں۔ تحسین فراقی نے کمبل پوش کے اسلوب سے متعلق لکھا ہے کہ:۔

> ''کمبل پوش کا اسلوب وہی ہے جو انیسویں صدی کے پہلے نصف تک اُردو نثر کا اسلوب ہو سکتا تھا۔''

ظاہر ہے کہ اس اسلوب پر داستانوی رنگ حاوی ہے کہ دراصل سیر و سیاحت کے واقعات بیان کرتے ہوئے کمبل پوش نے در پردہ اپنی داستان ہی رقم کی ہے۔ داستانوی اسلوب کی ایک خصوصیت ''قصہ در قصہ'' بھی ہے اور یہ خوبی ہمیں اس سفرنامے میں بھی نظر آتی ہے۔ ہندوستان کے سفر کے دوران دو مختصر مگر دلچسپ ضمنی داستانوں کی شمولیت ہمارے دعوے کو تقویت عطا کرتی ہے۔ یہ مختصر داستانیں جن کا محور و مرکز خود مصنف کی ذات ہے اس سفرنامے کو دلچسپ اور تحیر خیز

221
www.taemeernews.com

بنادیتی ہیں۔ باغ و بہار اور فسانہ عجائب کے ساتھ ساتھ اُردو مثنویوں میں بھی اس قسم کے ضمنی واقعات درج ہیں اور اس بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ کمبل پوش نے متقدمین و معاصرین کی روایت کی پاسداری کی ہے۔ جہاں تک ان دونوں داستانوں کے حقیقی ہونے کا تعلق ہے تو ان پر زمانے کی گردیں چڑھی ہوئی ہیں، چنانچہ وثوق کے ساتھ کچھ کہنا مناسب نہیں لگتا۔

کمبل پوش کے اسلوب کی ایک خصوصیت مقفیٰ عبارت آرائی ہے۔ اسے قافیہ پیمائی کا شوق ہے اور یہ اس دور کی ایک مشترکہ خصوصیت ہے چنانچہ سفرنامے میں کہیں کہیں خوبصورت قوافی کے استعمال سے کمبل پوش نے عبارت کو رنگین و شوخ بنا دیا ہے۔ مگر اس کی یہ قافیہ پیمائی بارِ خاطر پر گراں نہیں گزرتی۔ بقول تحسین فراقی ۔''قافیہ پیمائی سے اس کے اسلوب کا بانکپن متاثر نہیں ہوتا۔'' یہاں چند جملے تحریر کیے جاتے ہیں جو کمبل پوش کی قافیہ پیمائی کی مثال ہیں:۔

''مگر قدرتِ الٰہی سے زنجیر لنگر کی نہ ٹوٹی۔ روح کسی ذی حیات کی نفس بدن سے نہ چھوٹی۔''

''آدمی وہاں کے سب حسین و جمیل۔ پرے سرے کے خوبصورت اور شکیل۔''

''ناگاہ ایک معشوقہ چودہ برس کی دیکھی ایک دوکان میں بیٹھی، پری صورت حور سیرت چاند اس کو دیکھ کر شرمائے، سورج اس کے فراق میں دن رات چکر کھائے۔ عجب حسن و جمال بے مثال کہ بیان اس کا محال، گورے گورے گال، ہونٹ لعل لعل، دانتوں میں چمک، کمر میں لچک، شیریں ادا، دلربا، ابھری اس کی چھاتیاں، دل عاشقوں کا پھسلاتیاں۔''

''اے یوسف حلیم یہ قصۂ بے پایاں ہے۔ زبان کو نہیں تابِ بیاں ہے۔ سررشتہ سخن کا موڑ، باک قلم کی طرف مطلب کے دوڑ۔''

''پھول ہر قسم کے پھولے، دیکھنے ان کے سے غمِ دل بھولے۔''

''طراوت ان کی سے قطعۂ جنت شرمندہ، دانے ان کے موتیوں

222 www.taemeernews.com

سے زیادہ تابندہ۔''

''کپتان اس کا مجنوں کی طرح دبلا اور ناتواں، سپاہی سب بے ساماں۔''

''بال ان کے ایسے پیچیدار کہ پیچ وتابِ زمانہ ان سے شرمسار۔''

''زیادہ اس سے لکھنا فضول ہے۔ کلام طویل کرنا عاقلوں کے سامنے نامقبول ہے۔''

یہ چند مثالیں یہاں وہاں سے بغیر کاوش کے درج کی گئی ہیں۔ سفرنامے میں قافیہ پیمائی کا سلسلہ از اول تا آخر جاری ہے اور کہیں کہیں تشبیہ واستعارات کے استعمال سے شعری حسن پیدا کیا گیا ہے۔ اس دور کی نثر پر شعریت حاوی نظر آتی ہے اور یہ خوبی عجائبات فرنگ میں بھی موجود ہے۔

کمبل پوش نے جملوں کی ساخت میں تعقید کا استعمال کیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ شعر میں تو عیب ہے ہی نثر میں بھی اسے معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اسلوب کی یہ ''خصوصیت'' بھی اس سفرنامے میں موجود ہے۔ یہ تعقید، نثر کی روانی کو متاثر کرتی ہے اور معنی کی رسائی میں بھی دشواری کا سبب بنتی ہے۔ مگر یہ عیب اس دور کی دوسری نثری کتابوں میں بھی موجود ہے چنانچہ کمبل پوش کے اسلوب پر اس کے اثرات کو سمجھا جاسکتا ہے۔ یہاں چند مثالیں:۔

''جہازیوں نے بموجب حکم ان کے ناؤ پر سوار ہوکر کانٹوں آہنی سے کچھوؤں کو زخمی کیا۔''

''تصویر وکٹوریا شہزادی کی اور والدین اس کے کی بنی تھی۔''

کمبل پوش نے اپنی نثر کو بعض اردو اور فارسی کے اشعار سے بھی آراستہ کیا ہے۔ یہ اشعار موقع ومحل کے مطابق ہیں اور نثر کی روانی ان سے متاثر نہیں ہوتی۔ نیز اس امر سے اندازہ ہوتا ہے کہ کمبل پوش اُردو اور فارسی کی شعری روایت سے کماحقہٗ واقف تھا اور اشعار کے برمحل وبرجستہ استعمال پر قادر تھا۔

کمبل پوش کے اسلوب کی دیگر خصوصیات میں سراپا نگاری اور منظر نگاری خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ خاص کر خوبصورت حسیناؤں کا سراپا بیان کرنے میں اس نے کمال کر دکھایا ہے۔ یہاں تشبیہ

223
www.taemeernews.com

واستعارات بھی ان حسینوں کے حسن کو چار چاند لگا رہے ہیں۔ کمبل پوش کا اسلوب ایسی جگہوں پر شوخ ہو جاتا ہے۔ چند مثالیں اوپر گزریں یہاں صرف ایک سراپے پر آپ بھی نظر ڈال لیں:۔

''ایک بارگی ایک رنڈی پری زاد نکلی۔ اس کے دیکھنے سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک آئی۔ عجب صورت رکھتی تھی کہ چاند کو شرماتی۔ پردہ سے نکل کر اس میز پر آ بیٹھی اور پانی کے پیالے سے ہاتھ بھگو کر ان بارہ پیالوں کو بجاتی۔ ان سے ایسی آواز نکلتی کہ دل کو بے تاب کرتی۔ اس کے سننے کے لیے سارا بدن کان ہو گیا اور صورت دیکھنے کے لئے ہر عضو آنکھ بنا۔''

غرض کمبل پوش کا اسلوب کہیں کہیں پیچیدہ اور کہیں کہیں نہایت رواں رواں ہے۔ بیانیہ پر اسے قدرت حاصل ہے اور ہر ہر مقام پر قاری کے لیے دلچسپی اور حیرت کا سامان فراہم کرتا ہے۔ تحسین فراقی نے کمبل پوش کے اسلوب سے متعلق یہ رائے قائم کی ہے کہ:۔

''کمبل پوش کا اسلوب مغلق یا پیچیدہ نہیں، سیدھا اور صاف بیانیہ انداز ہے جس میں کوئی اینچ پینچ نہیں۔ جس طرح کمبل پوش کی اپنی شخصیت بے تکلفی، شوخی اور سادگی کی جامع تھی اسی طرح اس کے اسلوب پر بھی اس کا گہرا پرتو ہے۔ یہ اسلوب ایک بے تکلف، رند مشرب اور آزادہ رو شخصیت کا عکس ہے۔''

تحسین فراقی کی یہ رائے کہ کمبل پوش کا اسلوب پیچیدہ نہیں اور اس میں کوئی اینچ پینچ نہیں، کسی حد تک حق بجانب ہے۔ مگر کہیں کہیں اسلوب کی پیچیدگی اور تعقید، جس کی طرف تحسین نے بھی اشارے کیے ہیں۔ اس کے اسلوب کی روانی میں حارج ہوتے ہیں۔

☆☆☆

چند سال اُدھر کی بات ہے کہ دہلی یونیورسٹی کے شعبہ اُردو نے ایک نصابی کمیٹی تشکیل دی جس کے ذمے بی۔ اے آنرز (اُردو) کے نئے نصاب کی تیاری تھی۔ مختلف پرچوں کو ترتیب دیتے ہوئے ایک پرچہ غیر افسانوی نثر کا تیار کیا گیا۔ جس میں سفرنامے، ریپوتاژ، خاکے وغیرہ شامل کیے گئے۔ سفرناموں کے سلسلے میں کمبل پوش کی ''عجائبات فرنگ'' کی شمولیت پر تمام ممبران متفق الرائے تھے

224 www.taemeernews.com

چنانچہ اسے شاملِ نصاب کرلیا گیا۔ (افسوس کہ یہ کورس پاس نہ ہوسکا اور بعدازاں تبدیلیوں کی زد میں عجائباتِ فرنگ بھی آگئی) مگر کتاب کی دستیابی بے حد مشکل تھی کہ نسخۂ نول کشور لائبریریوں کی زینت تھا۔ نسخۂ دہلی کالج ناپید تھا اور تحسین فراقی کا تدوین کیا ہوا نسخہ پاکستانی اشاعت ہونے کے سبب سے عام طالب علم کی دسترس میں نہیں تھا۔ چنانچہ سینئر ساتھی ڈاکٹر خالد اشرف، ایسوسیٹ پروفیسر کروڑی مل کالج نے ازراہ مذاق مجھ سے کہا کہ اسے مرتب کر کے شائع کرادیں۔ طلبا کے ساتھ ساتھ ہم (اساتذہ) بھی اسے پڑھ لیں گے کہ یہ ایک تاریخی وادبی نثر پارہ ہے۔ خالد اشرف صاحب کی یہ بات دل میں گھر کرگئی اور میں اس طرف متوجہ ہوا۔ دہلی یونیورسٹی کی لائبریری میں اس سفرنامے کا نسخۂ نول کشور موجود تھا۔ اسے حاصل کر کے کام شروع کیا۔ بعدازاں پاکستان کے سفر کے دوران تحسین فراقی کا نسخہ بھی بہ دقت حاصل ہوگیا اور ان دونوں نسخوں کے تقابلی مطالعے سے جدید متن تیار کرنے کا سلسلہ شروع ہوا۔ تحسین فراقی کے گراں قدر مقدمے اور مفصل حواشی نے اس سفرنامے کی بہت سی مشکلات کو آسان کردیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کا کام نہایت وقیع اور جامع ہے اور اس میں کوئی قابل قدر اضافہ بظاہر ممکن نہ تھا۔ بطور خاص مسلمانوں کی اسفار سے دلچسپی، فارسی کے سفرناموں کے حوالے، نیز کمبل پوش سے متعلق ممکنہ معلومات اور اس کے نام نہاد مذہب سلیمانی پر تحسین فراقی کی آرا نہایت معتبر اور جامع ہیں۔ نیز حواشی لکھنے میں بھی انہوں نے دقتِ نظر کا ثبوت دیا ہے۔ چنانچہ میں نے اس کتاب سے کماحقہٗ استفادہ کیا ہے اور جہاں اختلاف یا اضافے کی گنجائش نظر آئی اسے نہایت ادب واحترام کے ساتھ شامل کتاب کردیا ہے۔ سیاحتی مقامات اور اسما کے تعلق سے کمبل پوش نے جو تحریفات کی ہیں ان کی اصل تک پہنچنے کے لئے تحسین فراقی نے متعدد کتابوں اور ناموں کی لغات سے استفادہ کیا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۸۳ء میں شائع ہوئی تھی۔ آج انٹرنیٹ کا زمانہ ہے۔ یہ تمام معلومات انٹرنیٹ پر موجود ہیں چنانچہ میں نے انٹرنیٹ پر موجود مختلف انسائیکلو پیڈیا سے استفادہ کرتے ہوئے حواشی میں اضافے کیے۔ نیز اُردو کے انسائیکلو پیڈیا مختلف لائبریریوں میں موجود تھے۔ ان سے بھی کماحقہٗ مدد لی گئی اور اس طرح حواشی کو زیادہ معتبر بنایا گیا۔ انٹرنیٹ پر تصاویر کا ذخیرہ بھی موجود ہے۔ کمبل پوش جن مقامات سے گزرا اور جن عمارتوں کی سیر کی، ان کی تصاویر بھی انٹرنیٹ پر موجود تھیں۔ چنانچہ خیال ہوا کہ تصاویر کا ایک ضمیمہ بھی ترتیب دیا جائے یہ

225
www.taemeernews.com

ضمیمہ ''تصویر خانہ'' کے نام سے شاملِ کتاب ہے۔ جس کے مطالعہ سے ہم اس دور کی ایک تصویر دیکھ سکتے ہیں کہ جس دور میں کمبل پوش نے یہ سفر اختیار کیا۔ تدوین کا یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ اطلاع ملی کہ ساہتیہ اکادمی میں پروفیسر گوپی چند نارنگ کے ذخیرۂ کتب میں ایک کتاب ''تاریخ یوسفی'' کے نام سے موجود ہے۔ دراصل یہ اسی سفرنامے کا ایک اور جدید ایڈیشن تھا۔ جسے ۲۰۰۴ء میں محمد اکرام چغتائی نے ترتیب دیا تھا۔ بہ ہزار دقت اس نسخے کو حاصل کیا تو معلوم ہوا کہ اکرام چغتائی نے نسخۂ دہلی کالج کی تدوین کی ہے۔ یہ ایک خوش آئند بات تھی اب میرے پاس دونوں قدیم نسخے موجود تھے اور ان کے تقابلی مطالعے سے میں ایک بہتر متن تیار کر سکتا تھا۔ لہٰذا از سرِ نو متن کی ترتیب و تدوین میں مصروف ہوا اور بہت سی مشکلات پر قابو پالیا۔ چنانچہ اختلافِ نسخ و املا کے عنوان سے ایک ضمیمہ کتاب میں شامل ہے، جس میں متن کے اختلافات کے ساتھ ساتھ املا کی بھی وضاحت کی گئی ہے تحسین فراقی کے نسخے میں مشکل الفاظ کی فرہنگ شامل نہیں ہے۔ نول کشور میں بھی یہی صورت حال ہے جبکہ اکرام چغتائی نے چند الفاظ کے معنیٰ درج کیے ہیں۔ کمبل پوش کی زبان بظاہر آسان ہے، مگر آج کے طالب علم کے لئے یہ آسان زبان بھی مشکل ہے۔ چنانچہ ایک تفصیلی فرہنگ کی ضرورت محسوس کی گئی اور اسے کتاب کے آخر میں شامل کر دیا گیا۔ کمبل پوش نے اس سفر کے دوران ہزاروں میل کی مسافت طے کی اور تقریباً آدھی دنیا کا چکر لگایا۔ وہ پانی کے راستے لندن وارد ہوا اور واپسی خشکی کے راستے کی۔ اس طول طویل سفر کا ایک جغرافیائی نقشہ ترتیب دینے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔ تاکہ دنیا کے نقشے پر کمبل پوش کے قدم جہاں جہاں پڑے ہیں اس کی ایک واضح تصویر سامنے آجائے۔ اس نقشے کو بھی کتاب میں شامل کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ کمبل پوش کے سفرنامے کی تاریخی ترتیب، جسے اکرام چغتائی نے مرتب کیا ہے، قارئین کی دلچسپی کے لیے شامل کی گئی ہے۔

اس سب کے باوجود مجھے یہ اعتراف بھی کرنا ہے کہ کچھ سیاحتی مقامات کی نشاندہی نہ ہو سکی کہ کمبل پوش انگلش اور فرنچ کے ناموں کی شکلیں کافی بگاڑ دیتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کوتاہیوں کی گنجائش ہے۔ میری قارئین سے گزارش ہے کہ اگر اس سلسلے میں کچھ معلومات انہیں حاصل ہوں تو مجھے آگاہ کریں تاکہ آئندہ انہیں شامل کر کے اس کام کو زیادہ معتبر بنایا جا سکے۔

اس کتاب میں ''عجائباتِ فرنگ'' کو ایک یونٹ مان کر صفحات پر نمبر ڈالے گئے ہیں یعنی

226 www.taemeernews.com

جہاں سے اصل کتاب شروع ہوتی ہے وہاں صفحہ نمبر ا ہے۔ یہ نمبر فارسی کے ہیں۔ (۱،۲،۳،۴۔۔۔) جبکہ پوری کتاب بہ شمول مقدمہ اور دیگر عنوانات پر انگریزی صفحہ نمبر (1,2,3,4 ...) دیے گئے ہیں۔ یہ محض تحقیقی کام کو آسان بنانے کے لیے کیا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ قارئین اسے ذہن میں رکھ کر ہی کتاب کا مطالعہ کریں گے۔

اس کتاب پر کام کرنے کی تحریک مجھے ڈاکٹر خالد اشرف کے ذریعے حاصل ہوئی۔ انہوں نے ہی بار بار میری توجہ اس طرف مبذول کرائی اور پھر ان ہی کی ضد کے آگے میں نے سرِ تسلیم خم کیا۔ وہ وقتاً فوقتاً میری حوصلہ افزائی کرتے رہے اور ایک بے حد اہم مآخذ کی دستیابی میں بھی ان کی کوشش شامل رہی۔ ناسپاسی ہوگی کہ ان کا شکریہ ادا نہ کیا جائے۔ وہ اکثر دوستوں کو علمی و ادبی کاموں کے لئے اکساتے رہتے ہیں اور خود بھی اس نوع کے مشاغل میں غلطاں و پیچاں رہتے ہیں۔ بلآخر انہوں نے مجھ سے یہ کام کرا ہی لیا میں ان کا بے حد شکر گزار ہوں۔ فارسی اشعار کی تصحیح و ترتیب میں عزیز دوست ڈاکٹر احمد محفوظ کے مشورے شامل رہے۔ چنانچہ وہ بھی میرے شکریے کے مستحق ہیں۔ دہلی یونیورسٹی لائبریری کے شعبہ اُردو، عربی، فارسی میں کئی قیمتی کتب اور لغات سے استفادے کا موقع ملا چنانچہ اس کے اراکین کا شکریہ ادا کرنا میرے فرائض میں شامل ہے۔ داراشکوہ لائبریری اُردو اکادمی کے تمام اراکین اور بطور خاص نزہت رضوی (لائبریرین) کا بے حد شکریہ کہ انہوں نے کتابوں کی دستیابی میں جس فراغ دلی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جدید و قدیم کتابوں کا جو قیمتی ذخیرہ اس لائبریری میں موجود ہے وہ شاید اور کہیں نہیں ہے۔ اُردو کے چند انسائیکلو پیڈیا بھی یہاں موجود ہیں جن سے استفادے کے بغیر یہ کام نہ ہو سکتا تھا۔ اس کتاب مس شامل نقشے اور حواشی کے سلسلے میں انٹرنیٹ اور کمپیوٹر سے استفادہ کیا گیا ہے۔ میرے فرزند اطیب ظفر نے اس سلسلے میں میری رہمائی کی، کہ میں پچھلے زمانے کا آدمی، اس کا عادی نہیں۔ اللہ ان کے مستقبل کو روشن اور تابناک بنائے اور زندگی میں سرخرو۔ آمین!

اورنگ آباد کے ادب نواز دوستوں کا شکریہ بھی ادا کرنا میرا فرض ہے کہ اس کتاب کی تحقیقی ترتیب کے دوران وہاں کا سفر اختیار کیا۔ ایلورا، دولت آباد، خلد آباد اور اورنگ آباد کے ان مقامات کی تصاویر لیں جن کا ذکر کمبل پوش نے اپنے سفر نامے میں کیا ہے۔ دورانِ سفر وہاں کئی

227
www.taemeernews.com

مشفق اور مہربان احباب سے سابقہ پڑا۔ ان تمام احباب کی محبتوں اور عنایتوں کا میں ہمیشہ احسان مند رہوں گا۔

عزیز شاگرد عبدالصمد (پروپرائٹر ایم۔آر۔ پبلی کیشنز، نئی دہلی) نے بھی اس کام میں مدد کی اور اس کتاب کی تزئین واشاعت کی ذمہ داریاں اپنے سر لیں۔ ان کی مدد کے بغیر یہ کتاب زیورِ طبع سے آراستہ نہیں ہو سکتی تھی چنانچہ ان کا شکریہ ادا کرنا بے حد ضروری ہے۔

علاوہ ازیں استادِ محترم ڈاکٹر شریف احمد صاحب اور ڈاکٹر محمد فیروز دہلوی صاحب کا شکریہ ادا کرنا میرا فرض ہے کہ ان کی ہدایتیں اور عنایتیں نیز دعائیں ہمیشہ میرے ساتھ رہی ہیں۔ وہ دوست جو دل کے قریب ہیں ان کا شکریہ کیا ادا کرنا۔

مظہر احمد

نئی دہلی
فروری ۲۰۱۲ء

228
www.taemeernews.com

فارسی اشعار اور مصرعے

۱۔ص،۲ قاریا بر من مکن چندیں عتاب
گر خطاے رفتہ باشد در کتاب

ترجمہ: اے پڑھنے والے! اگر کتاب میں کوئی غلطی در آئی ہے تو مجھے معتوب مت کر۔

۲۔ص،۳ رسیدہ بود بلاے ولے بخیر گذشت

ترجمہ: ایک مصیبت آن پہنچی تھی لیکن بخیر گذر گئی۔

۳۔ص،۱۴ اگر فردوس بر روے زمیں است
ہمیں است وہمیں است وہمیں است

(یہ شعر جہانگیر سے منسوب ہے)

ترجمہ: اگر جنت زمین پر ہے تو یہی ہے، یہی ہے، یہی ہے۔

۴۔ص،۳۱ چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

ترجمہ: خاک کو عالم پاک سے کیا نسبت۔

۵۔ص،۳۲ دامانِ نگہ تنگ وگل حسنِ تو بسیار
گل چین بہار تو ز داماں گلہ دارد

ترجمہ: نگاہ کا دامن تنگ اور تیرے حسن کے پھول بے شمار ہیں۔ تیری بہار سے گل چینی کرنے والے کو اپنے دامن سے شکوہ ہے۔

۶۔ص،۳۴ دنیا ہیچ ست و کار دنیا ہمہ ہیچ

ترجمہ: دنیا ہیچ ہے اور دنیا کے سارے کام بھی ہیچ ہیں۔

www.taemeernews.com

۷۔ص،۳۸ ترک دنیا بمردم آموزند
خویشتن سیم و غلہ اندوزند

(شیخ سعدی)

ترجمہ : لوگوں کو تو ترک دنیا کی تلقین کرتے ہیں اور خود اپنے لیے غلّہ اور جنس جمع کرتے ہیں۔

۸۔ص،۴۸ کہ داند کہ فردا چہ خواہد رسید
ز دیدہ کہ خواہد شدن ناپدید

ترجمہ : کون جانے کہ کل کیا پیش آئے گا اور آنکھ سے کون اوجھل ہو جائے گا۔

۹۔ص،۴۸ دنیا خوابے ست کش عدم تعبیر ست
صیدِ اجل ست چہ جواں چہ پیر ست
ہم روے زمیں پُر ست و ہم زیرِ زمیں
ایں صفحۂ خاک ہر دو رو تصویر ست

(یہ رباعی فریدالدین عطار سے منسوب ہے۔)

ترجمہ: دنیا ایسا خواب ہے جس کی تعبیر عدم ہے۔ کیا جواں کیا پیر سبھی موت کے شکار ہیں۔ زمین کی سطح پر بھی اور زیرِ زمین بھی جگہیں بھری پڑی ہیں۔ اس صفحۂ خاک پر دونوں طرف تصویریں ہیں۔

۱۰۔ص،۵۹ امشب مگر بوقت نمی خواند ایں خروس
عشاق بس نہ کردہ ہنوز از کنار و بوس

ترجمہ: آج کی رات مرغ سحر نے شاید وقت پر بانگ نہیں دی' کیونکہ عشاق ابھی تک بوس و کنار سے فارغ نہیں ہوئے ہیں۔

۱۱۔ص،۶۵ سیہ چشم سبزانِ رنگیں نگاہ
بشورِ نمک از شکر باج خواہ
رہِ مایہ دارانِ ایمان زنند
بخروار بیع دل و جاں کنند

ترجمہ: کالی آنکھوں والے سبزہ رنگ معشوق اپنی سراسر نمکینی کی وجہ سے شکر سے بھی خراج وصول کرتے ہیں۔ وہ ایمان کے دولت مندوں کی رہزنی کرتے ہیں اور بہت کچھ مال کے عوض اپنے

230 www.taemeernews.com

دل و جان بھی بیچ دیتے ہیں۔

۱۲۔ص،۱۰۴　　دراں باغ مرغاں بجوش آمدہ
ز ہر یک دگرگوں خروش آمدہ

ترجمہ: اس باغ میں ہجوم در ہجوم طیور آئے اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر پکارنے لگے۔

۱۳۔ص،۱۱۰　　بزرگاں مسافر بجاں پرورند
کہ نامِ نکوشاں بعالم برند

(شیخ سعدی)

ترجمہ: بڑے لوگ مسافر کی دیکھ بھال دل و جان سے کرتے ہیں کیونکہ یہ مسافران کی نیک نامی تمام عالم میں پھیلاتے ہیں۔

۱۴۔ص،۱۱۲　　بے چارہ خارمی خورد و بارمی برد

ترجمہ: بے چارہ کانٹے کھاتا ہے اور بوجھ ڈھوتا ہے۔

۱۵۔ص،۱۱۶　　اے زرتو خدا نہ ای ولیکن بخدا
ستارِ عیوب و قاضی الحاجاتی

ترجمہ: اے دولت! تو خدا تو نہیں ہے لیکن خدا کی قسم تو عیوب کو چھپانے والی اور حاجات کو پورا کرنے والی ہے۔

۱۶۔ص،۱۲۸　　جمالش چو در نیم روز آفتاب
کرشمہ کناں نرگسِ نیم خواب

(یہ شعر غالباً نظامی کا ہے۔)

ترجمہ: اس کا حسن دوپہر کے سورج کی طرح روشن اور اس کی آنکھیں نرگس نیم خواب کی طرح کرشمہ زا ہیں۔

۱۷۔ص،۱۳۱　　جہاں را ندیدم وفادارے
نخواہد کس از بیوفا یارے
بریدم ز ہر آشنائے شمار
بس ست آشنائے من آمرزگار

www.taemeernews.com

ترجمہ: میں نے دنیا میں ذرا بھی وفاداری نہیں دیکھی۔ سچ تو یہ ہے کہ کوئی کسی بے وفا سے دوستی کا خواستگار نہیں ہوتا۔ میں نے اپنے ہر دوست آشنا سے تعلق منقطع کر لیا اور اب میرا دوست صرف میرا بخشنے والا یعنی خدائے تعالیٰ ہے۔

۱۸۔ص،۱۴۰

اے نور چشم من سخنے ہست گوش کن
تا ساغرت پُرست بنوشاں ونوش کن

(حافظ شیرازی)

ترجمہ: اے میری آنکھوں کے نور تو میری ایک بات سن لے اور وہ یہ کہ جب تک تیرا ساغر بھرا ہوا ہے دوسروں کو بھی پلا، خود بھی پی۔

۱۹۔ص،۱۴۸

گر چہ کس بے اجل نخواہد مرد
تو مرو در دہان اژدر ہا

(شیخ سعدی)

ترجمہ: اگر چہ کوئی شخص اپنی آئی کے پہلے نہیں مرتا، مگر پھر بھی تم اژدہے کے منہ میں مت جا بیٹھو۔

۲۰۔ص،۱۶۲

نکوئی با بداں کردن چناں است
کہ بد کردن بجاے نیک مرداں

(شیخ سعدی)

ترجمہ: برے لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنا ویسا ہی ہے جیسے کہ نیک لوگوں کے ساتھ برائی کرنا۔

۲۱۔ص،۱۶۸

بہ جود و کرم سکہ زد در جہاں
محمد علی بادشاہ زماں

ترجمہ: محمد علی بادشاہ زماں نے جود و کرم کو کام میں لاتے ہوئے دنیا میں سکہ چلا دیا۔

☆☆☆

232
www.taemeernews.com

ضمیمہ۔ا

(مذہب سلیمانی سے متعلق ڈاکٹر تحسین فراقی کی آرا، اس ضمیمہ میں درج ہیں۔)

اب جب کہ .....مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کمبل پوش کے ''مذہب سلیمانی'' پر بھی کچھ خامہ فرسائی ہوجائے۔ کمبل پوش نے ''عجائباتِ فرنگ'' میں تین چار مقامات پر اپنے سلیمانی مذہب کی تھوڑی بہت وضاحت کی ہے۔ چند اقتباسات درج ہیں۔

(الف) ''آخر پادری صاحب نے پوچھا تمہارا مذہب کیا؟ میں نے کہا بندہ بارہ برس کے سن سے اسی تحقیقات میں پھرتا ہے اور روز وشب اسی کی تلاش میں رہتا مگر کسی دین میں ایسا شخص نہ پایا کہ حرص وطمع دنیا سے علاقہ نہ رکھتا ہو۔ بہت روز ان فاضلوں کی صحبت میں کاٹے کہ منبروں پر چڑھ کر وعظ ونصیحت کہتے اور روتے اور آخر جواون کو دیکھا ہوائے نفسانی سے صاف نہ پایا۔ برسوں برہمنوں اور ہندو فقیروں کی خدمت میں رہا کہ شاید انہی کے ہاتھ لگے راہ راست کا پتہ۔ بعضے فقیروں کو دیکھا درختوں سے پاؤں باندھ کر اوندے لٹکتے، بعض شدتِ گرمی میں آگ تاپتے۔ لیکن جب غور کیا سوائے مکروفریب کے کچھ نہ پایا۔ اسی طرح پادریوں کے پاس اکثر رہا۔ اون کو بھی بموجب حکم حضرت عیسیٰ کے روپیہ کی طلب سے خالی نہ پایا۔ آخر لاچار ہوکر مذہب سلیمانی اختیار کیا۔ اس کو سب سے اچھا جانا، وہ یہ ہے کہ حضرت سلیمان نے فرمایا ہے: بنی اسرائیل میں مجھ سا بادشاہ کوئی نہیں ہوا۔ حق تعالیٰ نے سب نعمتیں جہان کی مجھ کو دیں۔ نہیں طاقت شکر اس کی میرے تئیں، اتنی مدت میں میں نے خلاصۂ مطلب یہ سمجھا: نیک بخت وہ شخص ہے جو کسب اور وجہ حلال سے معاش پیدا کرے اون میں سے کچھ آپ کھاوے، باقی کچھ غریبوں کو دے۔ بد بخت وہ ہے کہ گدھے کی طرح بوجھ روپے کا اپنے اوپر اٹھاوے۔ نہ آپ کھاوے نہ کسی کو کھلاوے۔ نہ دن کو آرام پاوے نہ رات کو سووے۔ یکا یک اس آدمی کی موت آوے جہاں سے لیجاوے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔نہیں معلوم روح اس کی بہشت میں یا

233 www.taemeernews.com

دوزخ میں پڑے۔اس طرح بعد مرنے کے روح نہیں ثابت ہوتی ہے کہ کہاں جاتی ہے،اسی قول پر مذہب بندے کا ہے کہ خداوند تعالیٰ کو برحق جانتا ہے۔بدکاری، چوری اور سب گناہوں کو بد سمجھتا ہے۔ہروقت ہر کام کے لئے مقرر ہوا۔''

(ب)''آخر بعد تحقیق جو اِن سبھوں میں ممتاز تھا میری طرف متوجہ ہوکر حال مذہب کا پوچھنے لگا۔میں نے ایسا جواب دیا کہ بہت راضی ہوا۔آخر اوس نے بھی یہی کہا کہ ہم کو تعصب نہیں مذہب کا۔ اگر بنظر انصاف دیکھئے اور دل میں غور کیجئے مآل سب مذہبوں کا ایک ہے۔''

(ج)''آخر بعد تحقیقات یہ ثابت ہوا کہ مذہب سلیمانی ہی سب مذہبوں سے اچھا ہے۔۔۔۔۔۔جنت ودوزخ اسی دنیا میں موجود ہیں نہ اور کہیں جس کی رنج ومصیبت میں گزرے اس کو دوزخ ہے یہیں،جس کی زندگی چین آرام سے بسر ہوتی ہے اس کو ہے بہشتِ بریں۔خدا تعالیٰ رحیم وکریم ہے عدل وانصاف میں نہیں کوئی اس کا سہیم۔یہ بات خلاف عدل وداد کے ہے کہ زندگی چند روزہ انسان کے لئے بہشت ودوزخ آباد کرے۔اس کی زندگی چندروزہ میں اور مصیبتیں کیا کم ہیں، سینکڑوں مکروہات وغم ہیں،چڑیا اور جانوروں کو باوصف بے عقلی کے اپنے بچوں سے اتنی محبت ہوتی ہے کہ اوڑ کر دُور سے دانہ لاکر کھلاتی ہیں اور اس کو بہرصورت تکلیفوں سے بچاتی ہیں۔حق تعالیٰ جو ستر درجے ماں باپ کے زیادہ محبت اپنے بندوں سے محبت رکھتا ہے کیونکر عقل میں سماتا ہے کہ دوزخ میں ڈالے گا۔۔۔۔۔۔اس سے زیادہ اور عذاب کیا ہوگا کہ ساری عمر بندے کی مصیبت میں گزری۔اس کا نام دوزخ ہے۔۔۔۔۔۔جو خدا کی راہ میں خرچ کرتا ہے،غریبوں، مسکینوں کی پرورش مدنظر رکھتا ہے،مردم آزاری سے باز رہتا ہے،وہی بندہ مقبول ہے کوئی مذہب رکھتا ہووے۔''

مندرجہ بالا اقتباسات کی روشنی میں''مذہب سلیمانی'' کا خلاصہ یہ ہے کہ معروف مذاہب کے لوگ طلبِ دنیا کے اسیر ہیں۔لہٰذا بہتر وہی شخص ہے جو لوگوں سے بھلائی سے پیش آئے۔بدکاری، چوری اور دیگر گناہوں سے بچے،رزق حلال کمائے ،اپنی ضرورت سے جو کچھ زیادہ ہو مستحقین میں بانٹ دے۔جنت دوزخ موجود فی الخارج نہیں۔جنت نام ہے اسی دنیا میں آسائش کا،دوزخ نام ہے اسی دنیا میں دکھ جھیلنے کا۔مرنے کے بعد روح کے مرجع کا علم نہیں،اور یہ کہ مآل سب مذہبوں کا ایک ہے۔

یہ تو ہوا''مذہب سلیمانی'' کے باب میں کمبل پوش کے افکار کا خلاصہ۔لیکن یہاں ایک اہم بات

234 www.taemeernews.com

کا تذکرہ ضروری ہے اور اس کا تعلق جنت و دوزخ کے سلسلے میں کمبل پوش کے متضاد بیانات سے ہے۔ جنت و دوزخ کے بارے میں کمبل پوش نے باتکرار تو اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ وہ اسی دنیا میں موجود ہیں، اور کہیں نہیں اور یہ کہ مادّی اور نفسی آرام و آسائش کا نام جنت ہے اور دنیاوی تکالیف و مصائب کا نام جہنم ہے۔ لیکن اپنے اسی سفرنامے میں دو جگہ وہ آخرت اور عاقبت کا ذکر بھی کرتا ہے مثلاً ایک جگہ جہاں وہ بادشاہِ مصر محمد علی پاشا کے ہاتھوں رعیت پر ہونے والے ظلم کی تفصیل فراہم کرتا ہے، خصوصیت کے ساتھ دیوانوں پر، تو وہاں یہ عبارت بھی ملتی ہے۔

''جو کوئی ان بے چاروں کو اس مصیبت سے چھڑاوے، دنیا و آخرت میں اجرِ عظیم پاوے۔''

ایک دوسری جگہ جہاں وہ کوہِ طور کی سیر کو جاتا ہے تو حضرت موسیٰ کے معجزات بھی بیان کرتا ہے اور لکھتا ہے:

''اگر کوئی معجزوں انبیاء کا نہیں قائل ہوتا ہے، عاقبت اپنی خراب کرتا ہے، میں نے یہ سب معجزے پیغمبروں کے اپنی آنکھ سے دیکھ کر اس کتاب میں لکھے۔ اگر کوئی اعتبار نہ کرے اپنی بلا سے۔''

اب اگر جنت دوزخ اسی دنیا میں موجود ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ خود ثواب و عقاب کا تصور باطل ہو گیا اور ثواب و عقاب کے تصور کے باطل ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ حیاتِ بعد الممات کا بھی کوئی جواز نہ رہا۔ ظاہر ہے کمبل پوش ان باتوں کا تصور بھی نہ کر سکتا تھا اس لئے وہ آخرت کے اجرِ عظیم کے حصول اور عاقبت کی بہتری کے عقیدے کا بھی قائل معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال بیک وقت ان دو متضاد اور متبائن عقائد کے قائل ہونے کا ایک مطلب تو واضح ہے اور وہ یہ کہ جنت اور دوزخ کے ''مشکل مقامات'' کے سلسلے میں اس کے ذہن میں صراحت اور وضاحت موجود نہ تھی۔ اصل میں مجھے تو کمبل پوش کا المیہ یہ نظر آتا ہے کہ انیسویں صدی کی نری کھری عقل پرستی اسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی اور خود اس کے تہذیبی مزاج میں رچی بسی روایت پرستی اور معجزات و مابعد الطبیعیات کی کشش بھی اسے چھوڑے نہیں دے رہی تھی اور اس کی مشکل ویسی ہی تھی جیسی غالبؔ نے اپنے ایک شعر میں بیان کی ہے:

ایماں مجھے روکے ہے جو کھینچے ہے مجھے کفر
کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

235 www.taemeernews.com

ویسے جہاں تک جنت ودوزخ کا تعلق ہے، خود بعض متکلمین میں ان امور پر بحثیں موجود رہی ہیں کہ آیا جنت اور دوزخ حقیقی وجود رکھتے ہیں یا یہ نفسی کیفیات کا نام ہیں۔ شہرستانی کی ''الملل والنحل'' میں بھی جنت ودوزخ کی تعبیر وہی ہے جو کمبل پوش کے یہاں ملتی ہے:

الجنة هي التي تصيب الناس من خير ونعمة وعافيةوان النار هي التي تصيب الناس من شرّ ومشقة وبلية:

''لوگوں کو دنیا میں جو بھلائیاں میسر آتی ہیں اور جو نعمتیں ملتی ہیں، سکھ اور راحت کی زندگی کے پالینے میں کامیابی، سو اسی کا نام جنت ہے اور برائیاں، سختیاں اور مصائب جنہیں دنیا میں لوگ جھیلتے ہیں بس یہی جہنم ہے۔''

بلکہ خود یہود میں بھی اسی عقیدہ کی موجودگی بتائی جاتی ہے۔ محسن فانی ''دبستانِ مذاہب'' میں لکھتا ہے:

> ''از سرمد شنیدہ شد کہ ایزد متعال نزدِ یہود جسم است وجسمانی بر پیکرِ انسان وجسدِ مثالی دارد وگاہ پراگندہ مے شود چوں شعاعِ متفرق۔ گفت در توریت وزبور مذکور است کہ روح جسمے لطیفے است بہ پیکر انسانی کہ مظہر اوایں جسم محسوس است و ثواب وعقابِ آخرت نیز دریں داراست مثلاً عمر صد وبست سال زیست، پس مُرد تمام حیاتِ او یک روز است، چوں بمیرد شب شود وجسدِ اُو پارۂ بصورتِ جماد و پارۂ نبات و پارۂ حیوان وامثال آں رود چوں صد وبست سال بگذرد، شب بانجام آید، صبح بدمد۔ اگر ذرہ از خاکِ عمر بمشرق باشد وذرۂ بمغرب ہمہ یکجا گردد وعمر زندہ شود باز ۔۔۔۔۔۔ وثواب وعقاب دریں داراست۔ ہر چہ ہست در باطن پیکرِ انسان دارد حتیٰ آب وخاک۔'' محسن فانی: دبستانِ مذاہب (نولکشور ۱۸۸۸ء) تعلیمِ چہارم در عقایدِ یہود ص ۴۵۔۲۴۴''

بہر حال جمہور علمائے اسلام میں یہ بات متفق علیہ ہے کہ جنت ودوزخ کے باب میں اس قسم کے ظن وتخمین کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس باب میں ہمارے لئے سب سے بڑی سند قرآن وحدیث کی ہے اور قرآن وحدیث میں جنت ودوزخ کا واقعی وجود ثابت ہے اور انہیں صرف نفسی کیفیات کا نام

236 www.taemeernews.com

دے دینا یا یہ کہہ دینا کہ یہ محض اسی دنیا میں وجود ہیں، اقرب الی الصواب نہیں ہے، بلکہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں ہر آسمانی مذہب میں آخرت اور جنت و دوزخ کا تصور موجود رہا ہے۔ اور اس کی محض نفسی یا مادّی تعبیر گمراہ کن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خود کمبل پوش جہاں جنت اور دوزخ کی مادّی تعبیر کرتا ہے وہیں تصوّرِ آخرت اور جزا و سزا کا بھی قائل نظر آتا ہے۔

کمبل پوش کے عقائد کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان میں کہیں کہیں چارواکیوں اور جینیوں کے عقائد کی بھی تھوڑی بہت آمیزش تھی۔ ہندوستان لوٹنے کے بعد جب وہ جنوبی ہند کی سیر و سیاحت کر رہا ہوتا ہے تو درمن گنج میں رات ایک درخت کے نیچے سو جاتا ہے۔ صبح اٹھ کر چلنے کا قصد کرتا ہے تو اپنے زانو کے نیچے دو زندہ سیاہ بچھوؤں کو پاتا ہے۔ وہ انہیں مارتا نہیں بلکہ چمٹے سے اٹھا کر گھاس پر ڈال دیتا ہے اور لکھتا ہے:

''اگرچہ یہ امر خلافِ عقل ہے مگر اوس وقت بمقتضائے وحدانیت یہی بہتر معلوم ہوا۔''

چارواکی عقائد میں جہاں ایک قسم کی ''نشاط پرستی'' (Hedonism) نظر آتی ہے وہیں ہریداسیوں اور جینیوں کی طرح جانوروں کو دکھ نہ دینے کا رویّہ بھی موجود ہے۔ ان کے خیال میں فرشتوں کی تعظیم کرنا اور بہشت کی نوید پر تکیہ لگائے رہنا مناسب نہیں۔ بیوقوفوں کی طرح نعمت اور راحت کو نہیں چھوڑنا چاہیے کہ عاقل نسیہ کی امید پر نقد کو نہیں چھوڑ سکتا۔ نیز تخریبِ بدن یعنی مرنے کے بعد بہشت کی نعمتیں اور دوزخ کی تکلیفیں نہ ہوں گی۔؟ جانوروں کو نہ کھانا چاہئے کیونکہ اس سے دکھ ہوتا ہے جینیوں کے یہاں تو معاملہ اس قدر آگے ہے کہ حیرت ہوتی ہے کہ آخر ان کے زندہ رہنے کا جواز کیا ہے۔ پانی تک کو چھان کر پیتے ہیں اور کپڑے کو دوبارہ پانی میں ڈالتے ہیں اگر کوئی غیر مرئی جاندار اس سے چمٹ گیا ہو تو واپس پانی میں چلا جائے، سبز پتے اور شہد تک کھانے سے انکار کرتے ہیں اور جانوروں کے باب میں پانچ پاپ کے کبھی مرتکب نہیں ہوتے۔ گوشت خوری کو سب سے بڑا پاپ سمجھتے ہیں۔

لیکن کمبل پوش کے تضادات ملاحظہ کیجئے کہ ایک طرف تو وہ زہریلے بچھوؤں تک کی جان بخشی کر دیتا ہے کہ یہ امر اُسے وحدانیت کے تقاضے کے مطابق بہتر معلوم ہوتا ہے اور دوسری جانب جانوروں کے شکار کا بے حد شائق ہے اور دورانِ سیاحت کبھی جھانکل کا شکار کرتا ہے اور کبھی میناؤں کا اور

237 www.taemeernews.com

انہیں بھون بھون کھاتا ہے، کہیں شیر کو مار گراتا ہے اور کہیں چیتے کو گھائل کرتا ہے اور ان کی کھالیں اُتروا کر ان میں بھُس بھرواتا ہے۔

لیکن کیا کمبل پوش کا مذہب سلیمانی بس یہی کچھ ہے؟ ایسا نہیں۔ محمد حسن عسکری صاحب نے شمس الرحمٰن فاروقی کے نام اپنے ایک خط میں کمبل پوش کے سلیمانی مذہب کا ذکر بھی کیا ہے:

''انیسویں صدی میں اوپر سے انگریزوں کی Deism کا اثر آ کے شامل ہوا۔ اس کا نمونہ کمبل پوش کے سفر نامۂ انگلستان میں دیکھئے جو غالباً اٹھارہ سو چھیالیس میں لکھا گیا۔ ان کے ''سلیمانی مذہب'' کو کلامِ غالب کے ساتھ ملایئے۔'' ''دیکھئے مجلّہ ''روایت'' میں شامل ان کا ۳ مئی ۱۹۶۹ء کا خط، صفحہ ۱۱۹''

اس کا مطلب یہ ہوا کہ کمبل پوش کے مذہبِ سلیمانی اور کلامِ غالب میں بعض مشترک عناصر موجود ہیں اور مذہبِ سلیمانی پر انگریزی Deism کے اثرات بھی مرتب ہوئے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ عسکری صاحب کے ان اشارات میں گہری صداقت موجود ہے۔ آیئے پہلے یہ دیکھیں کہ ڈی ازم کیا ہے؟ اس کے عناصرِ ترکیبی کیا ہیں۔ اس کے اہم شارحین اور قائلین کون کون ہیں اور ڈی ازم کا غلبہ یورپ پر کتنا رہا؟ پھر یہ بھی کہ کیا ڈی ازم ایک متفق علیہ فلسفہ ہے یا اس میں بھی فلسفے کے عمومی مزاج کی کارفرمائی ہے؟

اگرچہ Deism بطور ایک منضبط فلسفے کے تو بہت بعد کی پیداوار ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ بعض مذاہبِ قدیمہ میں بھی اس کے بعض عناصر پہلو مارتے نظر آتے ہیں مثلاً کنفیوشنزم میں۔ اس میں بھی صرف اخلاقیات پر زور دیا گیا ہے اور عبد اور الٰہ کے باہمی ربط پر زیادہ اصرار نہیں کیا جاتا۔ رواقیوں (یہ الگ بات ہے کہ رواقیت اور ڈی ازم میں اختلاف بھی بہت ہیں۔) اور بعض ہندو عقائد میں بھی ڈی ازم کی طرح انسان کی خود مکتفیت پر زور دیا گیا ہے۔ مثلاً ایک ہندو نرائن داس رامانندی کی فکر اس شعر میں اس طرح ظاہر ہوئی ہے:

بیرون ز تو نیست ہر چہ در عالم ہست
از خود بطلب ہر آنچہ خواہی کہ تُوئی!

اور میرا خیال ہے کہ اسی شعر کی صدائے بازگشت غالب کے یہاں بھی سنائی دیتی ہے: اپنی ہستی

238 www.taemeernews.com

ہی سے ہو جو کچھ ہو۔ آگہی گر نہیں غفلت ہی سہی۔

''القاموس العصری'' میں ڈی ازم کی تعریف یوں کی گئی ہے

''الاعتقاد بالله وانكار الوحي والانظمة الدينية''

اور آکسفورڈ السٹرنیڈ ڈکشنری میں اس کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

"Belief In Existence of God with rejection of Revelation and supernatural doctrines of Christianity"

جبکہ قاموس الاصطلاحات (اردو) میں Deism کا متبادل توحید، خدا پرستی اور الٰہیت دیا گیا ہے جو ظاہر ہے کہ اوپر کی گئی تعریفوں کے مقابلے میں ناقص ہے

ڈی ازم کے مباحث کی مختصر تاریخ بیان کرتے ہوئے لی لینڈ Leland لفظ Deist کا استعمال سن ۱۵۶۳ء میں دریافت کرتا ہے۔ جب فرانسیسی پروٹسٹنٹ Viret اپنی کتاب "Instruction Chretienne" کی دوسری جلد میں بعض ایسے لوگوں کا ذکر کرتا ہے جو خود Deist کہتے اور کہلواتے ہیں۔ وہ ہمیں بتاتا ہے کہ یہ لوگ خدا پر تو ایمان رکھتے تھے لیکن یسوع مسیح پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں وہ حضرت یسوع مسیح کے بارے میں سے کسی حواری اور عہد نامہ جدید کے چاروں لکھنے والوں میں سے کسی کے مجموعۂ معتقدات (انجیل) پر یقین نہیں رکھتے۔ وہ مزید بتایا ہے کہ ان میں سے اکثر علم و فلسفہ میں ڈوبے ہوئے تھے اور اعلیٰ ذہانت کے حامل سمجھے جاتے تھے۔

جیسا کہ عرض کیا گیا Deism کی اصطلاح کا آغاز سولہویں صدی کے فرانس سے ہوا اور اٹھارہویں صدی کے جرمنی میں اس کی جڑیں مضبوط و استوار ہوئیں۔ مسٹر پٹیسن Pattison ڈی ازم کے عروج و زوال کو ۱۶۶۸ اور ۱۸۳۰ کے درمیان رکھتا ہے۔ انگلستان میں Deism کی تحریک کا آغاز ۱۶۶۰۔۱۶۶۸ کے درمیانی عرصے میں ہوا۔ اس کا منبع بابز کے افکار میں تلاش کرنا چاہئیے۔

ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ڈی ازم کا تعلق اتنا مذہب سے نہیں جتنا فلسفے سے ہے۔ ڈی ازم اصل میں نتیجہ تھا اس عہد کے متداول فلسفیانہ تصور الوہی اور مشاہدہ کے نتیجے میں حاصل ہونے والے حقائق کے درمیان تطبیق کی خواہش کا۔ یہ عہد انکشافات کا عہد تھا۔ اسی عہد میں سیر و سیاحت کا زور شور ہوا۔ نئے حقائق اور اجنبی مذاہب کی تفصیلات زیادہ کھل کر سامنے آئیں۔ مذاہب کے تقابلی

www.taemeernews.com

مطالعے کا زیادہ رواج ہوا۔ اگرچہ ہابز بذاتِ خود اس قسم کے ''فطری مذہب'' کا مؤید نہیں تھا جس نے بعد میں رواج پکڑا اور جس نے Deism کا روپ دھارا لیکن بہرحال وہ اس تحریک کے سابقون الاوّلون میں سے ضرور تھا۔ بلکہ بعض لکھنے والوں کا تو خیال ہے کہ وہ اصلاً ملحد تھا مگر ایذاء کے ڈر سے ''عیسائی'' اور ''دیندار'' بنا رہا۔ برکلے کا بھی یہی خیال تھا۔ لارڈ ہربرٹ آف چوبری کا جسے ''بابائے ڈی ازم'' کہا جاتا ہے، خیال ہے کہ ''واقعی ملحدین'' نام کی کوئی شے سرے سے موجود ہی نہیں۔ اس کے نزدیک جو لوگ اس ''شہرت'' کے حامل ہوگئے ہیں وہ اصل میں اس خدا کے انکاری ہیں جو نام نہاد علمبردارانِ مذہب کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے۔ ہربرٹ نے ''ایک ملحد اور ایک عیسائی کے درمیان مناظرہ'' (۱۶۶۴) نامی تحریر میں کسی فلیمنگ نامی ملحد شخص اور ایک عیسائی کے درمیان مکالمہ درج کیا ہے۔ یہ ملحد پکا ڈی اسٹ ہے۔ چیلنج کے آغاز میں وہ اعلان کرتا ہے۔

''میں ایک آفاقی اور ہمہ گیر خدا پر کامل ایمان رکھتا ہوں جو اس کائنات کی ہر ادنیٰ و اعلیٰ شے کا حاکم بھی ہے اور روح کے دوام اور اس عالمِ مادّی کے بعد آنے والے ایک بے انتہا مسرت بخش عالم کے وجود پر بھی! اسی طرح چارلس بلاؤنٹ کا بھی خیال تھا کہ خدا حاکم علی الاطلاق ہے اور ہر شے اور ہر چھوٹا بڑا واقعہ اس کی مشیّت کا محتاج ہے۔

اگر ڈی ازم میں صرف یہی کچھ ہوتا تو یہ کوئی ایسی بُری چیز نہ تھی لیکن یہ تو ڈی ازم کا محض ایک رخ ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس کے ماننے والے اکثر پڑھے لکھے لوگ مذہبی مزاج، مذہبی اصطلاحات اور مذہبی اصولوں سے متنفر ہوتے چلے گئے اور جو اپنے مذہب سے پورے طور پر وابستہ بھی رہے انہوں نے بھی سیکولر انداز کی معقولیت پسندی کو اپنا لیا۔ جس کی ایک مثال بشپ ولکنز کی معروضیت اور معذرت خواہانہ انداز کی حامل تحریریں ہیں۔

ڈی ازم اصل میں نام ہے "Unorthodox Religious Attitude" کا اس کے ماننے والے مذہبی علم کے بعض ضوابط کو قبول کرتے ہیں جو ہر شخص میں جبلی طور پر پایا جاتا ہے یا عقل کے ذریعے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ یہ اس علم سے الگ ہے جو وحی یا کلیسا کی تعلیمات کے ذریعے حاصل ہو۔ لارڈ ہربرٹ نے ڈی ازم کے پانچ ایسے عناصر کی نشاندہی کی ہے جو اس کے نزدیک خداداد ہیں اور انسانی روح میں ازل سے راسخ ہیں۔

www.taemeernews.com

(الف) ذاتِ ارفع پر ایمان۔

(ب) عبادت ضرورت ہے۔

(ج) نیک اور پارسا زندگی گزارنا زندگی کی اعلیٰ ترین عبادت ہے۔

(د) گناہوں سے پچھتاوا ضروری ہے۔

(ر) دوسری دنیا میں ملنے والی سزا و جزا پر ایمان۔

ڈی اسٹوں کا مؤقف تھا کہ حضرت عیسیٰ، سقراط، بدھ اور حضرت محمدؐ بھی اصلی مذہبی سادگی کی بحالی کے لئے آئے تھے۔ان کے نزدیک پادریوں اور مذہبی طبقوں نے مذہب کی اس سادہ مزاجی پر رسوم، توہمات اور لاطائل مباحث کا جو طومار لاد دیا ہے اس نے مذہب کو کہیں کا نہیں رکھا۔ان کے نزدیک خدا کو اس انداز میں پیش کرنا جس سے اس کا انتقام، غضب، حسد اور تباہ کن ظلم ظاہر ہوتا ہو، بمنزلہ کفر ہے، چنانچہ وہ انتہا پسندانہ رہبانیت، خود ایذا دہی اور مذہبی ایذا رسانی کو نفسیاتی امراض کی علامت سمجھتے تھے۔

مغرب میں عیسائیت جس انداز میں مسخ ہو رہی تھی بلکہ ہو چکی تھی اور اہل کلیسا جس طرح متشدد بادشاہوں کے ہاتھ مضبوط کر کے اپنے گنبدِ شکم کے لئے اینٹیں فراہم کر رہے تھے، ظاہر ہے اس کا ردِ عمل تو ہونا ہی تھا جو اور فکری دھاروں کے علاوہ ڈی ازم کی شکل میں بھی ظاہر ہوا۔لیکن واقعہ یہ ہے کہ عقل پرستی اور فطرت پرستی کی انتہا کو پہنچ کر یہ تحریک الحاد پرستی کے گڑھے میں لڑھک گئی۔

اس دور میں مذہب کو عقل کی کسوٹی پر کسا جانے لگا تھا۔لاک نے اپنے مقالے ''عیسائیت کی معقولیت'' میں لکھا تھا۔

''ہمارے نجات دہندہ (عیسیٰؑ) کے زمانے میں جو چیزیں انسان کے عیسائی ہونے کے لئے کافی تھیں، آج بھی کافی ہیں، اور وہ یہ ہیں:

عیسیٰؑ اللہ کے فرستادہ اور ہمارے نبی ہیں۔ہمارے نجات دہندہ کے عہد میں تمام عیسائیوں کے لئے جن چیزوں پر ایمان لانا ضروری تھا اور جو ان کا ناگریز فرض تھا وہ یہ تھا کہ وہ تمام الہامات و وحی کو درست مانیں مگر صرف اس حد تک جس حد تک ہر شخص انہیں ماننے کا اہل تھا اور یہ آج بھی کافی ہے نہ کم نہ زیادہ۔۔۔کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ میرے لئے ایمان تجویز کرے یا آمرانہ

241 www.taemeernews.com

انداز میں مجھ پر اپنی تعبیرات ٹھونسے''، اسی طرح جان ٹولینڈ نے بھی یہ خیال ظاہر کیا کہ بائبل میں عقل کے خلاف کوئی بات نہیں اور نہ عقل سے بالاتر کوئی بات ہے اور کسی بھی عیسوی عقیدے کو پر اسرار نہیں کہا جا سکتا۔ ٹولینڈ کے اس خیال سے گویا عقل وحی کے مقابلے میں آ کھڑی ہوئی اور ۱۶۹۹ء میں تو اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ فقہی Canonical اور غیر فقہی کتابیں یکساں طور پر جہالت اور توہمات کی کوکھ سے پیدا ہوئی ہیں۔

سترھویں صدی ہی میں ٹلٹسن بھی کہہ رہا تھا کہ کسی ایسی شے کو الہام خداوندی نہیں ماننا چاہئے جو فطری مذہب کے اصول سے متصادم ہو اور کسی بھی شئے کو اس وقت تک الہام خداوندی تسلیم نہیں کرنا چاہئے جب تک اس کا کافی وشافی ثبوت مہیا نہ ہو جائے۔ گویا بقول لیز لی عقل سے اس حد تک تقدیس وتجلیل وابستہ کر دی گئی کہ الہام کا مسئلہ بے معنی اور شئے فاضل ہو کر رہ گیا۔ لاک کے نزدیک روح کے دوام کی کوئی عقلی بنیاد نہیں تھی۔ روح کے دوام سے انکار اور جنت ودوزخ کو اسی دنیا کا کرشمہ قرار دینے کا مطلب لطیف انداز میں خدا کے انکار کے مترادف تھا اگر روح دائمی نہیں تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ یا تو کسی ایسے خدا کا وجود نہیں ہے جس پر انحصار کیا جا سکتا ہو یا پھر یہ کہ وہ ایک غیر معقول ہستی ہے۔ ٹنڈل کے نزدیک خدا بے انتہا دانشمند، اچھا منصف اور دائمی اور نا قابل تغیر ہے، ٹنڈل کے نزدیک انسانی فطرت بھی نا قابلِ تغیر ہے۔ لہٰذا اللہ انسان کے لئے جو قانون اور ضابطے تشکیل کرتا ہے وہ بھی [illegible] تغیر ہوتے ہیں اور اس باب میں کوئی درمیانی واسطہ نہیں ہے۔ ٹنڈل کا موقف یہ تھا کہ ایک ادنیٰ ترین آدمی کو بھی اس قابل بنا دیا جائے کہ وہ مذہب اور مفروضہ میں فرق کر سکے۔ اس کے لئے اس نے اصول متعین کئے۔ وہ اس بات پر اصرار کرتا ہے کہ ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنے لئے اپنا مذہبی عقیدہ خود تراش سکے (جیسے کمبل پوش نے تمام مذہبوں اور اہلِ مذاہب کو پرکھنے جانچنے کے بعد اپنا مذہبی عقیدہ خود تراشا اور اس کا نام مذہبِ سلیمانی رکھا) اور یہ بتانے کے لئے کہ ہر شخص کے لئے ایسا کرنا ممکن ہے، اس نے ایک تھیسس بنایا کہ مذہب کی حقیقتِ غائیہ ہر مسلک میں موجود رہی ہے (کمبل پوش بھی کہتا ہے کہ مآل سب مذہبوں کا ایک ہے) اور یہ صرف الہام ووحی کا اجارہ نہیں۔ اس کے نزدیک فطرت کا مذہب فی نفسہٖ اتنا مکمل ہے کہ اس کے لئے وحی کی ضرورت نہیں۔ وحی نہ اس میں اضافہ کر سکتی ہے نہ تخفیف۔ ظاہر ہے جب وحی کا انکار کر دیا گیا تو جو وحی بھیجتا ہے اس کے اثبات کے

www.taemeernews.com

کیا معنیٰ رہے (ڈی اسٹوں کا ایک گروہ ایسا بھی تھا جو وحی کا منکر نہیں تھا مگر معجزات کے ماننے میں متردد تھا۔ حالانکہ وحی بذات خود ایک معجزہ ہے اور جو اعتراضات معجزات پر کئے جارہے تھے، خود وحی بھی انہی کی زد میں آتی تھی۔)

اب ذرا ڈی اسٹوں کی فکری قلابازیاں دیکھئے کہ ایک طرف تو وہ کسی ''الہ'' کے وجود کے سچے اور فطری ادراک کا دعویٰ کرتے تھے اور فطری اخلاقیات کو بھی مانتے تھے اور دوسری طرف عیسائیوں کے ڈاگما اور ان کی اساطیر کے منکر ہونے کا اعلان بھی کیا کرتے تھے، انہیں انسانی گھڑنت قرار دیتے تھے اور ان کے اس قسم کے الہامات کو ریاکاری سے تعبیر کرتے تھے، جب کہ جرچ کا دعویٰ تھا کہ انسان خود اپنی قوتوں سے جیسا کہ ڈی اسٹ دعویٰ کرتے ہیں، وحی کے اسرار سے واقف نہیں ہوسکتا اس لئے اُسے ایسے لوگوں کے سامنے سر تسلیم خم کر دینا چاہئے جنہیں اللہ تعالیٰ نے صداقت کی کنجی عطا کی ہے۔ لیکن اس کے برعکس ٹنڈل ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہتا تھا کہ ہاں واقعی انسان تمہارے (پادریوں کے) بھیدوں سے واقف نہیں ہوسکتا لیکن اللہ تمام انسانوں سے یکساں برتاؤ کرتا ہے لہٰذا وہ اصول وعقائد جو تمام انسانوں پر منکشف ہی نہیں کئے گئے ان کا اطلاق تمام انسانوں پر کیسے ہوسکتا ہے؟ اس کے نزدیک صرف عقل ہی سب سے بڑی فارق تھی۔

اگرچہ ڈی اسٹ ماضی میں دور تک جھانکنے کا دعویٰ کرتے تھے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کی آنکھیں حال پر لگی ہوئی تھیں۔ وہ صرف اپنے عہد کی عقل کو اپیل کرتے تھے۔ مذہب ان کے نزدیک محض چند فرائض کی بجا آوری کا نام رہ گیا تھا۔ علاوہ ازیں وہ انسانی فطرت کے جاننے کے دعویدار ہونے کے باوجود اس میں برسرپیکار منفی قوتوں کا اندازہ نہ کرسکے۔ ان کے نزدیک بس اتنا ہی بہت تھا کہ اگر اخلاقی ارتقاء کے رستے میں حائل بعض مصنوعی رکاوٹیں ہٹالی جائیں تو سب اچھا ہوجائے گا۔ ہر شخص کو اپنی عقل کی روشنی میں اپنے مذہب کے تراشنے پر اصرار کا نتیجہ یہ ہوا کہ (قدیم اتھارٹی کی جڑ کٹنے کے نتیجے میں) لوگ تقسیم در تقسیم ہوتے گئے۔ پھر ڈی اسٹ جس نام نہاد رواداری کی بات کرتے تھے وہ بھی خاصا مذاق بن گئی تھی۔ چنانچہ ایک موقع پر کیتھولک بشپ بوزے نے جل بھن کر کہا تھا کہ کیا اچھا ملک ہے جہاں کافر بھی خوش ہے اور دیندار بھی، جہاں زہرناک سانپوں کو بھی اسی طرح تحفظ حاصل ہے جس طرح معصوم اور پرامن فاختاؤں کو۔ جہاں زہرسازوں کو بھی اتنا ہی سکون

www.taemeernews.com

مہیا ہے جتنا شافی علاج کرنے والے دواسازوں کو۔ برکلے کے نزدیک یہ سارنی گرد فلسفیوں (ڈی اسٹوں) کی اڑائی ہوئی تھی۔ جس کے باعث انہیں سوار نظر نہیں آرہا تھا جب کہ اس کے نزدیک کائنات ہر لحظہ ذاتِ احد کی جلوہ گری کررہی ہے اور اس کی روحانی موجودگی کا پتہ دیتی ہے۔ برکلے حسی تجربے کے ذریعے عبد اور اللہ کے درمیان ربط و تعلق کا داعی تھا، جبکہ ڈی اسٹوں کا خیال تھا کہ انسان اور کائنات کی تخلیق کے بعد خدا اس کے مسائل و معمولات سے لاتعلق ہوگیا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس لاتعلقی کا منطقی نتیجہ خدا کی نفی کی شکل میں نکلتا ہے۔ سینٹ آگسٹس نے کہا تھا کہ خدا اور کائنات کا معاملہ ایسا نہیں کہ کوئی شخص مکان بنائے اور پھر اسے چھوڑ کر کسی اور کام میں لگ جائے۔

جب ڈی اسٹوں سے سوال کیا گیا کہ اگر ہر انسان کی فطرت میں پیدائشی پاکیزگی مندرج تھی تو وہ منحرف کیسے ہوگیا۔ اس کے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ انسان کے باطن کی فطری کمزوری اور پادریوں کی سازشوں کی وجہ سے تاکہ وہ اپنا اقتدار قائم رکھ سکیں، یہ فطری پاکیزگی زائل ہوگئی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ڈی ازم کے ماننے والوں کے نزدیک معجزات کی عقلی تعبیر ممکن ہے۔ یہ کہ عقل پرستی اور آزاد خیالی بہت ضروری ہے۔ کیونکہ فرد دشمنی جمود اور زوال کا سبب بنتی ہے، یہ کہ پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دینا چاہئے۔ یہ کہ مذہبی رواداری اور بے تعصبی کو رواج دینا چاہئے نیز ہر شخص کو اپنی فکر کی روشنی میں اپنا مذہب تراش لینا چاہئے، چہ خوش! واقعی ایسی خود مکتفیت کے بعد کسی خدا کی ضرورت ہی کیا رہتی ہے؟ چنانچہ مذہب ایک شئے فاضل ایک بازیچہ اطفال بن کر رہ گیا اور اس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ چند اخلاقی ضابطوں کے مجموعے کی سی رہ گئی۔ ہندستان میں اسی ڈی ازم کے کچھ انچھروں کے اولین معمول کمبل پوش، غالب اور سرسید تھے۔

جس طرح ڈی ازم کے ماننے والوں مثلاً لارڈ ہربرٹ، ہابز، کڈورتھ، لائبنز اور جان ٹولینڈ وغیرہ نے مذہب کی عقلی تعبیرات کیں اور مذہب کے نمائندوں یعنی پادریوں وغیرہ کو شدید طنز و تشنیع کا نشانہ بنایا اسی طرح کمبل پوش کے سفرنامہ میں بھی ان کی دنیا طلبی، فریبی، عیش پرستی اور عیاری کے متعدد واقعات درج ہیں۔ مثلاً مالٹا کے پادری اسے بنارس کے سانڈ لگتے ہیں۔ ڈی اسٹوں کی طرح خود ایذا دہی Self Torture کا تصور کمبل پوش کو بھی پسند نہیں۔ پھر جس طرح ڈی اسٹوں نے لوگوں کیساتھ بھلائی، ایثار پیشگی، رواداری اور گناہوں سے اجتناب کو مذہب کی روح قرار دیا ہے، کمبل پوش کا

244 www.taemeernews.com

''مذہب سلیمانی'' بھی انہی عناصر سے مرکب ہے۔اس کا تصور مذہب سراسر Ethics تک محدود ہے۔البتہ ڈی ازم کے ماننے والوں کے برعکس کمبل پوش معجزات کا قائل ہے اور جہاں معجزات کا معاملہ آتا ہے وہاں اپنی ساری عقل پرستی کو لپیٹ کر ایک طرف رکھ دیتا ہے۔مصر کی سیر کے دوران حضرتِ موسیٰ کے معجزات کے آثار دیکھ کر کمبل پوش کہتا ہے:

''ان سب باتوں کو دیکھ کر بندہ نے اعتماد کیا۔قدرتِ الٰہی سے بعید نجانا۔مگر بعض انگریز جو کم عقل رکھتے ہیں،ان امروں کو محض جھوٹ جان کر کہتے ہیں: کیونکر حضرت موسیٰ سمندر سے پار اوتر گئے ہوں گے۔اگر بالفرض پانی بھی سوکھا ہو،جال درخت مونگے کے کس طرح راہ سے ہٹے ہوں گے۔ اسی طرح سارے حال قصے کہانی جانتے ہیں۔دل میں یقین نہیں لاتے ہیں۔مجھ کو ان کی نادانی پر تاسف آتا ہے کہ جو شخص تحصیل معاش کے فنون سے خبر نہیں رکھتا ہے۔قدرتِ خدا اور معجزۂ انبیاء سے کیا جان کر انکار کرتا ہے۔عملاً گمراہی میں بھٹکتا ہے ہے اس واسطے کہ قدرت خدا کی عقل میں نہیں آتی، عقل کو کیا طاقت اس کے بھید دریافت کرنے کی۔''

اب کمبل پوش کے ''مذہبِ سلیمانی'' کے بارے میں اے ایف ایم عبدالقادر کی رائے درج کی جاتی ہے۔ان کی رائے میں:

This new religion of Which he was both the originator and the follower is called "I.yhim" Sulamani, after Solomon the prophet. He does expound its tenets but from what he has said on this subject, it appears to be a religion of simple Hedonism-----All that he wished was an unrestricted enjoyment of the pleasure of the sence"

عبدالقادر صاحب کے اس خیال سے تو اتفاق کئے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ کمبل پوش نے اپنے لئے ''مذہب سلیمان'' کی اصطلاح گھڑلی تھی اور ان معنوں میں وہ اس کا موجد تھا۔لیکن ان سے اس باب میں غلطی سرزد ہوگئی کہ انہوں نے ''یوسف حلیم کمبل پوش'' کو (جیسا کہ اس سفرنامے میں دو تین مقامات پر آیا ہے) یوسف ''لحیم'' کمل پوش پڑھا اور ''لحیم'' کو مذہب سلیمانی کا مترادف سمجھا۔علاوہ ازیں ''مذہبِ سلیمانی'' کو محض نشاط پرستی'' یا عیش پرستی'' سمجھنا بہت بڑی غلطی ہے۔کمبل پوش دورانِ

245 www.taemeernews.com

سیاحت جہاں جہاں بھی گیا، اس نے اور باتوں کے علاوہ وہاں کے نسوانی حسن و جمال کے تذکرے بھی خوب خوب کیے ہیں مگر اس کی یہ حسن پرستی ''نظرے خوش گزرے'' سے آگے نہیں بڑھی۔ یہ حسن پرستی خالی از اغراضِ نفسانی تھی۔ سفر فرانس (پیرس) میں جب وہ ایک دوکان سے مٹھائی مول لیتا ہے تو خوب صورت مٹھائی بیچنے والیوں سے ''سخنے دراز کردن'' کی منزل بھی آجاتی ہے لیکن جب وہ اصرار کرکے اسے بٹھاتی ہیں تو کمبل پوش کہتا ہے:

میں نے کہا مکھی کو اسی قدر شہد پر بیٹھنا چاہیئے کہ پھنس نہ جاوے۔ میں بھی اگر زیادہ ٹھہروں گا پھنس جاؤں گا۔'' یوں کہکر وہ دل و نظر کا سفینہ سنبھال کر نکلتا ہے۔ اس کا مندرجہ بالا قول غالب کی یاد دلاتا ہے۔ غالبؔ نے اپنے شاگرد حاتم علی بیگ مہر کے نام لکھا تھا۔

''ابتدائے شباب میں ایک مرشد کامل نے ہم کو یہ نصیحت کی کہ ہم کو زہد و ورع منظور نہیں۔ ہم مانعِ فسق و فجور نہیں، پیو کھاؤ، مزے اُڑاؤ مگر یہ یاد رہے کہ مصری کی مکھی بنو، شہد کی مکھی نہ بنو۔ سو میرا اس نصیحت پر عمل رہا ہے۔۔۔۔۔ آزادی کا شکر بجالاؤ، غم نہ کھاؤ''

(عجائباتِ فرنگ از تحسین فراقی ص ۶۶ تا ۸۱)

246
www.taemeernews.com

ضمیمہ۔۲

(مذہب سلیمانی سے متعلق اکرام چغتائی کی آرا، اس ضمیمہ میں درج ہے)

کمبل پوش نے بہت سے جغرافیائی سفر کئے، ہندستان کے اندر بھی اور باہر بھی، لیکن ان اسفار سے بہت پہلے اپنی اوائل عمر ہی میں وہ تلاش حق کے کٹھن سفر پر نکل کھڑا ہو۔ حیران کن بات یہ ہے کہ جب اس کے ذہن میں یہ خیال آیا، اس وقت کمبل پوش کی عمر صرف بارہ برس تھی۔ اپنی اس روحانی پیاس کو بجھانے کی خاطر وہ مختلف مذاہب کے رہنماؤں اور مبلغوں کے معبدوں میں ناصیہ فرسائی کرتا رہا۔ کئی سلاسل طریقت کے درویشوں اور فقیروں کے آستانوں پر عقیدت کے پھول نچھاور کرتا رہا، لیکن ہر جگہ اسے مذہبی لبادوں کی آڑ میں حرص و آز کا کھیل نظر آیا اور اس کی روحانی تشنگی جوں کی توں قائم رہی۔ چنانچہ ایک جگہ وہ خود ایک پادری کے سوال کے جواب میں وضاحت کرتا ہے:

''بندہ بارہ برس کے سن سے اسی تحقیقات میں پھرتا اور روز و شب اسی تلاش میں رہتا ہوں مگر کسی دین میں ایسا شخص نہ پایا کہ حرص و طمع دنیا سے علاقہ نہ رکھتا ہو۔ بہت روز ان فاضلوں کی صحبت میں کاٹے کہ منبروں پر چڑھ کر وعظ و نصیحت کہتے اور روتے اور آخر جو اون کو دیکھا ہوائے نفسانی سے صاف نہ پایا۔ برسوں برہمنوں اور ہندو فقیروں کی خدمت میں رہا کہ شاید انہی سے ہاتھ لگے راہ راست کا پتہ۔ بعض فقیروں کو دیکھا، درختوں سے پاؤں باندھ کر اولٹے لٹکتے۔ بعض شدت گرمی میں آگ تاپتے، لیکن جب غور کیا سوائے مکر و فریب کے کچھ نہ پایا۔ اسی طرح پادریوں کے پاس اکثر رہا۔ ان کو بھی بموجب حکم حضرت عیسیٰ کے روپیہ کی طلب سے خالی نہ پایا۔''

بالآخر ہر طرف سے مایوس ہو کر اس نے ''مذہب سلیمانی'' اختیار کر لیا اور یہی اس کے طویل روحانی سفر کی آخری منزل قرار پائی۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کونسا مذہب ہے؟ جو اس کی برسوں کی تلاش حق کو آسودۂ منزل کر دیتا ہے۔ تعجب ہے کہ کمبل پوش کے دیگر سوانحی کوائف کی طرح اس

247 www.taemeernews.com

مذہب کے بارے میں بھی ادھوری سی معلومات دستیاب ہوتی ہیں اوران میں بھی تضاد بیانی کا عنصر غالب ہے۔ایک انگریزی مضمون نگار کی رائے میں ''مذہبِ سلیمانی'' کی اصطلاح کمبل پوش کی اپنی اختراع کردہ ہے اوروہ اکیلا ہی اس کا پیروکار ہے۔وہ اس نئے مذہب کو''غیر محدود لذتِ حسیات'' یا ''نشاط پرستی'' کے علاوہ اور کچھ نہیں سمجھتے۔محمد عسکری مرحوم اپنے مکتوب میں مذہبِ سلیمانی کے ڈانڈے انگریزوں کی Deism سے ملاتے ہیں۔یہ ڈی ازم کیا ہے؟اس کے بنیادی عقائداور مذہبِ سلیمانی میں کیا مماثلت پائی جاتی ہے؟ایسے استفسارات کا سیر حاصل جواب کمبل پوش کے سفرنامہ کے فاضل مرتب ڈاکٹر تحسین فراقی نے دیا ہے۔علاوہ ازیں کمبل پوش کے سلیمانی مذہب کا تعلق مستعلی طیبی اسماعیلیوں کی ایک شاخ سلیمانیہ سے بتایا جاتا ہے۔سولہویں صدی عیسوی کے اواخر میں طیبی اسماعیلی منصب داعی کی حقیقی منتقلی کے مسئلہ پر دو حصوں میں بٹ گئے۔ان میں ایک داؤدی کہلایا اور دوسرا سلیمانی۔موخر الذکر فرقہ کے سربراہ کا نام سلیمان بن حسن تھا۔ایک اطالوی خاتون ڈانیلا بریڈی نے کمبل پوش پر دو مضامین لکھے ہیں،جن میں اس کے سفرنامہ کے مندرجات کا تعارف کرایا گیا ہے اور اورنگ آباد سے متعلقہ حصے کا اطالوی زبان میں ترجمہ دیا گیا ہے۔الکساندرد بوسانی کو پیش کردہ ارمغان علمی کے مضمون میں مذہب سلیمانی کے ذیل میں اسماعیلی سلیمانیوں کا بھی ذکر کیا ہے۔متعلقہ اقتباس کا ترجمہ درج ذیل ہے:

''موجودہ مذاہب میں وہ نہ صرف مسیحیوں بلکہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذاہب پر بھی معترض ہے،لیکن اپنے ''سلیمانی مذہب'' کی تحسین کرتا ہے،جس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کیا ہے۔قرین قیاس امر یہی ہے کہ وہ اسماعیلی بوہروں کے سلیمانی فرقہ سے تعلق رکھتا ہے،لیکن سفرنامہ میں بیان کردہ تفصیلات اوراس مفروضے سے مطابقت نہیں رکھتیں۔بلاشبہ وہ کسی سلیمانی داعی یا اس اسماعیلی فرقہ کے کسی پیروکار کا ذکر نہیں کرتا۔اسماعیلی زیادہ تر یمن میں آباد تھے،لیکن جب وہ داؤدی اور سلیمانی فرقوں میں بٹ گئے تو ثانی الذکر فرقہ کے کچھ لوگ گجرات (کاٹھیاواڑ) میں نقلِ مکانی کر گئے۔یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ کمبل پوش اثنا عشری شیعہ تھا،کیونکہ وہ نظامت حیدرآباد کو چھوڑ کر بسلسلۂ ملازمت لکھنؤ میں اقامت پذیر ہوگیا جہاں کا ریاستی مذہب تشیع تھا۔اس نے اپنے سفرنامہ میں سلیمان پیغمبر کا ذکر کیا ہے،جن کی دانش وحکمت کا تذکرہ قرآن میں موجود ہے۔محترم میر حسن علی نے اپنے تیئسویں مکتوب میں بتایا ہے کہ ان دنوں لکھنؤ کے پڑھے لکھے لوگوں میں سلیمانؑ خاصے مقبول تھے اور

www.taemeernews.com

بعض انہیں پہلا صوفی قرار دیتے تھے۔اس حوالے سے کمبل پوش کے غیر روایت پرستانہ رویے کو سمجھنا قدرے آسان ہو جاتا ہے، جو شراب نوشی کا کوئی موقع ضائع نہیں کرتا، اس بات پر زور دیتا ہے کہ معتبر مذہب کی نوعیت داخلی ہوتی ہے اور سنجیدگی کے ساتھ صوفیانہ زندگی گزارنے والوں سے ہمدردی کا اظہار کرتا ہے۔تاہم خود کو سلیمانی کے نام سے موسوم کرنے میں ایک فائدہ ضرور ہوا ہوگا کہ یوں کمبل پوش نے اس مخصوص مذہبیت سے اپنا ناطہ مستحکم کر لیا ہوگا۔جو شاہ سلیمان جاہ کے دور میں رائج تھی اور یوں اس کے مقربین میں شامل ہونے کی راہ ہموار ہو گئی ہوگی۔''

اس اقتباس میں جو کچھ مرقوم ہے، وہ سب مفروضات پر مبنی ہے۔بالخصوص کمبل پوش کا اسماعیلی سلیمانیوں سے ناطہ جوڑنا تو دور کی کوڑی لانے کے مترادف ہے۔اول تو اس فرقہ کے پیرکاروں کی بڑی تعداد یمن میں تھی اور جو تھوڑے بہت ہندوستان میں تھے وہ گجرات (کاٹھیاواڑ) اور اس کے نواح میں آباد تھے۔دوسرے انیسویں صدی عیسوی کے ہندوستانی سلیمانیوں کی ادبی نگارشات پر ''سفینہ'' نامی جو کتاب شائع ہوئی اس میں کمبل پوش کا کہیں ذکر نہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کمبل پوش نے اپنے سفرنامہ میں ''مذہب سلیمانی'' کے جن بنیادی عقائد کا ذکر کیا ہے، وہ اسماعیلیوں کے سلیمانی گروہ کے معتقدات سے بالکل مختلف ہیں۔

کمبل پوش نے ''تاریخ یوسفی'' میں جا بجا اپنے نام کے ساتھ ''سلیمانی'' لکھا ہے اور آٹھ مقامات پر اپنے ''مذہب سلیمانی'' کی بنیادی تعلیمات کا ذکر کیا ہے۔ان تمام اقتباسات کے مطالعہ سے اس مذہب کے جن اساسی عقائد کا علم ہوتا ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ خدا وحدہٗ لاشریک ہے اور اس کی ذات برحق ہے۔

۲۔ ہر شخص پر لازم ہے کہ وہ رزق حلال کمائے۔اس میں سے اپنی بنیادی ضروریات زندگی پوری کرے اور باقی غریبوں اور حاجت مندوں میں تقسیم کر دے۔بقول کمبل پوش: ''بد بخت وہ ہے کہ گدھے کی طرح بوجھ روپے کا اپنے اوپر اٹھاوے، نہ آپ کھاوے نہ کسی کو کھلاوے، نہ دن کو آرام پاوے نہ رات کو سووے۔یکا یک اوس کی موت آوے، جہاں سے لے جاوے۔''

۳۔ انسان کے مرنے کے بعد جنت اور دوزخ کا کوئی وجود نہیں۔اگر یہ دونوں یعنی جنت اور دوزخ کہیں ہیں، تو اسی دنیا میں ہیں۔جس شخص کی زندگی آشائسوں میں کٹ گئی اس کے لئے یہی دنیا جنت ہے اور جو طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا رہا اس کے لئے یہیں دوزخ کا عذاب

www.taemeernews.com

ہے۔ایک جگہ وہ خود وضاحت کرتا ہے کہ: ''جنت ودوزخ اسی دنیا میں موجود ہیں نہ اور کہیں۔ جس کی رنج ومصیبت میں گزرے، اس کو دوزخ ہے یہیں جس کی زندگی چین وآرام سے بسر ہوتی ہے، اس کو بہشت بریں۔'' اور اسی دنیا میں جنت ودوزخ ہونے کا جواز یہ ہے کہ'' خدا تعالیٰ رحیم وکریم ہے، عدل وانصاف میں نہیں کوئی اس کا سہیم۔ یہ بات خلاف عدل وداد کے ہے کہ زندگی چندروزہ انسان کے لئے بہشت ودوزخ آباد کرے۔اس زندگی چندروزہ میں اور مصیبتیں کیا کم ہیں۔سینکڑوں مکروہات وغم ہیں، چڑیا وجانوروں کو باوصف کم عقلی کے اپنے بچوں سے اتنی محبت ہوتی ہے کہ اڑ کر دور سے دانہ لاکر کھلاتی ہیں اور اس کو بہرصورت تکلیفوں سے بچاتی ہیں۔حق تعالیٰ جو ستر درجے ماں باپ کے زیادہ محبت اپنے بندوں سے رکھتا ہے، کیونکر عقل میں سماتا ہے کہ دوزخ میں ڈالے گا۔''

۴۔ مرنے کے بعد روح کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ کہاں جاتی ہے۔اعمال کے مطابق روح کے اعلیٰ مقامات کا تعین نہیں ہوتا۔جسم فنا ہوجاتا ہے، لیکن روح مرتی نہیں۔خوشبو سے اس کا گہرا تعلق ہے اور اس سے وہ لطف اندوز ہوتی ہے۔اس لئے وہ کہتا ہے کہ'' قبروں پر پھول رکھیں خوشبوئیں جلائیں، کیا قباحت کی بات ہے۔خوشبو ایسی چیز ہے کہ جانور، پرندہ مثل زنبور سیاہ و زنبور عسل اوس پر مائل ہوتے ہیں۔ہندو اپنے بتوں پر ہار چڑھاتے ہیں۔مسلمان قبروں پر پھول لے جاتے ہیں۔خوشبوئیں جلاتے ہیں۔پس یہ رسم ہر مذہب میں خوشنما ہے۔ظاہرا اس سے روح کو لطف ہوتا ہے۔''

۵۔ بدکاری، چوری چکاری اور تمام صغیرہ وکبیرہ گناہوں سے اجتناب ضروری ہے۔

۶۔ ہر برا یا اچھا امر موقوف ہے، ایک وقت کا۔

کمبل پوش نے ان امور کا ذکر مذہب سلیمانی کے بنیادی عقائد کے طور پر کیا ہے۔اس کے علاوہ بھی اس نے اپنی مذہبی سوچ کا برملا اظہار کیا ہے، جس کے نمایاں پہلو درج ذیل ہیں:

۱۔ ہر مذہب کی اصل روح اس کی تعلیمات کو اپنی عملی زندگی میں ڈھالنا ہے، بالخصوص مبلغین کے لئے یہ لازم ہے کہ جس بات کا پرچار کریں، وہ خود اس کا عملی نمونہ ہوں۔اس ضمن میں قول و فعل کا تضاد ہر مذہب کے لیے نقصان دہ ہے۔

۲۔ تمام مذاہب حقیقت مطلقہ تک پہنچنے کے مختلف راستے ہیں۔سب کی منزل ایک ہی ہے یا اس

250 www.taemeernews.com

کے اپنے الفاظ میں ''اگر بنظرِ انصاف دیکھئے اور دل میں غور کیجئے تو سب مذہبوں کا ایک ہے۔''

۳۔ مذہبی تعصب سے اجتناب کرنا چاہئے۔

۴۔ مذہبی اعتقادات اور تعلیمات میں ان خطوں کے جغرافیائی عوامل کارفرما ہوتے ہیں، جہاں سے ان کا آغاز ہوتا ہے یا کہیں کہیں اُس نے انسان کی فطری جبلت کو ان کا سبب قرار دیا ہے۔ چنانچہ وہ ہندومت میں بت پرستی، شجر پرستی اور گاؤ پرستی کی توجیہ یوں کرتا ہے۔

''۔۔۔۔۔۔۔جیسے کوئی عاشق معشوق تک نہ پہونچ سکتا ہو اور دیکھنا اوس کو منظور رکھتا ہو۔ ناچار وہ تصویر اوس کی سامنے رکھتا ہے اور اپنے دل کو اس سے تسلی دیتا ہے۔ اسی طرح ہندو بت کو اپنے سامنے دیکھتے ہیں۔ حقیقتاً اس کو خدا نہیں جانتے، بلکہ خدا کو وحدہٗ لاشریک کہتے ہیں۔''

''۔۔۔۔۔۔جس نے مذہب ہندوؤں کا ایجاد کیا، مرد عاقل تھا۔ ہندوستان میں گرمی بہت ہوتی ہے۔ مسافروں کو دھوپ سے اذیت ہوتی ہے۔ راہ میں جہاں کہیں درخت پاتے ہیں اس کے سایہ میں بیٹھتے ہیں۔ اس صورت میں اگر موجد مذہب اون کے کا درخت پرستی کا حکم نہ کرتا۔ لوگ درخت کو جڑ سے کاٹ ڈالتے اور مسافروں اور جانوروں کو بہ سبب نہ ہونے سایہ کے بہت رنج پہونچتے، بلکہ قریب المرگ ہوتے۔''

''اکثر امر ہندستان کے بیل پر موقوف ہیں۔ جیسے کھیتی اور سینچنا اور گاڑی میں بھی جتیں۔ پس اگر گاؤ پرستی کا حکم نہ ہوتا، کوئی بیل زندہ نہ بچتا۔ لوگ اون کو کھا جاتے۔''

ان توجیہات کے بعد وہ مزید وضاحت کرتا ہے کہ:

''غرض یہ سب باتیں مصلحت کے واسطے ہیں۔ وحدانیت خدا میں کچھ دخل نہیں رکھتے ہیں۔ اگر کوئی نادان بیل کو خدا مانتا ہے جادہ پیائے حماقت کا ہے۔ ہر روز نہانا، برتنوں کا مٹی سے دھونا، پکانے کی جگہ چوکا دینا، شراب نہ پینا، گوشت کا نہ کھانا یہ بھی فائدے سے خالی نہیں، اس لئے کہ ہندوستان گرمی کی کان ہے۔ اگر نہ نہائیں، وبا اور مرض میں گرفتار ہو جائیں۔ اگر شراب اور گوشت استعمال کریں، احتراق خون میں مبتلا ہو کر ہلاکت کو پہونچیں۔ پس یہ سب امر منفعت کے واسطے ہیں۔ نہ مذہب میں داخل ہیں۔''

اسی طرح وہ بعض اسلامی عقائد مثلاً تعداد ازدواج، سؤر خوری اور شراب نوشی کی ممانعت، وضو،

www.taemeernews.com

ذبیحہ اور ختنہ کا جواز پیش کرتا ہے:

''ابتداء ظہور اسلام میں حضرت محمدؐ کا ایمان تھوڑے سے لوگ لائے تھے۔ کافر خلاف اپنے جان کر بمقابلہ پیش آتے۔ جو کچھ شہید ہوتے اور بھی تھوڑے رہتے۔ لہٰذا پیغمبر نے بہ مقتضائے مصلحت چار نکاح جائز رکھے۔ اس سبب سے لڑکے زیادہ پیدا ہوتے، امت کی زیادتی ہوتی گئی اور اسلام کی ترقی ہوئی۔''

''یہ جو پیغمبرؐ نے گوشت سؤر کا کھانا، شراب کا پینا منع کیا، بہت سا اس میں فائدہ تھا۔ ملک عرب گرم اور آدمی وہاں کے جہل مطلق تھے۔ اگر گوشت سؤر کا کھاتے اور شراب پیتے، نشہ میں آکر لڑ مرتے اور ہر طرح کے مرض میں مبتلا ہوتے۔ سوا اس کے سؤر کا پالنا کچھ محنت نہیں رکھتا ہے۔ فکر دانے چارے اوس کا نہیں کرنا پڑتا ہے۔ خود چر چگ پیٹ اپنا بھرتا ہے۔ عرب کے لوگ اس کو غنیمت جانتے اور پالتے، یادِ الٰہی سے باز رہتے۔ پس یہ کیا خوب بات ہے، گویا ان کے لئے راہ نجات ہے۔

''اون کے ہاں پانچ وقت کی نماز اور وضو کا حکم ہے۔۔۔۔۔۔ آگے عرب کے لوگ بسبب جہالت کے بت پرستی کرتے تھے۔ اب نماز پنج وقتہ اور یاد خدا میں مصروف رہتے ہیں۔ وضو باعث نفاست بدن ہے اور موجب صحت وسلامت تن۔''

''ذبح کرنا جانوروں کا فائدہ رکھتا ہے بے انتہا۔۔۔۔۔۔ زیادہ ہونا خون کا باعث ہے امراض اور جنون کا، اسی لئے وہ لوگ جانور ذبح کر کے خون بہاتے ہیں اور گوشت نفیس اوس کا کھاتے ہیں۔

''مسلمانوں میں ختنہ کرنا رواج رکھتا ہے۔ یہ بھی سبب نفاست کا ہے، نہ عیب وکراہیت کا۔''

کمبل پوش نے ان خیالات کا اظہار اس دور کے کسی مسیح مبلغ کے اعتراضات یا استفسارات کا جواب دیتے ہوئے کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان میں مناظرانہ رنگ واضح ہے۔ ویسے بھی ان دنوں برطانوی استعماریت کے پھیلتے ہوئے سائے میں پادریوں نے زور شور سے مسیحیت کی تبلیغ شروع کردی تھی اور اکثر اسلام، ہندستان کے مذاہب (ہندومت، بدھ مت، جین مت وغیرہ) اور مذہبی گروہوں (آریہ سماج، برہمو سماج وغیرہ) کے رہنماؤں سے انہی موضوعات پر مناظرے ہوتے رہتے تھے۔ اگر کمبل پوش کے مذہبی رویے پر عمومی نظر ڈالی جائے تو اس میں عالمانہ زندگی کا فقدان ہے۔ وہ حق کا متلاشی ضرور تھا، اور اسی تلاش میں وہ جہاں گردی کرتا رہا۔ اس نے مروجہ مذاہب کا تقابلی مطالعہ کیا، لیکن زیادہ تر ان کی کتب مقدسہ کے عمیق جائزے کے بجائے ان کے ظواہر یا مبلغین

252 www.taemeernews.com

کے منافقانہ حرکات میں الجھا رہا۔ مزید برآں اس کے مذہبی انداز نظر پر ان اٹھارویں صدی عیسوی اور معاصر مذہبی اور نیم مذہبی تحریکوں کے اثرات بھی دیکھائی دیتے ہیں، جو ہندستان کے اہل فکر اور عام پڑھے لکھے مذہبی معتقدات پر آہستہ آہستہ اثر انداز ہو رہے تھے۔ ان میں ایک تحریک ڈی ازم کی ہے جس کا ذکر سطور بالا میں ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ یورپ کے بعض سیاسی نظریات نے بھی اس کے بعض افکار کو راسخ کرنے میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔ خاص طور پر انسان دوستی (Humanism) کی تحریک نے اس کے ذہن پر گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ مختلف مذاہب نے عام انسانوں کی فلاح و بہبود کو جو اہمیت دی ہے وہی اس کی نظر میں مقدم ٹھہری۔ اس نے مذہب سلیمانی اختیار کرنے کی ایک وجہ یہی بتائی ہے کہ اس میں مخلوق خدا کی بھلائی پر زور دیا جاتا ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ''تذکرۂ غوثیہ'' کا کمبل پوش اور ''تاریخ یوسفی'' کا کمبل پوش ایک ہی ہے، تو پھر اسے صوفی کہا جا سکتا ہے۔، کیونکہ راہِ طریقت کا تمام سفر انسانوں میں طے ہوتا ہے۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ کمبل پوش کے مذہبی اعتقادات اور تصورات غیر عالمانہ ہیں۔ بعض متنازعہ فیہ ہیں اور انہیں ہدف تنقید بنایا جا سکتا ہے، بعض تضادات کا شکار ہیں، لیکن اس کے باوجود اس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں، کیونکہ یہ اپنے دور کے ایک تعلیم یافتہ، حق کی تلاش میں شہر شہر نگر نگر کی خاک چھاننے والے اور مختلف مذاہب کا تقابلی مطالعہ کرنے والے شخص کی سوچ کا مظہر ہیں۔

(تاریخ یوسفی از اکرام چغتائی ـــــ ص ۲۸ تا ۳۴)

253
www.taemeernews.com

حواشی

ص۱،حوالہ۱:۔ یہ شعر میر حسن کی مشہور مثنوی ''سحر البیان'' سے ماخوذ ہے۔

ص۱،حوالہ۲:۔ یہ شعر بھی میر حسن کی مشہور مثنوی ''سحر البیان'' سے ماخوذ ہے۔

ص۲،حوالہ۱:۔ وکٹوریہ(ملکہ) Victoria Alexandrina ۱۸۱۹ء-۱۹۰۱ء:۔ انگلستان کی ملکہ، ولیم چہارم کی وفات کے بعد ۲۰ جون ۱۸۳۷ء کو تخت پر بیٹھی۔ شاہ جارج سوم کے چوتھے لڑکے ڈیوک آف کینٹ کی اکلوتی بیٹی تھی۔ ۱۸۴۰ء میں جرمن شہزادے البرٹ سے شادی کی جو ۱۸۶۱ء میں فوت ہو گیا۔ اس کے عہد میں برطانوی سلطنت کی حدود کو وسعت حاصل ہوئی۔ ہندوستان کی پہلی جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء، کریمیا کی جنگ، سکھوں، افغانوں اور برمیوں کی جنگیں، چین کی بغاوت بوئر کی جنگ (جنوبی افریقہ)، مصر اور سوڈان کی مہمیں جس میں جنرل گورڈن ہلاک ہوا، اسی کے عہد میں ہوئیں۔ اس کے عہد میں صنعتی انقلاب کی وجہ سے سائنس، ادب، سیاسیات، تہذیب و تمدن کو بڑا فروغ ہوا۔ ۱۸۷۶ء میں ہندوستان کی ملکہ بنی۔ ۱۸۸۷ء میں تخت نشینی کی سلور جوبلی اور دس سال بعد ڈائمنڈ جوبلی منائی گئی۔ چار بیٹوں اور پانچ بیٹیوں کی ماں تھی۔ (ملاحظہ فرمائیں ضمیمہ تصویر خانہ، تصویر 1)

ص۲،حوالہ۲:۔ نصیر الدین حیدر:۔ ۱۸۲۷ء میں غازی الدین حیدر کے انتقال کے بعد، اُن کے بیٹے نصیر الدین حیدر ان کی جگہ مسند آرا ہوئے۔ نصیر الدین حیدر کو ملک کے نظم و نسق سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ان کی زندگی عیش و عشرت میں بسر ہوئی۔ انہوں نے اپنے باپ کی مذہبی روایات قائم رکھیں۔ محرم خوب جوش و خروش سے منایا جاتا۔ دریا پار محلّہ ارادت نگر میں انہوں نے ایک کربلا بھی بنوائی۔ جہاں وہ بعد وفات دفن ہوئے۔ نصیر الدین حیدر کو نجوم سے بھی خاص عقیدت تھی۔ علم ہئیت سے بھی دلچسپی تھی۔ ایک رصدگاہ بھی بنوائی اور اس میں بڑی بڑی دوربینیں باہر سے منگوا کر لگوائیں۔

نصیر الدین حیدر نے سلطنت کا سارا نظم و نسق اپنے وزیر روشن الدولہ کے سپرد کر دیا جو خود کوئی

www.taemeernews.com

خاص قابلیت نہیں رکھتے تھے۔ بادشاہ زیادہ تر وقت بیگمات میں گزارتے۔ اُن ہی کا سا لباس پہنتے اور اُن ہی کی طرح باتیں کرتے۔ ملک کی حالت اتنی ابتر ہوگئی تھی اور لوگ خود اتنے بیزار ہو چکے تھے کہ ۱۸۳۷ء میں انھیں کسی نے زہر دے کر مروا ڈالا۔ (تصویر 2)

ص۳، حوالہ۱:۔ دریائے شور:۔ تحسین فراقی نے دریائے شور پر یہ حاشیہ تحریر کیا ہے۔ ''کالا پانی، جزائر انڈمان، جہاں انگریز نے بہت سے مردانِ حق مثلاً مولانا محمود الحسن اور جعفر تھانیسری وغیرہ کو سزا کے طور پر بھیجا۔'' کمبل پوش نے اپنے سفرنامے میں یہ ترکیب تین مرتبہ استعمال کی ہے۔

۱۔ یہاں سے دریائے شور پہونچنے تک اس کی اعانت کو دھویں کا جہاز مقرر ہوا۔ تھوڑے دنوں میں اپنے زور سے ہمارے جہاز ازابیلہ کو ''گنگا'' سے کھینچ کر ''سمندر'' میں لے گیا۔ (مذکورہ حوالہ)

۲۔ یہ شہر (سوئیس) مقام تجارت اسباب مصر کا ہے۔ دریائے شور سے لگا ہے۔ (۹۷)

۳۔ بندہ بیشتر اُن کے ساتھ دریائے شور اور بازار کی سیر کرنے جاتا۔ (۹۸)

صاحب نور اللغات دریائے شور کے معنی لکھتے ہیں۔ ''دریائے شور، مذکر، کالا پانی، سمندر۔''

صاحب فرہنگِ آصفیہ نے اس ترکیب کا اندراج کرتے ہوئے تحریر کیا ہے۔ ''دریائے شور، ف، اسمِ مذکر، سمندر، کالا پانی۔''

پلیٹس دریائے شور کے معنی "The Salt Waters,The Sea, Ocean" درج کرتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ تحسین فراقی نے پہلی دو لغات کے حوالے سے ہی دریائے شور بمعنی کالا پانی تحریر کیا ہے۔ جبکہ اس ترکیب کے لفظی معنی سمندر (نمکین دریا) کے ہیں اور اس کے اختیاری معنی کالا پانی کے ہے۔ آیئے اب کمبل پوش کے پہلے جملے پر غور کریں۔ وہ لکھتا ہے کہ دریائے گنگا سے ایک دھویں کا جہاز ان کے جہاز کی اعانت کے لیے مقرر ہوا اور وہ اپنے زور سے اس جہاز کو گنگا سے سمندر تک لے آیا۔ یعنی جہاز گنگا میں تھا اور وہاں سے سمندر یعنی دریائے شور تک لے جایا گیا۔ کمبل پوش کے دیگر دونوں حوالوں سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے کہ اس نے یہ ترکیب سمندر کے لیے ہی استعمال کی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں اسی حوالے کے ۲ اور ۳ نمبر کے جملے اور ان کے سیاق۔ نیز پہلے حوالے کے بعد کمبل پوش آگے تحریر کرتا ہے کہ ''خدا خدا کر کے تیسری اپریل کو جہاز ہمارا دریائے گنگ سے سمندر میں پہونچا۔''

ظاہر ہے کہ سمندر میں پہنچنے سے پہلے جہاز کالا پانی (انڈمان نکوبار جزائر) کیسے پہنچ سکتا ہے۔ تحسین فراقی سے تسامح ہوا ہے چنانچہ مندرجہ بالا سیاق میں دریائے شور کے معنی سمندر کے ہی ہیں۔

255 www.taemeernews.com

حواشی

ص۵،حوالہ۱: جزیرہ کیپ:۔ کمبل پوش کی مراد Cape Town سے ہے۔ یہ صوبہ جنوبی افریقہ کے جنوب مغربی حصہ میں بحرِ اوقیانوس کے کنارے کوہِ ٹیبل کے دامن میں واقع ہے۔ بحرِ ہند اس کے مشرق میں ہے۔ جمہوریہ جنوبی افریقہ کا صدر مقام اور ایک اہم بندرگاہ ہے۔ ۱۶۵۲ء میں اس کی بنیاد حکومت ہالینڈ کے ایک گورنر نے رکھی تھی۔ ۱۷۹۵ء میں یہ برطانیہ کے زیرِ تسلط آیا اور جنوبی افریقہ کے آزادی پانے تک ان ہی کے قبضے میں رہا۔ یہاں کی معتدل آب وہوا کے باعث یہ موسمِ گرما کی آرام گاہ ہے۔ ۱۶۶۶ء میں تعمیر کردہ قلعہ آج بھی یہاں موجود ہے۔ یہاں کے نباتیاتی باغ، میوزیم، آرٹ گیلری مشہور ہیں۔ (تصویر 3)

ص۶،حوالہ۱:۔جزیرۂ سیمن بیہ:۔ Siman Town:۔ سائمن ٹاؤن (جنوبی افریقہ) ۱۷۴۱ء میں ولندیزی گورنر سائمن ولیک کے نام پر اس قصبے کا نام پڑا۔ ۱۸۱۴ء میں یہ برٹش اٹلانٹک سکوئیڈرن کا مرکز بنا۔ (تحسین فراقی) (تصویر 4)

ص۷،حوالہ۱:۔اسپانیل:۔ ملکِ اسپین کے باشندے۔

ص۱۰،حوالہ۱:۔قوم ڈچ:۔ ہالینڈ کی قوم، ولندیزی

ص۱۱،حوالہ۱:۔قومِ ملائی:۔ ملائی کے رہنے والے، ملائی جزیرہ نما Malay Peninsula برِ اعظم ایشیا کا جنوبی سرا جو مغرب میں بحرِ ہند اور آبنائے ملاکا اور مشرق میں جنوبی بحیرۂ چین کے درمیان واقع ہے۔ خاکنائے کرا (جو اس کا تنگ ترین نقطہ ہے) سے تقریباً ۴۰۰ میل جنوب میں سنگاپور تک پھیلا ہوا ہے۔ شمالی علاقہ تھائی لینڈ سے کچھ حصے پر مشتمل ہے۔ جنوبی حصے میں ملائیشیا ہے۔ ایک سلسلۂ کوہ جو تقریباً سات ہزار فٹ کی بلندی تک پہنچتا ہے، اس کے درمیان ہے۔ زیادہ تر جنگلی علاقہ ہے۔ دنیا کے جو علاقے قلعی اور ربڑ پیدا کرتے ہیں ان میں اسے نہایت اہم حیثیت حاصل ہے۔

ص۱۱،حوالہ۲:۔قومِ حبشی:۔ حبش کے رہنے والے، سیاہ فام

ص۱۲،حوالہ۱:۔ یہ شعر میر حسن کی معروف مثنوی ''سحر البیان'' سے ماخوذ ہے۔ مگر کمبل پوش نے اسے غلط نقل کیا ہے۔ شعر کا صحیح متن مندرجہ ذیل ہے۔

برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن مرادوں کی راتیں، جوانی کے دن

(حوالہ:۔ ص۱۹۹، 'سحر البیان' مرتب رشید حسن خاں، انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی، ۲۰۰۰ء

www.taemeernews.com

ص۱۲،حوالہ۲:۔ کنسٹانسیا:۔ یہ دراصل Constantia ہے۔ Constantia، کیپ ٹاؤن کا ایک ضلع ہے۔ یہ کیپ ٹاؤن کے وسط میں قائم ہے۔ یہ کوہ ٹیبل سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ یہ کیپ ٹاؤن کا قدیم ضلع ہے اور اپنی شراب کی وجہ سے تمام دنیا میں مشہور ہے۔ خاص کر انگوری شراب یہاں نہایت عمدہ بنتی ہے۔ یہاں بڑی تعداد میں عمدہ عمارتیں اور عالیشان گھر ہیں۔ (تصویر 5)

ص۱۳،حوالہ۱:۔ اویل:۔ یہ دراصل وہیل ہے۔

ص۱۳،حوالہ۲:۔ نپولین بونا پارٹ (Napoleon Bonaparte) ۱۷۶۹ء-۱۸۲۱ء:۔ مشہور فرانسیسی جنرل اور بادشاہ۔ جزیرہ کارسیکا میں پیدا ہوا۔ پیرس اور برائن کے فوجی اسکولوں میں تعلیم پائی اور انقلابِ فرانس کے دوران میں سب سے پہلی کامیابی توپوں کے محاصرے (۱۷۹۳ء) میں توپ خانے کی مدد سے حاصل کی۔ اس کے بعد اٹلی میں جمہوری فوج کے کمان دار کی حیثیت سے پے در پے فتوحات حاصل کیں اور قومی ہیرو بن گیا۔ ۱۷۹۷ء میں مصر میں برطانیہ کے خلاف ایک مہم کا کمان دار ہو کر گیا۔ ۱۷۹۹ء کے موسمِ خزاں میں پیرس واپس گیا اور حکومت کا تختہ اُلٹ کر خود قونصلِ اوّل بن گیا۔ انتظامیہ کی ابتری کو دور کر کے امن قائم کیا۔ ۱۸ مئی ۱۸۰۴ء کو اپنے شہنشاہ ہونے کا اعلان کیا۔ ۱۸۰۵ء میں آسٹریا اور ۱۸۰۶ء میں جرمنی کو شکست دی۔ ۱۸۱۲ء میں روس پر حملہ کیا مگر شکست کھائی۔ ماسکو سے پسپا ہوتے وقت اس کی تقریباً ساری فوج تباہ ہوگئی۔ ۱۸۱۳ء میں پروشیا اور آسٹریا نے روس کے ساتھ مل کر لائپزگ کے مقام پر اُسے شکستِ فاش دی۔ وہ تخت سے دست بردار ہو گیا اور ایلبا کے جزیرے میں قید کر دیا گیا، مگر سو دن بعد وہاں سے نکل بھاگا اور فرانس واپس آیا اور فوج جمع کر لی۔ لیکن ۱۸ جون ۱۸۱۵ء کو واٹرلو کے میدان میں اُسے شکست ہوئی اور سینٹ ہلینا کے جزیرے میں جلا وطن کر دیا گیا، وہیں فوت ہوا۔ (۱۸۲۱ء) (تصویر 6)

ص۱۳،حوالہ۳:۔ اسنشن:۔ یہ دراصل Acsension Island ہے۔ جزیرۂ اسنشن، جنوبی بحرالکاہل میں افریقہ کے ساحل سے ۱۶۰۰ کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے۔ یہ جزیرہ انگلینڈ کی ملکیت ہے اور سینٹ ہلینا کے شمال جنوب میں ۱۲۸۷ کلومیٹر میں موجود ہے۔ اس جزیرہ کا نام موجودہ معلومات کے مطابق، اس کی دریافت کے دن Aseension Day سے ماخوذ ہے۔ یہ ۹۵ء۷ ڈگری جنوب اور ۳۷ء۱۴ ڈگری مغرب میں موجود ہے۔ یہ جزیرہ ۹۱ مربع کلومیٹر پر مشتمل ہے۔ درمیان میں ایک آتش فشانی چوٹی ہے۔ چنانچہ اس کی تمام تر زمین اسی آتش فشانی پہاڑ کے

257 www.taemeernews.com

حواشی

لاوے سے بنی ہے۔

ص۱۴،حوالہ۱:۔ کتابت کی غلطی سے نسخۂ نولکشور میں یہ تاریخ درج ہوگئی ہے۔اصل تاریخ ۱۸۳۷ء ہونی چاہیے۔(تحسین فراقی)

ص۱۴،حوالہ۲:۔ دریائے ڈاك منٹ :۔ کمبل پوش کی مراد بندرگاہ کی گودی سے ہے، جہاں جہاز بار اُٹھانے یا اُتارنے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔

ص۱۷،حوالہ۱:۔ سرائے بل موت :۔ یہ دراصل Plymouth ہے۔پلائی موتھ انگلینڈ کی ایک ممتاز بندرگاہ ہے، جو Devon کے ساحل پر واقع ہے۔یہ لندن سے تقریباً ۱۹۰ میل جنوب مغرب میں واقع ہے۔یہ plym River کے شمال اور Tamar River کے مغرب کے درمیان ہے۔یہاں پہنچ کر یہ دونوں دریا Plymouth کہلاتے ہیں۔صنعتی انقلاب کے دوران Plymouth ایک بڑی بندرگاہ کی حیثیت اختیار کرگیا۔جہاں سے امریکہ کے لیے مسافروں اور ساز وسامان کی آمدورفت ہوتی تھی۔(تصویر7)

ص۱۸،حوالہ۱:۔ اس کے ساتھ چل نکلتی :۔ کمبل پوش کی مراد ریل سے ہے،فولادی پٹری کی سڑک، جس پر مال بردار اور مسافر گاڑیاں چلتی ہیں۔سولہویں صدی کے ایک جرمن سائنسداں جارج اگیر یگولا نے اپنی کتاب ''معدنیات'' (مطبوعہ ۱۵۵۶ء) میں ایک ایسی گاڑی کا ذکر کیا ہے جو لکڑی کے کھمبوں پر چلتی تھی اور اُسے گھوڑے کھینچتے تھے۔۱۷۹۰ء میں اسی قسم کی ایک گھوڑا گاڑی، کانوں سے کوئلہ ڈھونے کے لیے برطانیہ میں چلائی گئی۔لیکن یہ لوہے کی پٹری پر چلتی تھی۔۱۸۰۴ء میں ایک انگریز انجینیر رچرڈ ٹرے وی تھک نے بھاپ سے چلنے والا انجن ایجاد کیا ،لیکن یہ صرف بیس ٹن وزن کھینچ سکتا تھا۔اس کے بعد جارج اسٹیفن سن نے اس سے زیادہ طاقتور انجن بنایا۔اس انجن کے کامیاب تجربے کے بعد سٹاکٹن سے ڈارلنگٹن تک ریل کی پٹری بچھائی گئی جس پر صرف مال گاڑیاں چلائی گئیں۔۱۸۳۰ء میں لیورپول سے مانچسٹر کو ملانے والی ریلوے لائن کا افتتاح ہوا اور برطانیہ میں سب سے پہلی مسافر گاڑی اسی ریلوے لائن پر چلی۔

ص۱۹،حوالہ۱:۔ گرنچ:۔ اصل میں greenwich ہے۔گرین وچ لندن کے جنوب شمال میں ایک ضلع ہے۔یہ Thames ندی کے جنوبی کنارے پر واقع ہے۔یہاں کئی شاہی عمارتیں ہیں۔جس میں Palace of Plaeentia پندرہویں صدی کی یادگار ہے۔یہاں ہنری ہشتم اور ملکہ الزبتھ اوّل کی پیدائش ہوئی تھی۔English Civil war کے دوران اسے کافی نقصان پہنچا۔

www.taemeernews.com

بعد میں اسے Royal Naval Hospital for sailors کے نام سے دوبارہ بنایا گیا۔ ۱۸۷۳ء میں ان شاہی عمارتوں میں Royal naval college قائم کر دیا گیا۔ عمارت کے کچھ حصے بطور میوزیم عوام کے لیے آج بھی کھلے ہوئے ہیں۔ گرین وچ میں National Maritime Museum بھی واقع ہے، جس میں عہدِ قدیم کے نوادرات کثرت سے رکھے ہوئے ہیں۔ (تصویر 8)

ص ۱۹، حوالہ ۲:۔ واٹرلو کی جنگ (۱۵، ۱۸ جون ۱۸۱۵ء):۔ واٹرلو:۔ بلجیم کے صوبے برابنیٹ کا ایک قصبہ، برسلز کے قریب واقع ہے۔ فرانس کے لوگ لوئی ہژدہم کی حکومت سے بیزار ہو گئے اور نپولین جیسے بہادر اور طالع آزما جنرل کو بادشاہ بنانے کی سوچنے لگے۔ چنانچہ ملک کے کچھ حصوں میں بغاوت کی تیاریاں ہونے لگیں۔ نپولین کو جزیرۂ ایلبا میں، اس صورتِ حال کا علم ہوا تو وہ فرانس پہنچا۔ اہلِ فرانس نے اس کا پُرتپاک خیر مقدم کیا اور ایک دفعہ پھر اسے اپنا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ لیکن یوروپ کی بڑی طاقتوں نے فیصلہ کر رکھا تھا کہ وہ نپولین کو فرانس کا حکمراں نہ بننے دیں گے۔ انھوں نے متحد ہو کر فرانس پر حملہ کر دیا۔

فرانسسی فوجوں کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھی۔ اس کے مقابلے میں ۳۱ ہزار انگریز، ایک لاکھ بیس ہزار پروشین، تیس ہزار ولندیزی، جرمن اور بیلجین تھے اور ان کی کمان ڈیوک آف ولنگٹن اور جنرل گیب ہرڈ فان بلوچر کر رہے تھے۔ جنگ کے پہلے مرحلے میں نپولین نے انگریزوں اور پروشین کو الگ الگ شکست دینے کا منصوبہ بنایا۔ ۱۶ جون ۱۸۱۵ کو نپولین نے بلوچر کی زیرِ کمان پروشیا کی فوج کو لگنی کے مقام پر شکست دی۔ فرانسسی فوج کے ایک چھوٹے سے کالم نے انگریزی فوج کو کوارتر ے براس کے مقام پر اُلجھائے رکھا۔ پروشیا کی فوج پسپا ہو گئی تو فرانسسی فوج کا یہ حصہ بھی ویلنگٹن سے نبرد آزما ہونے کے لیے آگے بڑھا۔ ویلنگٹن نے ۱۷ جون کو پسپا ہو کر واٹرلو کے قریب پوزیشن سنبھال لی۔

۱۸ جون کو فرانسسی فوج نے پوری طاقت سے حملہ کیا لیکن ویلنگٹن کی مزاحمت کے آگے اس کی ایک نہ چلی، عین اسی وقت بلوچر نے اپنی فوج کو مجتمع کر کے فرانسسیوں کے بازو پر حملہ کیا۔ فرانسسی سراسیمہ ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے اور نپولین انھیں اس حال میں چھوڑ کر فرار ہو گیا۔ واٹرلو کی جنگ نپولین کی جنگوں کی آخری اور فیصلہ کن جنگ تھی۔

ص ۱۹، حوالہ ۳:۔ لارڈ نلسن:۔ Haratio Nelson (۲۹ ستمبر ۱۷۵۸ء تا ۲۱/اکتوبر ۱۸۰۵ء) نپولین

www.taemeernews.com

حواشی

وار کا ایک ہیرو تھا۔اس نے اپنی تقریباً تمام زندگی Royal Navy کی خدمت میں صرف کردی اور کئی اہم فتوحات حاصل کیں۔بطورِ خاص Battle of Trafalgar (۱۸۰۵ء) میں اس نے جانبازی کی عظیم مثال قایم کی اور اسی لڑائی کے دوران وہ شہید ہوگیا۔گرین وچ کے میوزیم میں اس کے خون آلود کپڑوں کا ذکر کمبل پوش کے علاوہ منشی محبوب عالم (سفرنامۂ یوروپ) نے بھی کیا ہے۔اس سے قبل ناصرالدین قاچار کے ''مسافرت نامہ'' میں بھی اس کا ذکر ملتا ہے۔ (تصویر9)

ص۱۹،حوالہ۴:۔حضرت پالوس:۔St.paul (تحسین فراقی)

ص۲۰،حوالہ۱:۔ کلیسائے سنٹ پال: St. Paul's Cathedral لندن کا یہ مشہور گرجا گھر Ludgate Hill پر واقع ہے اور لندن کے بشپ کی نشست یہیں واقع ہے۔یہ قدیم لندن کی انتہائی اہم عمارات میں سے ایک ہے۔دریائے ٹیمز کے کنارے استادہ اس گرجا گھر کو سیاح سب سے زیادہ دیکھنے آتے ہیں۔لندن میں لگنے والی عظیم آگ کے بعد اسے ازسرِ نو تعمیر کیا گیا۔اسے ماہرِ تعمیرات Christopher Wren نے تعمیر کیا۔(تصویر10)

ص۲۱،حوالہ۱:۔روضۂ تاج بی بی:۔تاج محل، مغل بادشاہ شاہجہاں کی بیگم ممتاز محل کا مقبرہ، یہ عمارت اٹھارہ سال میں (۱۶۳۲ء تا ۱۶۵۰ء) بن کر تیار ہوئی۔اس کی تعمیر پر ساڑھے چار کروڑ روپیہ صرف ہوا اور بیس ہزار معماروں نے اسے بنایا۔تمام عمارت سنگِ مرمر کی ہے۔اس کی لمبائی اور چورائی ایک سو تیس فٹ اور بلندی دو سو فٹ ہے۔عمارت کی مرمری دیواروں پر رنگ برنگ کے پتھروں سے نہایت خوبصورت پچی کاری کی ہوئی ہے۔روضے کے اندر اور باہر پچی کاری کی صورت میں قرآن شریف کی آیات منقوش ہیں۔عمارت کے چاروں کونوں پر ایک ایک مینار ہے عمارت کا چبوترا، جو سطحِ زمین سے کئی فٹ اونچا ہے، سنگِ سرخ کا ہے۔اس کے پشت پر دریائے جمنا بہتا ہے اور سامنے کی طرف، کرسی کے نیچے ایک حوض ہے جس میں فوارے لگے ہوئے ہیں اور مغلیہ طرز کا خوبصورت باغ بھی ہے۔اس روضے کے اندر ملکۂ ممتاز محل اور شاہجہاں کی قبریں ہیں۔

ص۲۱،حوالہ۲:۔ کالاسم:۔ تحسین فراقی نے حواشی میں اس کا انگریزی متبادل Colosseum درج کیا ہے جبکہ اکرام چغتائی نے متن میں تحریف کرتے ہوئے اسے کلائسیم تحریر کیا ہے۔ Colosseum سے ذہن روم کے اس عظیم اکھاڑے کی طرف منتقل ہوتا ہے جہاں خونی

www.taemeernews.com

کشتیاں لڑی جاتی تھیں۔ Colosseum کا یہ املا اسی مشہور اکھاڑے سے منسوب ہے جبکہ دنیا کے دوسرے تھیٹر یا اکھاڑوں کے لیے Coliseum مستعمل ہے۔ لندن میں قائم Coliseum دراصل کمبل پوش کے سفر کے کافی بعد وجود میں آیا۔ اس کی ابتداء 1911ء میں ہوئی۔ سفرنامے میں درج تفصیلات کسی میوزیم یا تماشا گاہ کی طرف اشارے کرتی ہیں۔ گمان غالب ہے کہ اس زمانے میں کوئی ایسی عمارت موجود ہو اور جسے روم کے مشہور و معروف اکھاڑے کے نام سے منسوب کر دیا گیا ہو۔

ص ۲۳، حوالہ ۱:۔ میوزیم:۔ مراد غالباً برٹش میوزیم سے ہے۔ لندن کا برٹش میوزیم دنیا کے عظیم ترین میوزیموں میں سے ایک ہے۔ اس میں ایک کروڑ سے بھی زیادہ نوادرات رکھی ہوئی ہیں۔ جنھیں تمام دنیا سے اکٹھا کیا گیا ہے۔ اس میں انسانی تاریخ کے مختلف ادوار کے نوادر بھی شامل ہیں۔ اس کی بنیاد ۱۷۵۳ء میں رکھی گئی مگر اسے عوام کے لیے ۱۵ جنوری ۱۷۵۹ء میں کھولا گیا۔ یہ لندن کے Bloomsbury علاقے میں واقع ہے۔

ص ۲۳، حوالہ ۲:۔ کلیسائے منسٹر آبی:۔ یہ چرچ لندن کے ایک مضافاتی علاقے West minister Abbey میں واقع ہے۔ یہ لندن کا ایک معروف گوتھک گرجا گھر ہے۔ اسے The Collegiate Church of st. peter بھی کہتے ہیں یہ گرجا گھر جشنِ تاج پوشی Coronation کی ایک روایتی جگہ ہے۔ یہاں انگریزوں کا ایک قدیمی قبرستان بھی ہے۔ (تصویر 11)

ص ۲۴، حوالہ ۱:۔ رایل جولاجکل گاڈن:۔ یہ دراصل Royal geological garden ہے۔ یہ باغات اپنی ہیئت میں بے مثال ہیں۔ انھیں kew garden اور Royal Botanic garden کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ یہ لندن کے جنوب مغرب میں واقع ہیں۔ انھیں Lord Capel of Tewkesbury نے قائم کیا۔ بعد میں Princess Augusto نے ان میں گراں قدر اضافے کیے۔ ۱۸۴۰ء میں انھیں Botanical garden کا نام دیا گیا۔ اس سے پہلے یہ رائل جیولاجیکل گارڈن کے نام سے ہی جانے جاتے تھے، چنانچہ کمبل پوش نے یہی نام لکھا ہے۔ (تصویر 12)

ص ۲۵، حوالہ ۱:۔ ٹیاٹر:۔ یہ دراصل Theatre ہے۔

ص ۲۶، حوالہ ۱:۔ ڈکرو:۔ یہ کوئی نام نہیں، اصل نام غالباً Dieker ہے۔ (تحسین فراقی)

www.taemeernews.com

حواشی

ص۲۸،حوالہ۱:۔ٹوارف لندن :۔یہ دراصل Tower of London ہے۔وسطی لندن میں دریائے ٹیمز کے کنارے واقع یہ ایک تاریخی عمارت ہے۔جسے عرفِ عام میں ٹاور آف لندن کہا جاتا ہے۔یہ دراصل Royal Palace یا شاہی محل ہے۔اسے White tower بھی کہا جاتا ہے۔یہ عمارت ۱۰۷۸ء میں ایک حفاظتی دیوار کے اندر تعمیر کی گئی ہے۔اسے بطور شاہی جیل خانہ استعمال کیا جاتا تھا۔(تصویر13)

ص۲۹،حوالہ۱:۔انٹہ بازی:۔بلیئرڈ،اسنوکر یا پول مراد ہے۔

ص۲۹،حوالہ۲:۔بک سال گاڈن :۔یہ دراصل Vauxhall Gardens ہے۔سترہویں صدی کے وسط سے لے کر انیسویں صدی کے وسط تک یہ گارڈن لندن کی عوامی تفریح گاہوں میں شامل تھے۔یہ دریائے ٹیمز کے جنوبی کنارے Kennington علاقے میں ہیں۔جو ایک عرصے تک شہرِ لندن سے باہر تھا۔۱۷۸۵ء تک یہ باغات نیو اسپرنگ گارڈن کے نام سے جانے جاتے تھے۔اب یہاں ایک چھوٹا عوامی پارک ہے۔(تصویر14)

ص۳۰،حوالہ۱:۔آسمان کی سیر کرے :۔کمبل پوش کی مراد Hot Air Balloon سے ہے۔ظاہر ہے کہ اس کا نظارہ اس نے پہلی مرتبہ کیا ہے اور ہندوستانیوں کے لیے یہ تب تک ایک عجوبۂ روزگار تھا،اسی لیے کمبل پوش نے اس کی تفصیلات درج کی ہیں اور اس نظارے کو قدرے حیرت وتجسس سے دیکھا ہے مگر یوروپ بالخصوص لندن میں یہ ایک عام شے سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔دنیا کا پہلا Hot Air Balloon جس میں انسان نے سفر کیا،۲۱ نومبر ۱۷۸۳ء کے دن فرانس میں اُڑایا گیا۔

ص۳۲،حوالہ۱:۔نکیسا:۔ساسانی بادشاہ خسرو پرویز کے دربار کا معروف مطرب۔(تحسین فراقی)

ص۳۲،حوالہ۲:۔اولـــــج:۔یہ دراصل Woolwich ہے۔Woolwich جنوب مشرقی لندن کا مضافاتی علاقہ ہے۔ایک اہم فوجی شہر بننے سے قبل ولوچ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔۱۷۴۱ء میں یہاں Royal Military Academy اور ۱۷۹۳ء میں Royal Hourse Artillery کا قیام عمل میں آیا۔اس کے علاوہ یہاں Woolwich Dockyard بھی تھا، جہاں جنگی سمندری جہازوں کی مرمت کی جاتی تھی۔۱۸۸۹ء میں اسے لندن شہر میں شامل کرلیا گیا۔

ص۳۴،حوالہ۱:۔بطریق تحفہ:۔اس کا ذکر نواب کریم خاں کے یہاں بھی آیا ہے اور عہدِ جدید کے سیاحت نگار جناب جمیل الدین عالی کے یہاں بھی۔عالی صاحب نے تو اس توپ کو ٹھوکر مار کر

www.taemeernews.com

انگریزوں سے مسلمانوں کی دو صد سالہ غلامی کا انتقام بھی لے لیا تھا۔ چہ عجب۔ (تحسین فراقی)

تحسین فراقی نے جمیل الدین عالی کے معروف سفر نامے 'دنیا میرے آگے' کا حوالہ دیا ہے۔ قارئین کی دلچسپی کے لیے عالی صاحب کا مذکورہ اقتباس درج کیا جا رہا ہے:

''اس قلعے میں خاندان شاہی کے نوادر اور ہتھیار اور قدیم خزانے نمائش کے لیے رکھے ہیں مگر میں نے وہ نہیں دیکھے۔ ہوا یہ کہ میں جو قلعہ دیکھنے گیا تو باہر کچھ توپوں پر نظر پڑی۔ ایک توپ بھرت پور کی لڑائی میں جیتی گئی تھی۔ اس پر پیتل کا کتبہ لگا ہوا ہے اور انگریزی افواج کی شان میں چند الفاظ کندہ ہیں۔ بس یہ مجھے بہت بُرا لگا بے وقوفی تھی مگر تھی۔ مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے یہ توپ میری طرف کر دی گئی ہے اور اب اس میں سے ایک گولا نکل کر میرے سینے پر آ لگے گا۔ میں نے اس توپ کے ایک گھونسا مارا۔ کچھ نہ ہوا۔ زور سے ایک لات ماری پھر بھی کچھ نہ ہوا بلکہ میرا پنجہ ٹوٹتے ٹوٹتے رہ گیا۔ پتا نہیں میرے پاؤں کا پنجہ کب اتنا مضبوط ہوگا لیکن مجھے یقین سا ہے کہ ایک دن وہ مضبوط ہو جائے گا بعد میں اس توپ کے ایسی لات ماروں گا کہ زمین میں دھنس جائے اور عمر بھر کے لئے میرے برصغیر کی فتح اور غلامی کا نشان دیکھنے والوں کی آنکھوں سے اوجھل ہو جائے۔'' (دنیا میرے آگے۔ جمیل الدین عالی۔ ص ۳۴۲)

ص ۳۴، حوالہ ۲:۔ جزیرۂ خراب:۔ یہ دراصل St. Helena ہے۔ St. Helena مغربی بحرِ اوقیانوس میں واقع ایک آتش فشانی جزیرہ ہے۔ یہ جزیرہ سلطنتِ انگلشیہ کا ایک حصہ ہے۔ اس کی پانچ سو سالہ تاریخ ہے۔ پرتگالیوں نے اسے ۱۵۰۲ء میں دریافت کیا تھا۔ جغرافیائی اعتبار سے یہ جزیرہ انتہائی اہم مقام پر واقع ہے اور عہدِ قدیم ہی سے سیاسی و فوجی امور کے سلسلے میں اس کی اہمیت رہی ہے۔ انگریزوں نے اس جزیرے کو بطور ایک بندرگاہ استعمال کیا، جہاں سے یوروپ، ایشیا اور افریقہ کے لیے جنگی جہاز روانہ کیے جاتے تھے۔

ص ۴۰، حوالہ ۱:۔ مذہبِ سلیمانی:۔ تفصیلات کے لیے ملاحظہ فرمائیں۔ ضمیمہ۔ ۱، اور ضمیمہ۔ ۲

ص ۴۱، حوالہ ۱:۔ ڈایہ رام:۔ کمبل پوش نے اس کے ذیل میں جو تفصیلات بیان کی ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کوئی تھیٹر ہے جس میں تاریخی واقعات کو اداکاروں اور دیگر اشیائے ضروری کی مدد سے ناظرین کے روبرو پیش کیا جاتا تھا۔ عہد جدید میں اس قسم کے تماشا گاہوں کو Dungeon کہا جاتا ہے اور یہاں زیادہ تر ڈراونے واقعات کے ساتھ ساتھ تاریخ کے اہم حادثات کی نقل پیش کی جاتی ہے۔ ڈایہ رام اور Dungeon میں کچھ صوتی مماثلت بھی ہے۔ ممکن ہے کہ کمبل پوش

www.taemeernews.com

حواشی

کی مراد کوئی قدیمی Dungeon ہو، حالانکہ لندن کا Dungeon 1976ء میں کھولا گیا۔

ص۴۲، حوالہ۱:۔ کنسٹان تینا:۔ Constantina، قسطنطنیہ:۔ ترکی کے شہر 'استنبول' کا قدیمی نام

ص۴۲، حوالہ۲:۔ رائل سری ٹیا ٹر :۔ یہ دراصل Theatre Royal ہے۔ تھیٹر رائل لندن کا قدیم ترین موجود تھیٹر ہے۔ یہ City of West minister میں Covent Garden میں واقع ہے۔ تھیٹر کے مدِ مقابل Catherine Street ہے اور اس کے پسِ پشت Drury lane ہے۔ اس کی بنیاد ۱۶۶۳ء میں رکھی گئی۔ اس میں تین ہزار سامعین کے لیے گنجائش ہے۔ اس کے اندرونی حصے میں معروف اداکاروں کے مجسمے رکھے ہوئے ہیں۔ (تصویر 15)

ص۴۴، حوالہ۱:۔ ٹیٹرس ہل :۔ یہ دراصل Tatters Hall ہے۔ ٹیٹرس ہال لندن کا ایک مضافاتی گاؤں ہے۔ جو لنکن شائر میں واقع ہے۔ یہاں کئی قدیمی عمارتیں ہیں۔ لارڈ کرامویل نے یہاں ایک مضبوط قلعہ تعمیر کرایا تھا۔ (تصویر 16)

ص۴۶، حوالہ۱:۔ گلڈ ہال:۔ یہ دراصل Guild Hall ہے۔ یہ شہرِ لندن کی ایک عالیشان عمارت ہے۔ پندرھویں صدی عیسوی کا یہ کونسل ہال بحیثیت ٹاؤن ہال، سینکڑوں سال سے استعمال ہو رہا ہے اور آج بھی انتظامی مرکز کی حیثیت رکھتا ہے۔ شہرِ لندن کی انتظامیہ کے مختلف پروگرام یہاں منعقد کیے جاتے ہیں۔ لفظ ''Guild Hall'' پوری بلڈنگ کے ساتھ ساتھ اس کے اصل ہال کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ متوسط عہد کی طرز پر بنا ہوا ایک بڑا ہال ہے۔ اس کے تہہ خانے میں ایک آرٹ گیلری ہے، جس میں تاریخی اہمیت کی نوادرات محفوظ کی گئی ہیں۔ (تصویر 17)

ص۴۶، حوالہ۲:۔ لاڈ میر :۔ یہ دراصل Lord Mayor ہے۔ یہ دراصل لندن کے میئر کا خطاب ہے۔ یہ لندن کارپوریشن کا سربراہ ہوتا ہے اور اس کے سرکاری اختیارات نہایت وسیع ہوتے ہیں۔ لارڈ میئر کا یہ خطاب ۱۱۸۹ء سے جاری ہے۔ اسے باقاعدہ الیکشن کے ذریعے نامزد کیا جاتا ہے۔ کمبل پوش نے اسی میئر کو وزیرِ اعظم لاڈ میر لکھا ہے۔

ص۴۹، حوالہ۱:۔ مادم ترساد :۔ یہ دراصل Madame Tussauds ہے۔ Madame Tussauds تمام دنیا میں معروف Wax Museum (موم کی مورتیوں کا میوزیم) ہے۔ یہ لندن کے Marylabour Road پر واقع ہے اور اس کی دنیا بھر میں کئی شاخیں ہیں۔ یہاں عہدِ قدیم سے لے کر عہدِ جدید کے تقریباً تمام قابلِ ذکر لوگوں کی موم کی مورتیاں رکھی ہوئی ہیں۔ جن میں مشہور اور بدنام تمام شخصیات شامل ہیں۔ یہ میوزیم دراصل ایک خاتون Marie

www.taemeernews.com

Tussaud کے نام سے منسوب ہے، جنھیں اس قسم کی مورتیاں بنانے کا شوق تھا اور ان کی کوششوں کی بدولت یہ میوزیم آج بھی تمام دنیا کے لوگوں کی توجہ کا مرکز ہے۔ مادام تساد فرانس کی رہنے والی تھیں اور ۱۸۰۲ء میں لندن آئیں اور اپنے فن کی مختلف مقامات پر نمائش کی بعد ازاں لندن میں اپنے میوزیم کی بنیاد ڈالی۔ (تصویر 18)

ص ۵۰، حوالہ ۱:۔ شیکسپیر:۔ یہ دراصل Shakespeare ہے۔ William Shakespeare (۱۵۶۴ء تا ۱۶۱۶ء) انگریز ڈراما نگار اور شاعر، سٹریٹ فورڈ آن ایون میں پیدا ہوا۔ ۱۵۸۵ء میں لندن گیا اور کچھ عرصہ مختلف تھیٹریکل کمپنیوں میں بطور ایکٹر اور منیجر کام کیا۔ بعد ازاں پمبروک مین کمپنی کے لیے ڈرامے لکھے۔ ۱۵۹۴ء میں لارڈ چیمبرلین کی کمپنی میں شامل ہو گیا۔ یہاں اس کا خاص کام ڈرامے لکھنا تھا۔ شیکسپیر ایک پُر گو شاعر تھا اور بڑی سرعت سے تصنیف و تالیف کا کام کرتا تھا۔ سال میں تقریباً دو نئے ڈرامے لکھ دینا اس کا معمول تھا۔ ۱۵۹۹ء میں اس نے گلوب تھیٹر خرید لیا اور پوری توانائی سے تخلیقی کام شروع کر دیا۔ نظمیں لکھیں، گیت لکھے اور ۳۵ ڈرامے لکھے۔ جلد ہی اس نے اتنی دولت پیدا کر لی کہ سٹریٹ فورڈ میں ایک خوبصورت مکان بھی خرید لیا۔ ۱۶۱۰ء میں ملازمت ترک کر کے وطن واپس چلا گیا۔ اس کے المیہ ڈراموں میں ہملیٹ، میکبتھ، جولیس سیزر اور اوتھیلو اور طربیہ ڈراموں میں مرچنٹ آف وینس، ایز یو لائک اٹ وغیرہ بہت مشہور ہیں۔

ص ۵۰، حوالہ ۲:۔ لاڈ بائرن:۔ یہ دراصل لارڈ بائرن ہے۔ Lord George Gordon Byron (۱۷۸۸ء تا ۱۸۲۴ء) انگریزی کا رومانوی شاعر، پیر و اور کیمبرج یونیورسٹی میں تعلیم پائی۔ ۱۷۹۸ء میں لارڈ کا موروثی خطاب پایا۔ یونان اور اسپین کا سفر کیا اور واپس آ کر ایک طویل نظم یونان کی جنگِ آزادی کے حق میں لکھی۔ ازدواجی زندگی سے تنگ آ کر اٹلی چلا گیا اور وہیں سکونت اختیار کر لی۔ ۱۸۲۳ء میں یونان کی حمایت میں لڑنے گیا، لیکن بخار میں مبتلا ہو کر مر گیا۔

ص ۵۰، حوالہ ۳:۔ سر والٹر سکاٹ:۔ walter Scott (۱۷۷۱ء تا ۱۸۳۲ء) اسکاٹ لینڈ کا ناول نویس اور شاعر۔ اڈنبرا یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری حاصل کی اور تین برس تک وکالت بھی کی۔ پھر وکالت ترک کر کے اپنی زندگی ادب کے لیے وقف کر دی۔ عرصے تک نظمیں لکھتا رہا جو کافی مقبول ہوئیں ۱۸۱۴ء میں شاعری ترک کر کے تاریخی ناول لکھنا شروع کیے۔ ۱۸۱۹ء میں سر کا خطاب پایا۔

www.taemeernews.com

حواشی

ص۵۵،حوالہ۱:۔جزیرہ بلون:۔ یہ دراصل Boulogne ہے۔جس کا فرانسیسی تلفظ بولون ژے ہے۔اس کا پورا نام Boulogne sur mer ہے۔یہ مشرقی فرانس کا ایک شہر ہے۔رومن سلطنت کے دوران اس کا نام Bononia تھا۔

ص۵۶،حوالہ۱:۔پارس:۔ یہ دراصل پیرس ہے۔فرانس کا دارالحکومت، دنیا کے بہترین اور خوبصورت ترین شہروں میں سے ایک۔دو ہزار سال پہلے رومن زمانے میں اس کا نام لوتیشیا تھا۔دریائے سین کے وسط میں ایک چھوٹے سے جزیرہ پر آباد کیا گیا۔رفتہ رفتہ تہذیب وتمدن کا مرکز بن گیا۔ انیسویں صدی اور بیسویں صدی کے درمیان اس کی ازسرِ نو تعمیر ہوئی۔اب سترہویں صدی سے پہلے کی بہت کم عمارتیں باقی رہ گئی ہیں۔قابلِ ذکر عمارات یہ ہیں ا۔نوٹرے ڈام کا گرجا گھر، جس کی تعمیر ۱۱۶۳ء میں شروع ہوئی ۲۔فرانسیسی بادشاہوں کا قدیم محل، اب یہ فنونِ لطیفہ کا محل ہے اور یہاں دنیا کی چند بہترین تصویریں اور مجسمے محفوظ ہیں۔۳۔آئفل ٹاور، جو ۱۸۸۷ء سے ۱۸۸۹ء تک دو سال میں تعمیر ہوا۔علاوہ ازیں رایل پیلیس، لکسمبرگ پیلیس اور اوپیرا اور تھیٹر فرانس کی عمارتیں بھی قابلِ دید ہیں۔ماضی میں پیرس کی قلعہ بندیاں اور مورچے بہت مشہور تھے یہ اب منہدم ہو چکے ہیں۔دریائے سین نے شہر کو تین حصّوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

ص۵۶،حوالہ۲:۔آمین:۔ یہ دراصل Amiens ہے۔Amiens شمالی فرانس کا ایک شہر اور Commune (سب سے چھوٹا انتظامی علاقہ) ہے۔یہ پیرس سے ۱۲۰ کلو میٹر شمال میں واقع ہے۔یہاں تیرہویں صدی کا ایک قدیم مگر مشہور گرجا گھر ہے۔ (تصویر19)

ص۵۷،حوالہ۱:۔نیوٹروم:۔ یہ اصل میں Notre Dame de Paris ہے۔Norte Dame ایک مشہور گوتھک گرجا گھر ہے۔یہ پورے فرانس میں ایک انتہائی مقدس مقام ہے یہ پیرس کا Cathedral ہے اور یہاں پیرس کے Archbishop کی نشست ہے۔یہ گوتھک فنِ تعمیر کا ایک نایاب نمونہ ہے۔یہ پوری عمارت باہری پشتوں کے سہارے کھڑی ہوئی ہے۔فرانس میں عیسائیت کے غلبے سے پہلے بھی یہ ایک مقدس مقام کی حیثیت رکھتا تھا۔(تصویر20)

ص۵۸،حوالہ۱:۔اپیرہ:۔ یہ دراصل Opera House یا Paris Opera ہے۔یہ French Theatrical Institution کا تھیٹر ہے۔یہاں opera اور Ballet پیش کیے جاتے رہے ہیں۔۱۸۲۱ء سے ۱۸۷۳ء تک اس اوپیرا ہاؤس نے کافی شہرت اور نام کمایا۔۱۸۷۳ء میں آگ لگ جانے سے اسے کافی نقصان پہنچا۔اسے مختلف ناموں سے جانا جاتا ہے۔جن میں

266 www.taemeernews.com

پیرس اوپیرا، گرانٹ اوپیرا اور صرف 'اوپیرا' زیادہ مقبول ہوئے۔ یہ ایک نہایت بلند و بالا عمارت ہے۔ اور یہاں ماضی میں عظیم الاشان اوپیرا اور بیلیٹ اسٹیج کیے جاتے رہے ہیں۔ (تصویر 21)

ص ۵۹، حوالہ ۱:۔ کنسرٹ:۔ یہ دراصل Concert ہے۔ کونسرٹ دراصل تماشائیوں کے روبرو پیش کیا جانے والا موسیقی کا پروگرام ہے۔ عام طور پر ایک ہی موسیقار اپنے فن کا مظاہرہ کرتا ہے۔ مگر کبھی کبھی پورے گروپ کی نمائندگی بھی کی جاتی ہے۔ آرکیسٹرا اور Musical band بھی کونسرٹ میں اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

ص ۶۱، حوالہ ۱:۔ پیالس برسیل:۔ یہ دراصل Palace of Versailles ہے۔ یہ عظیم الاشان محل ماضی میں پیرس کے ایک مضافاتی گاؤں Versailles میں تھا۔ مگر اب پیرس کا ہی ایک حصہ بن گیا ہے۔ اسے فرانسیسی زبان میں Chateau de Versailles کہتے ہیں۔ موجودہ پیرس کے جنوب مغرب میں تقریباً ۲۰ کلومیٹر کے فاصلے پر استادہ یہ محل قدیم بادشاہوں کی رہائش گاہ و تفریح گاہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ ماضی قدیم میں اسے سیاسی حیثیت حاصل تھی۔ یہ گاؤں اپنے محل کے علاوہ بطور مطلق العنان بادشاہت مشہور و معروف تھا۔ کئی صدیوں پر محیط اس کی تاریخ میں کئی بار تعمیراتی اضافے ہوئے اور اس کی عظمت میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہ محل گیارہ ہیکٹیئر زمین پر پھیلا ہوا ہے۔ اس میں تقریباً ۷۰۰ کمرے ہیں، نیز سات ہزار سے زائد Paintings اس کے میوزیم میں موجود ہیں۔ عہد حاضر میں یہ عمارت World haritage کی فہرست میں شامل ہے۔ (تصویر 22)

ص ۶۲، حوالہ ۱:۔ پایشش:۔ کمبل پوش کی مراد pere Lachaise Cemetery سے ہے۔ یہ پیرس کا سب سے بڑا اور قدیم قبرستان ہے۔ انگریزی میں اسے "East cemetery" بھی کہتے ہیں۔ یہ دنیا کا سب سے مشہور قبرستان ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ سیاح اس قبرستان کی زیارت کے لیے آتے ہیں۔ یہاں فرانس کی دوسو سالہ تاریخ کی عظیم ہستیاں زیرِ زمین آرام فرما رہی ہیں۔ یہ قبرستان نپولین نے ۱۸۰۴ء میں قائم کیا۔ (تصویر 23)

ص ۶۳، حوالہ ۱:۔ پنتھیم:۔ یہ دراصل Pantheon ہے۔ اسے ایک چرچ کی حیثیت سے تعمیر کیا گیا تھا مگر بعد میں اسے شاہی مدفن کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ اس کی بنیاد کنگ لوئیس نے ۱۷۵۸ء میں رکھی اور ۱۷۸۹ء میں یہ بن کر تیار ہوا اپنی عالیشان عمارت اور ڈیزائن کی وجہ سے یہ کافی شہرت رکھتا ہے۔ اسی شاہی قبرستان میں کئی بادشاہ اور نامور اشخاص کی قبریں ہیں۔ (تصویر 24)

www.taemeernews.com

حواشی

ص ۶۳، حوالہ ۲:۔ والٹیر:۔ Voltaire اِس مشہور فرانسیسی عالم کا اصل نام Francois Marie Arouet تھا۔ مگر وہ اپنے قلمی نام Voltaire کے نام سے ہی مشہور تھا۔ اس کی پیدائش ۲۱ نومبر ۱۶۹۴ء میں پیرس میں ہوئی اور ۸۳ سال کی عمر میں ۳۰ مئی ۱۷۷۸ء میں اس کا انتقال ہوا۔ یہ فرانس کا مشہور ادیب، فلاسفر اور مضمون نگار تھا۔ یہ شہری حقوق کا علم بردار تھا اور آزادیٔ مذہب کے لیے کوشاں تھا۔ اس کی تحریروں میں فلسفیانہ طنز کی گہری آمیزش ہوتی تھی۔

ص ۶۴، حوالہ ۱:۔ ٹیپسٹری:۔ Tapestry رنگین دھاگوں کی آمیزش سے بُنا ہوا دبیز منقش کپڑا یا اسی قسم کی ملتی جلتی کشیدہ کاری۔ رنگین تانوں بانوں سے تیار کیا ہوا قالین یا دبیز کپڑا جس میں خوبصورت بیل بوٹے اور دیگر ڈیزائن کے ساتھ ساتھ مصوّری کے نمونے بھی بُنے جاتے ہیں۔

ص ۶۶، حوالہ ۱:۔ King philip

ص ۶۷، حوالہ ۱:۔ کمبل پوش کی پیش کی گئی تفصیلات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی مراد پاسپورٹ سے ہے جبکہ تحسین فراقی نے اسے ویزا لکھا ہے۔

ص ۷۰، حوالہ ۱:۔ کرسمس ڈے، عیسائیوں کا سب سے بڑا تہوار۔ اس دن حضرت عیسیٰ کی پیدائش ہوئی تھی۔

ص ۷۰، حوالہ ۲:۔ سرپن ٹین:۔ یہ دراصل Serpentine ہے۔ سرپنٹائن جھیل، جو دریائے سرپنٹائن کے نام سے بھی جانی جاتی ہے، دراصل ۱۲۸ ایکڑ پر مشتمل ایک مصنوعی جھیل ہے جو لندن کے مشہور علاقے Hyde Park میں ہے۔ اسے ۱۷۳۰ء میں بنایا گیا۔ اس جھیل کا یہ نام اس کی جغرافیائی صورتِ حال کی بنا پر دیا گیا ہے۔ یہ دراصل ایک بلدار جھیل ہے۔ جس پر ایک سانپ کا سا گمان ہوتا ہے اور اسی لیے اسے Serpentine (لہریے دار، سانپ کی مانند) کہا جاتا ہے۔ (تصویر 25)

ص ۷۰، حوالہ ۳:۔ کمبل پوش کی مراد Ice Skating سے ہے۔

ص ۷۱، حوالہ ۱:۔ دریائے ٹیم:۔ یہ دراصل River Thames ہے۔ انگلینڈ کا ایک بڑا اور اہم دریا، جو انگلینڈ کے جنوبی علاقے سے ہو کر گزرتا ہے اور شہرِ لندن کو درمیان سے کاٹتا ہے۔ لندن کے علاوہ انگلینڈ کے کئی نامور شہر اور قصبے اس کے کنارے آباد ہیں، جن میں Oxford 'Reading' اور Windsor خاص ہیں۔ اس دریا کا نام Thames Valley کے نام پر ''دریائے ٹیمز'' رکھا گیا ہے۔ (تصویر 26)

ص ۷۲، حوالہ ۱:۔ کوزانڈر:۔ یہ دراصل Kirkoswald ہے۔ یہ ایک گاؤں اور کسانوں کا Market Town ہے۔ یہ گاؤں نچلے Eden میں واقع ہے۔ جسے Velley of

268 www.taemeernews.com

Cumbria یا Cumberland کہتے ہیں۔ یہ Penrith سے نو میل کے فاصلے پر ہے۔
(تصویر 27)

ص ۷۳، حوالہ ۱:۔ جبالٹر:۔ یہ دراصل Gibralter (جبل الطارق) ہے۔ اسپین کے جنوب میں بحیرۂ روم کے ساحل پر ایک چھوٹی سی برطانوی نوآبادی اور اہم بحری اور ہوائی اڈا، سطح سمندر پر بڑھی ہوئی ایک پہاڑی پر واقع ہے۔ ڈیڑھ میل لمبا رگستانی قطعہ اس پہاڑی کو اسپین سے ملاتا ہے۔ اس کے قریب ہی آبنائے جبل الطارق ہے، جو یورپ کو افریقہ سے جدا کرتی ہے۔ آبادی کا بیشتر حصہ برطانوی حکومت کا ملازم ہے۔ مقامی ضروریات کے لیے چند صنعتیں بھی ہیں۔ زراعت نہ ہونے کے برابر ہے۔

زمانۂ قدیم سے یہ پہاڑی اسپین کا حصہ رہی ہے۔ اس لیے اسپین اس پر اپنا حق جتاتا ہے ۷۱۱ء میں شمالی افریقہ کے عرب مسلمانوں نے طارق بن زیاد کی سرکردگی میں اسپین پر حملہ کیا تو سب سے پہلے یہی پہاڑی ان کے قبضے میں آئی اور طارق کے نام پر اس کا نام ''جبل الطارق'' رکھا گیا۔ اسپین میں مسلمانوں کی حکومت کے خاتمے کے بعد اس پر اسپین نے قبضہ کر لیا۔ لیکن ۱۳۳۳ء میں یہ پھر شاہ مراکش کے زیرِ نگیں آ گئی اور ۱۴۶۲ء تک سلطنتِ مراکش کا قبضہ رہا۔ بعد ازاں اس پر پھر اسپین کا قبضہ ہو گیا اور اس دفعہ ہسپانوی یہاں دو سو سال سے زیادہ عرصے تک جمے رہے۔

۱۷۰۴ء میں وائس ایڈمرل آف انگلینڈ سر جارج روک نے سہ روزہ جنگ کے بعد، ہسپانیوں کو یہاں سے مار بھگایا اور اس پر برطانیہ کا تسلط قائم ہو گیا۔ ۱۷۱۳ء میں ہسپانیہ نے ایک معاہدے کی رو سے جبل الطارق پر برطانیہ کا اور سسلی پر سیوائے کا اقتدار تسلیم کر لیا۔ ۱۳ ستمبر ۱۷۷۹ء کو ہسپانوی فوجوں نے جبل الطارق پر حملہ کر دیا اور تین سال سات ماہ اور بارہ دن اس کا محاصرہ کیے رکھا، لیکن برطانوی گورنر جنرل آگسٹس ایلیٹ کے کامیاب دفاع کے سبب ہسپانیہ کو اپنے مقصد میں ناکامی ہوئی۔

بعد ازاں ہسپانیہ نے ۱۹۶۵ء میں جبل الطارق کی جزوی ناکا بندی کر دی۔ ۱۹۶۷ء میں یہاں ریفرنڈم کروایا گیا۔ جس میں آبادی کی غالب اکثریت نے برطانوی اقتدار کے حق میں ووٹ دیے۔ اسی سال نئے آئین کا نفاذ ہوا۔ جس کی رو سے مقامی آبادی کو اندرونی معاملات میں خود مختاری دے دی گئی۔ ۱۹۶۸ء میں اقوامِ متحدہ نے برطانیہ کو ہدایت کی کہ وہ نوآبادی اسپین کے

www.taemeernews.com

حواشی

حوالے کردے۔ برطانیہ کے انکار پر اسپین نے اس کی مکمل ناکابندی کردی۔ (تصویر 28)

ص ۷۳، حوالہ ۲:۔ جزیرہ فال مت :۔ یہ دراصل Falmouth ہے۔ Falmouth انگلینڈ کا ایک اہم شہر اور بندرگاہ ہے۔ یہاں دریائے ''فال'' کا دہانہ (mouth) ہے اور اسی کی مناسبت سے اس شہر کا نام ''فال ماؤتھ'' ہے۔ یہ شہر اپنی قدرتی بندرگاہ کی وجہ سے شہرت رکھتا ہے۔ یہاں دنیا کی تیسری اور مغربی یوروپ کی سب سے گہری قدرتی بندرگاہ ہے۔ یہ جہازوں کی مرمت کا اہم مرکز ہے۔ (تصویر 29)

ص ۷۳، حوالہ ۳:۔ ویگو:۔ Vigo ویگو اسپین کا ایک مشہور شہر ہے۔ یہ صوبۂ Pontevedra میں واقع ہے۔ ویگو اسپین کی دارالسلطنت کے بعد سب سے بڑا شہر ہے۔ یہ شہر مچھلی کی صنعت، بندرگاہ اور ثقافتی حیثیت سے اہمیت کا حامل ہے۔ (تصویر 30)

ص ۷۴، حوالہ ۱:۔ لزبن:۔ (Lisbon) پرتگال کا دارالحکومت اور سب سے بڑا شہر، پرتگیزی زبان میں اسے لزدبا کہتے ہیں۔ دریائے ٹاگوس کے شمال میں بحرِ اوقیانوس سے نو میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ ایک آٹھ میل لمبی اور دو میل چوڑی نہر اسے سمندر سے ملاتی ہے۔ یہ شہر رومنوں کے زمانے میں آباد ہوا۔ مدّت تک عربوں کے زیرِ تصرف رہا۔ ۱۱۴۷ء میں الفانسو اوّل نے اسے دار السلطنت قرار دیا۔ کچھ عرصہ ہسپانیہ اور فرانس کے قبضے میں بھی رہا۔ ۱۷۵۵ء میں یہاں شدید زلزلہ آیا، جس سے بڑی تباہی ہوئی۔ یہ شہر اپنی قدرتی خوبصورتی اور بندرگاہ کے سبب بڑی شہرت رکھتا ہے۔ یہاں کئی تاریخی عمارتیں بھی ہیں اور اپنی یونیورسٹی، درسگاہوں اور فنی ترتیب کے مراکز کے باعث بھی مشہور ہے۔ (تصویر 31)

ص ۷۴، حوالہ ۲:۔ ٹیکس:۔ یہ دراصل Tagus ہے۔ پرتگیزی زبان میں اسے Tejo اور ہسپانوی میں tajo کہتے ہیں۔ یہ جزیرہ نمائے Lberian کا سب سے بڑا دریا ہے۔ جو اسپین اور پرتگال سے ہوکر بحرِ اوقیانوس میں گرتا ہے۔ اس کی لمبائی تقریباً ایک ہزار کلومیٹر ہے۔ اس دریا پر کئی اہم باندھ اور پینے کے پانی کی سپلائی کے مراکز ہیں۔ شہر لزبن کے قریب سمندر میں سمانے سے پہلے ایک اہم بندرگاہ بھی بناتا ہے۔ (تصویر 32)

ص ۷۵، حوالہ ۱:۔ شہر کندس :۔ یہ دراصل اندلس (Andalusia) ہے۔ اوقیانوس، آبنائے جبل الطارق اور بحیرۂ روم سے ملحق جنوبی ہسپانیہ کا بہت بڑا اور گنجان علاقہ، نہایت زرخیز خطّہ ہے۔ انگور اور دوسرے پھل بکثرت ہوتے ہیں، غلّے کی پیداوار بھی خاصی ہوتی ہے۔ لڑنے والے سانڈ

www.taemeernews.com

اور عمدہ نسل کے گھوڑے یہیں پائے جاتے ہیں صنعت وحرفت مقامی زرعی پیداوار پر منحصر ہے۔ معدنیات تانبہ، لوہا، جست اور سیسہ عام ملتا ہے۔

عرب مسلمانوں نے اپنے دور حکومت میں اس علاقے کو بڑی ترقی دی اور عالی شان عمارتیں بنوائیں۔ قرطبہ، غرناطہ اور الحمرا کے کھنڈر اپنے بنانے والوں کی عظمت اور شان وشوکت کے گواہ ہیں اور مقامی آبادی پر ابھی تک عرب اثر غالب ہے۔ اسلامی دور حکومت میں یہ تمام علاقہ جہاں اب اسپین کا ملک آباد ہے، اندلس کہلاتا تھا۔ (تصویر 33)

ص ۷۵، حوالہ ۲:۔ اسپانیوں:۔ کمبل پوش کی مراد Spaniards یعنی ہسپانوی سے ہے۔ (تحسین فراقی)

ص ۷۶، حوالہ ۱:۔ جبال ٹائر:۔ ممکن ہے ایسا ہی ہو لیکن عام تاثر یہی ہے کہ یہ جبل الطارق کا بگڑا یا بگاڑا ہوا نام ہے۔ (تحسین فراقی)

ص ۷۷، حوالہ ۱:۔ شہر اسپانیل:۔ کمبل پوش کی مراد ملکِ اسپین سے ہے۔ جنوب مغرب یوروپ کی ایک آئینی بادشاہت، جس میں جزیرہ نما آئبیریا کا بیشتر علاقہ شامل ہے۔ اس کے شمال میں خلیج بسکے، شمال مشرق میں فرانس اور انڈورا، مشرق اور جنوب میں بحیرۂ روم اور مغرب میں پرتگال اور بحرِ اوقیانوس ہے۔ اسپین کی تاریخ نہایت قدیم ہے۔ یہاں پر حجری دور کے سماج کے آثار ملے ہیں۔ ۷۱۱ء میں بربر فوج نے جو مور کہلاتے تھے۔ طارق کی سرکردگی میں اسپین پر حملہ کیا۔ آخری ہسپانوی بادشاہ کو شکست دی اور اسٹوریا اور باسک علاقوں کے علاوہ پورے اسپین پر قبضہ کرلیا۔ قرطبہ کو دارالخلافہ بنایا۔ ۷۵۶ء میں خاندانِ بنوامیہ کے ایک فرزند عبدالرحمٰن اوّل نے اس علاقے پر قبضہ کرنے کے بعد مور حکمراں کو ہٹا کر بنوامیہ کی مغربی خلافت قائم کی جو خلافتِ قرطبہ کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مسلم خلافت عبدالرحمٰن سوم کے دور میں اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ اسپین کے انتہائی شمال کے تھوڑے سے علاقے کے علاوہ پورا اسپین اس کے زیرِ نگیں آ گیا۔

بعد کے زمانے میں اسٹوریا اور نوارے کے علاقے میں عیسائی حکمرانوں نے اپنا اثر اور طاقت بڑھانا شروع کیا اور اسپین کے علاقے موروں سے واپس لینے لگے۔ گیارہویں صدی تک خاندانِ امیہ کی حکومت ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھی اور چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہو گئی تھیں۔ اسلامی حکمرانوں میں پھوٹ اور ریاست کی تقسیم سے فائدہ اٹھا کر عیسائی حکمراں الفانسو ہشتم نے ۱۲۱۲ء میں الموحد حکمراں کو شکستِ فاش دی اور اندلوسیہ کا پورا علاقہ ان سے چھین لیا۔ اسلامی حکومت

www.taemeernews.com

حواشی

کے اس پورے دور میں اسپین کو بے حد فائدہ پہنچا۔

ص ۷۸، حوالہ ۱:۔ مالٹا:۔ جمہوریہ مالٹا دولتِ مشترکہ کا ممبر ہے۔ اس میں جزائر مالٹا، گوزو اور کومینو شامل ہیں۔ جو بحیرۂ روم میں سسلی (صقلیہ) اور تیونیشیا کے درمیان واقع ہے۔ صدر مقام والٹیا ہے، زبان مالٹی اور انگریزی استعمال ہوتی ہے۔ مذہب عام طور پر رومن کیتھولک عیسائی ہے۔

مالٹا کو زمانۂ قدیم سے اہمیت حاصل رہی ہے۔ اس کا قدیم نام ملیٹا Malita تھا۔ بحیرۂ روم کی تمام بڑی سلطنتیں اس پر قابض رہیں۔ ۱۷۹۸ء میں اس پر نپولین نے قبضہ کیا اور جب انگریزوں کے ہاتھوں فرانسیسیوں کی ۱۸۰۰ء میں شکست ہوئی تو انگریزوں نے قدم جمائے اور یہ ان ہی کے قبضے میں مختلف حیثیتوں میں رہا۔ (تصویر 34)

ص ۷۸، حوالہ ۲:۔ شہر الجر:۔ الجیئر (الجزائر کا دارالحکومت) الجزائر (Algiria) افریقہ کے شمالی ساحل پر واقع ایک جمہوریہ۔ اس کی سرحدیں مراکش، ہسپانوی صحرا، ماریطانیہ، مالی، لیبیا اور تیونس سے ملتی ہیں، دارالحکومت اور سب سے بڑا شہر الجزیرہ۔ الجزیرہ (Algiers) الجزائر کا صدر مقام جو بحیرۂ روم کی اہم بندرگاہ ہے۔ اس شہر کو فونیشیا والوں نے آباد کیا تھا۔ دوسری جنگِ عظیم میں اتحادی فوجوں نے اس پر قبضہ کر کے یہاں اپنا فوجی ہیڈ کوارٹر قائم کیا۔ یہاں تیل صاف کرنے کے کارخانے، یونیورسٹی اور بہت بڑا ہوائی اڈا ہے۔ کمبل پوش کی مراد اسی شہر سے ہے۔ (تصویر 35)

ص ۷۸، حوالہ ۳:۔ ڈرزنا:۔ یہ دراصل Darnah ہے۔ یہ موجودہ لیبیا کا ایک تاریخی شہر ہے۔ عہدِ قدیم میں یہ صوبۂ Cyrenaica کا دارالخلافہ تھا۔ جو Barbary حکومت کا ایک مضبوط صوبہ تھا۔ ۱۸۰۵ء میں یہاں ایک جنگ ہوئی تھی جسے تاریخ میں Battle of Dernah کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اس جنگ میں انگریز لیبیا کے ریگستان میں ۵۰۰ کلومیٹر اندر گھس آئے تھے۔ (تصویر 36)

ص ۷۸، حوالہ ۴:۔ تونس:۔ یہ دراصل تیونس ہے۔ تیونس کا دارالحکومت اور بندرگاہ۔ مشہور تاریخی شہر کارتھیج اسی کے قریب بسایا گیا تھا۔ اس کے آثار موجودہ شہر کے شمال مشرق میں موجود ہیں۔ تیونس کا شہر سیاحوں کا مرکز ہے۔ یہاں قابلِ دید مساجد ہیں۔ یونیورسٹی اور قومی عجائب گھر بھی ہیں۔ کسی زمانے میں یہ بہت بڑا تجارتی شہر تھا۔ تیرہویں اور سولہویں صدی میں اسلامی حکومت کا صدر مقام رہا۔ ۱۵۳۴ء میں امیر الجر باربروسہ کی قیادت میں ترکوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔ ۱۸۸۱ء سے ۱۹۵۶ء تک اس پر فرانسسی قابض رہے۔ جنھوں نے یہاں مغربی طرز کی عمارتیں بنوائیں اور بندرگاہ کو ترقی دی۔

www.taemeernews.com

ص۷۸،حوالہ۵:۔ حبش:۔ ایتھوپیا (ابی سینیا) کا عربی نام۔ تقریباً ایک ہزار سال قبل مسیح جنوبی عرب کے دو قبیلے حبشات اور اقغریان، بحیرۂ احمر عبور کر کے موجودہ ایتھوپیا کے صوبے ارتریا میں جا کر آباد ہو گئے۔ مقامی باشندوں کے ساتھ ان کے اختلاط سے ایک نئی قوم وجود میں آئی، جسے حبشان کے نام سے موسوم کیا گیا۔ بعدازاں عرب اس تمام علاقے کو، جو اب ایتھوپیا میں شامل ہے حبشہ کہنے لگے۔

ص۷۸،حوالہ۶:۔ اٹلی:۔ جنوبی یورپ کی ایک جمہوریہ۔ اس میں جزیرہ نما اپی نائن، جزائر سسلی اور سارڈینیا اور متعدد چھوٹے چھوٹے جزیرے شامل ہیں۔ شمال میں اس کی سرحدیں فرانس، سوئٹزر لینڈ، آسٹریا اور یوگوسلاویہ (قدیم) سے ملتی ہیں۔ مغرب، جنوب اور مشرق میں بحیرۂ روم کی تین شاخیں ہیں۔

تقریباً ۵۰۰ ق م سلطنتِ روم کو عروج حاصل ہوا۔ پانچویں صدی عیسوی میں اسے زوال ہوا اور یہ عظیم سلطنت کئی حصّوں میں بٹ گئی۔ یورپ میں نشاۃ الثانیہ کی تحریک کے بعد اٹلی کا زیادہ تر حصّہ جو متعدد سلطنتوں اور چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں منقسم تھا۔ غیر ملکی قبضے میں چلا گیا۔ ۱۸۱۵ء میں نپولین سلطنت کے سقوط کے بعد اطالوی جزیرہ نما کی ریاستوں وینس اور لمبارڈی پر آسٹریا کا قبضہ ہو گیا۔ ۴۹-۱۸۴۸ء میں اٹلی کو متحد کرنے کی تحریک شروع ہوئی۔ ۱۸۵۹ء میں سارڈینیا کی سلطنت نے آسٹریا کی فوجوں کو شکست دی۔ ۷۰-۱۸۶۰ء اٹلی کے اتحاد کی تحریک نے، جس کے ممتاز رہنما گیری بالڈی وغیرہ تھے، نے زور پکڑا اور متعدد اطالوی ریاستوں نے سارڈینیا میں شمولیت کا علان کر دیا۔ سلطنت سسلی بھی شکست کھانے کے بعد سارڈینیا میں ضم ہو گئی۔ ۱۸۶۱ء میں شاہ وکٹر امانویل کے زیرِ نگیں سلطنتِ اٹلی وجود میں آئی۔ ۱۸۴۰ء میں پوپ کے زیرِ تسلط علاقوں کی شمولیت کے بعد اٹلی کا اتحاد مکمل ہو گیا۔

ص۷۸،حوالہ۷:۔ اٹنا:۔ یہ دراصل Mount Etna ہے۔ ماؤنٹ اینٹا ایک زندہ آتش فشاں پہاڑ ہے۔ سسلی کے مشرقی ساحلی علاقے میں واقع یہ پہاڑ اکثر لاوا اُگلتا رہتا ہے۔ یہ یورپ کا سب سے بڑا آتش فشانی پہاڑ ہے۔ اس کی اونچائی ۳۳۲۹ میٹر ہے۔ اس کے لاوا اگلنے کی تاریخ تقریباً پچاس لاکھ سال پُرانی ہے۔ (تصویر 37)

ص۷۹،حوالہ۱:۔ اسکندریہ:۔ (Alexandria) شمالی مصر کا ایک شہر اور بندرگاہ۔ اس شہر کی بنیاد ۳۳۲ ق م میں سکندرِ اعظم نے رکھی اور اسی کے نام پر مشہور ہوا۔ زمانۂ قدیم میں علم و فن کا مرکز تھا۔ ۴۷ ق

www.taemeernews.com

حواشی

م میں اس پر جولیس سیزر نے قبضہ کرلیا اور رومیوں نے شہر کی عظیم الشان لائبریری کو آگ لگادی۔ ۶۴۲ء میں اس پر عربوں نے قبضہ کرلیا تو اس کی آبادی تین لاکھ کے قریب تھی۔ ۱۷۹۸ء میں یہ شہر نپولین کے زیرِ تسلط آگیا لیکن ۱۸۰۱ء میں انگریزوں نے فرانسیسیوں کو مار بھگایا۔ نہرِ سوئز کے بن جانے سے شہر کی تجارتی اور بین الاقوامی حیثیت بہت بڑھ گئی۔ (تصویر 38)

ص ۸۱، حوالہ ۱:۔ محمد علی:۔ محمد علی پاشا (۱۸۴۹ء-۱۷۶۹ء):۔ سلطنتِ عثمانیہ میں مصر کا گورنر اور اس خاندان کا بانی جس نے مصر پر ۱۹ ویں صدی کے شروع سے بیسویں صدی کے وسط تک حکومت کی۔ وہ ۱۷۶۹ء میں کوالہ (مقدونیہ کی ایک چھوٹی بندرگاہ) میں پیدا ہوا۔ وہاں اس کا باپ ابراہیم آغا کوالہ کے گورنر کے چھوٹے سے فوجی دستے کا کمانڈر تھا۔ محمد علی ابھی چھوٹا ہی تھا کہ اس کے باپ کا انتقال ہوگیا اور اس کی پرورش کی ذمہ داری گورنر نے اٹھالی اور جب وہ اٹھارہ سال کا ہوا تو گورنر کی ایک عزیز سے اس کی شادی ہوگئی۔ اس کے بعد اس نے اور بھی شادیاں کیں۔ محمد علی کے کل ۹۵ لڑکے اور لڑکیاں تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ نسلی طور پر وہ البانوی تھا۔

۱۷۹۸ء میں جب مصر سلطنتِ عثمانیہ کا ایک نیم خودمختار صوبہ تھا تو نپولین کی فوجوں نے حملہ کیا اور اس پر قبضہ کرلیا۔ سلطان ترکی نے اس کے خلاف ایک فوج روانہ کی اس میں نوجوان محمد علی بھی تھا۔ ۱۸۰۱ء تک فرانسیسی مصر سے واپس چلے گئے اور ۱۸۰۵ء میں محمد علی مصر میں سلطان کا نائب یا والی بنادیا گیا۔ فرانسیسیوں کا مصر پر تین سال قبضہ رہا۔ محمد علی نے پرانی مملوک سلطنت کا بالکل خاتمہ کردیا۔

محمد علی کی حکومت کا آخری دور پرسکون تھا۔ ۱۸۴۸ء میں وہ حکومت سے الگ ہوگیا اور ۲ اگست ۱۸۴۹ء کو اسکندریہ میں اس کا انتقال ہوگیا۔ (تصویر 39)

ص ۸۷، حوالہ ۱:۔ مصر:۔ مصر سے مراد قاہرہ Cairo (شہر) ہے۔ شمالی مصر میں دریائے نیل کے ڈیلٹا کے سرے پر جمہوریہ مصر کا دارالحکومت۔ براعظم افریقہ کا بہت بڑا شہر ہے۔ کسی زمانے میں اس کے قریب ہی رومیوں کا قلعہ تھا۔

۹۲۹ء میں فاطمی جرنیل جراہر العقلی نے اس شہر کی بنیاد رکھی۔ اس کا نام القاہرہ اس لیے رکھا گیا کہ اس شہر کی تعمیر شروع ہوئی تو سیارہ مریخ جسے ''قاہر الفلک'' بھی کہا جاتا تھا، آسمان پر چمک رہا تھا۔ اہل وینس نے قاہرہ کو بگاڑ کر قائرہ کردیا۔ اس کے بعد اہلِ مغرب بھی اسے اسی نام سے پکارنے لگے۔

یہ شہر اپنی پرانی تہذیب کے لیے بڑی شہرت رکھتا ہے۔ اس کی بیرونی وادیوں میں ابو الہول کا مجسمہ ہے۔ اسکندریہ کی بندرگاہ یہاں سے ۱۲۰ میل کے فاصلے پر ہے۔ یہاں کی قدیم و جدید عمارتیں قابل دید ہیں۔

اس شہر نے زمانے کے کئی انقلاب دیکھے۔ اسلامی دور میں اس نے بڑی ترقی کی۔ بارہویں صدی میں صلیبیوں نے اس پر ایک ناکام حملہ کیا۔ ۱۱۷۹ء میں سلطان صلاح الدین نے یہاں ایک قلعہ تعمیر کرایا۔ تین سال تک اس شہر پر نپولین کا قبضہ رہا۔ ۱۸۸۲ء سے ۱۹۳۶ء تک اس پر انگریزوں کا قبضہ رہا۔ (تصویر 40)

ص ۹۰، حوالہ ۱:۔ مملوك:۔ تیرہویں صدی عیسوی میں ترکی غلاموں کا ایک جتھا بطور محافظ فوج کے سلاطین مصر کی ملازمت میں تھا۔ بعد میں یہی لوگ مملوک کہلائے۔ ہوتے ہوتے ان کا زور اتنا بڑھ گیا کہ ۱۲۵۰ء میں انہوں نے تخت پر قبضہ کر کے خود اپنا بادشاہ مقرر کر دیا۔ چنانچہ یہ مملوک حکمراں ۱۵۱۷ء تک مصر پر حکمراں رہے۔ جب ترکوں نے مصر پر قبضہ کر لیا تو مملوک حکمراں ترکی سلطنت کے ملازم شمار ہونے لگے۔ جب نپولین نے مصر فتح کیا تو یہ لوگ پھر برسرِ اقتدار آ گئے اور کچھ مدت حکومت کرتے رہے۔ لیکن ۱۸۱۱ء میں محمد علی پاشا نے ان سب کو قاہرہ کے قلعے میں موت کے گھاٹ اتار دیا۔

ص ۹۰، حوالہ ۲:۔ مملوك كا خاتمه:۔ پہلی مارچ ۱۸۱۱ء کے دن محمد علی نے اپنے سیاسی مخالفین مملوک قوم کو اپنے محل میں وہابیوں کے خلاف جنگ چھیڑنے کے اعلان کے بہانے یکجا کیا۔ تقریباً چھ سات سو مملوک موجود تھے۔ ان سب کو دھوکے سے قتل کرا دیا۔ روایت ہے کہ ان تمام لوگوں میں سے ایک مملوک اپنی بہادری کی وجہ سے زندہ بچ سکا۔ اس نے اپنے گھوڑے کو قلعے کی دیوار سے نیچے گرا دیا اور یوں اپنی جان بچالی۔ اس کے بعد تقریباً تمام مصر میں مملوکوں کا قتلِ عام کیا گیا۔ تقریباً تین ہزار مملوک اس قتلِ عام میں مارے گئے اور باقی ماندہ مملوکوں نے سوڈان بھاگ کر اپنی جان بچائی۔

ص ۹۱، حوالہ ۱:۔ محمد علی پاشا کی سلطنت تو خاک میں نہ ملی البتہ ۴۰-۱۸۳۹ء کے معروف بحران نے اسے بے حد پریشان رکھا، جس سے اس کی طبیعت بے حد چڑچڑی ہوگئی اور شدید ذہنی کرب کے بعد بالآخر اس کا ۲ اگست ۱۸۴۹ء کو اسکندریہ میں انتقال ہوگیا۔ (تحسین فراقی)

ص ۹۳، حوالہ ۱:۔ فرعون:۔ قدیم مصری بادشاہوں کا لقب، فرعون عبرانی لفظ 'فارو' کا معرب ہے اور فارو

www.taemeernews.com

حواشی

مصری لفظ فرا (بمعنی سورج دیوتا) کا بگاڑ ہے تاریخی شواہد کی بنا پر مصر کے پہلے فرعون کا نام سن فیرو تھا۔ فراعنہ میں چیوپس، ففرا، نیکورا، پیپی دوم (جس نے ۹۴ سال حکومت کی) ہتشیسٹ (خاتون) سیتی اول اور رامسس نے تاریخ میں اپنے ان مٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ علمائے مصریات کی تحقیق کے مطابق سیتی اول کے عہد میں بنی اسرائیل پر مصائب کا سلسلہ شروع ہوا اور رامسس دوم کے دورِ حکومت میں مصر سے یہودیوں کا اخراج ہوا۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ تخت نشین ہوتے ہی اپنا مقبرہ بنوانا شروع کر دیتے تھے۔ جو عام طور پر مخروطی ہوتا تھا۔ غزہ (مصر) کے مقام پر فوفو، ففرا اور مینکورا کے اہرام دنیا کے سات عجائبات میں شمار ہوتے ہیں۔

ص ۹۳، حوالہ ۲:۔ دریائے نیل:۔ برِ اعظیم افریقہ کا سب سے بڑا دریا ہے۔ اس کا منبع دریائے کاگیرا کی شاخ لوی رونزو ہے۔ یہ جنوب مغرب کی طرف بہتا ہوا جھیل وکٹوریہ میں جا شامل ہوتا ہے اور آخر کار بحیرۂ روم میں گر جاتا ہے۔ اس کی لمبائی چار ہزار دو سو میل ہے۔ یہ گیارہ لاکھ مربع میل رقبے کو سیراب کرتا ہے۔ جھیل وکٹوریہ کے بعد دریائے نیل کی گزرگاہ کا اکثر حصہ پہاڑی ہے اس لیے جھیل البرٹ تک پہنچتے پہنچتے راستے میں کئی آبشاریں بن جاتی ہیں۔ جھیل البرٹ کے بعد کی گزرگاہ میدانی ہے۔ یہاں دریا پھیل جاتا ہے اور کئی جھیلیں بناتا ہے۔ جھیل نو کے قریب یہ بحرالغزل سے مل جاتا ہے اور یہاں سے لے کر سوڈان کے دارالحکومت خرطوم تک اسے سفید نیل کے نام سے پکارتے ہیں۔ خرطوم کے قریب نیل ارزق جو حبشہ کے سطوع مرتفع سے نکلتا ہے، اس میں شامل ہو جاتا ہے۔ خرطوم سے دو سو میل نیچے کالا نیل بھی اس سے آملتا ہے۔ وادیٔ حیفہ سے یہ دریا مصر میں داخل ہوتا ہے۔ نیل میں تقریباً ایک ہزار میل تک جہاز رانی ہو سکتی ہے۔ نیل کا ڈیلٹا تقریباً ایک سو میل چوڑا ہے۔ جو بہت زرخیز ہے۔ مصر اور ملحقہ علاقوں کی پیداوار اور خوش حالی کا دارومدار نیل پر ہے۔ (تصویر 41)

ص ۹۳، حوالہ ۳:۔ تین کنگرے رکھتا:۔ دریائے نیل کے پار غزہ کے میدان میں مصر کے عظیم الشان اہرام موجود ہیں۔ کمبل پوش ان ہی اہراموں میں سے ایک کا ذکر کر رہا ہے۔ یہ اہرام پہاڑ سے بلند اور اونچے ہیں اور ایک طرف سے دیکھنے پر ان کے تین کنگرے ہونے کا گمان ہوتا ہے، جیسا کہ کمبل پوش بیان کرتا ہے۔ حالانکہ ان کی بناوٹ pyramid کی ہے اور اسی بناوٹ کی مناسبت سے یہ Pyramids کہلاتے ہیں۔ اہرامِ مصر کا شمار انسان کی بنائی ہوئی عظیم تعمیرات میں ہوتا ہے۔ یہ اہرام زمانۂ قدیم کی مصری تہذیب کے سب سے پرشکوہ اور لافانی یادگار ہیں۔ ماہرینِ

276 www.taemeernews.com

آثارِ قدیمہ میں یہ اتفاق پایا جاتا ہے کہ ان اہرام کی تعمیر کا مقصد فراعین مصر اور شاہی خاندان سے تعلق رکھنے والے دیگر افراد کا مدفن ہے۔ اہرامِ مصر میں غزہ کا عظیم اہرام دنیا کے سات عجائبات میں سے واحد عجوبہ ہے جو کہ ابھی تک اپنی اصل حالت میں موجود ہے۔ افسوس کہ وقت کی کمی کے باعث کمبل پوش اس عمارت کی سیر نہ کر سکا۔

ص ۹۵، حوالہ ۱:۔ سوئیس:۔ یہ دراصل سوئز (Suez) ہے۔ یہ مصر کے شمال مشرق میں واقع ایک ساحلی شہر ہے۔ یہ خلیج سوئز کے مغربی ساحل پر واقع ہے۔ اس شہر میں دو بڑی بندرگاہیں ہیں۔ ایک بندرگاہِ ابراہیم اور دوسری، بندرگاہِ توفیق۔ یہ شہر مصر کے زائرین حج کے لیے اہم راستے کی حیثیت رکھتا ہے۔ نہرِ سوئز ۱۸۶۹ء میں بنی اور جہازوں کی آمدورفت کے لیے کھولی گئی۔ کمبل پوش کے زمانے میں یہ نہر وجود میں نہ آئی تھی۔

ص ۹۵، حوالہ ۲:۔ سرِ مبارک آنحضرت کا دفن ہوا:۔ یہ دراصل ایک مسجد ہے جو مسجد امام حسین کے نام سے مشہور ہے۔ یہ مسجد بہت عالیشان ہے اور سنگِ مرمر کے ستونوں پر کھڑی ہے۔ اس کے محراب و منبر بہت خوبصورت ہیں۔ مسجد کے اندر ایک قبہ ہے اس کے گرد ایک جالی لگی ہوئی ہے۔ روایت ہے کہ اس مقام پر حضرت امام حسین کا سرِ مبارک دفن ہے۔ علاوہ ازیں سرِ مبارک کے تعلق سے تاریخِ اسلام میں مختلف اور متضاد روایتیں مشہور ہیں۔ بعض علما و محققین کے مطابق سرِ مبارک دمشق کی جامع مسجد میں دفن ہوا۔ چنانچہ یہ مرقدِ راسِ امام اب بھی وہاں موجود ہے۔ بعض کے نزدیک امام حسین کا سرِ مبارک مدینۂ منورہ لے جا کر دفن کیا گیا، بعض کے نزدیک سرِ مبارک عسقلان میں دفن ہوا اور بعض کہتے ہیں کہ اسے کربلا میں جسدِ امام کے ساتھ دفن کیا گیا۔ واللہ اعلم بالصواب

ص ۹۶، حوالہ ۱:۔ ہارون رشید:۔ ہارون رشید (پیدائش ۷۶۳ء، انتقال ۸۰۹ء) پانچویں اور مشہور ترین عباسی خلیفہ تھے۔ وہ ۷۸۶ء سے ۲۴ مارچ ۸۰۹ء تک مسندِ خلافت پر فائز رہے۔ ان کا دور سائنسی اور مذہبی رواداری کا دور کہلاتا ہے۔ ان کے دورِ حکومت میں فن و حرفت اور موسیقی نے بھی فروغ حاصل کیا۔ اس کی انصاف پسندی اور ہر دل عزیزی کو الف لیلیٰ کی کہانیوں نے ضرب المثل بنا دیا ہے۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر ۲۲ سال کی تھی وہ خود بڑا عالم اور علم دوست تھا۔ امام مالک، امام شافعی، امام محمد، اور امام موسیٰ کاظم اس دور کے نامور علما میں سے تھے۔ ان کے علاوہ علم ہندسہ، ہیئت، نجوم اور فلسفہ کے ماہرین بھی بکثرت موجود تھے۔ ۸۰۹ء میں انہیں طوس (مشہد،

www.taemeernews.com

حواشی

ایران) میں دفن کیا گیا۔

ص۹۷،حوالہ۱:۔بیر موسیٰ :۔قاہرہ سے دوسو کلومیٹر دور جنوبی سینا کے علاقے میں کوہِ طور سے نزدیک ایک مشہور کنواں جو حضرت موسیٰ کے نام سے منسوب ہے۔

ص۹۷،حوالہ۲:۔قومِ گریك:۔یونانی

ص۱۰۱،حوالہ۱:۔طور:۔طور مصر کا ایک چھوٹا سا بندرگاہ ہے اور ساحل پر جو پہاڑی سلسلہ ہے اس کی ایک چوٹی کا نام بھی طور ہے۔کہتے ہیں کہ یہی وہ پہاڑ ہے جس پر حضرت موسیٰ کو تجلّی دکھائی دی تھی اور وہ دیدارِ الٰہی کی تاب نہ لاکر بے ہوش ہو گئے تھے اور پہاڑ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا تھا اور وہ جب ہوش میں آئے تھے تو ان پر احکامِ شرعی نازل ہوئے تھے۔

ص۱۰۲،حوالہ۱:۔وادیٔ ایمن :۔وہ وادی جو کوہِ طور کے دائیں جانب واقع ہے،ایک مشہور صحرا کا نام جہاں حضرت موسیٰ اپنی بیوی کے ساتھ جایا کرتے تھے۔

ص۱۰۶،حوالہ۱:۔ہال رائے صاحب:۔Dr.Holroyd،یہ وہی ڈاکٹر ہالرائیڈ ہے جس کا ذکر ہنری ڈاڈویل نے محمد علی پاشا پر اپنی کتاب The Founder of Modern Egypt میں کیا ہے۔(تحسین فراقی)

ص۱۱۴،حوالہ۱:۔مخے :۔یہ دراصل 'المخا' Mokha یا Mocha ہے۔عہدِ جدید میں یہ موچا کے نام سے مشہور ہے یہ یمن کا ایک ساحلی بندرگاہ اور ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔یہ بحیرۂ احمر کے کنارے آباد ہے۔المخا یا موچا پندرہویں صدی سے سترہویں صدی کے دوران کافی کی ایک بڑی مارکیٹ کی حیثیت رکھتا تھا۔یہاں کے Coffee beans ساری دنیا میں اپنے چاکلیٹی مزے کے لیے جانے جاتے ہیں۔(تصویر42)

ص۱۱۵،حوالہ۱:۔مکلا:۔یہ دراصل Al Mukalla ہے۔یہ یمن کے جنوب میں خلیجِ عدن میں واقع Hadramaut ساحلی علاقے کا دارالحکومت ہے۔عہدِ قدیم میں یہ عرب ساحلی شہر ہندوستان اور افریقہ کے درمیان تجارتی رابطے کی حیثیت رکھتا تھا۔ (تصویر43)

ص۱۱۵،حوالہ۲:۔ملكِ سلون :۔سلون موجودہ سری لنکا کا پرانا نام ہے۔ہندوستان کے جنوب مشرق میں،بحرِ ہند کا ایک جزیرہ۔اس کے شمال میں آبنائے پالک،مشرق میں خلیجِ بنگال،جنوب میں بحرِ ہند اور مغرب میں خلیجِ منار ہے۔دارالحکومت اور سب سے بڑا شہر کولمبو ہے۔زبان سنہالی،تمل ،انگریزی،مذہب بودھ،ہندو،عیسائی اور مسلم۔

278 www.taemeernews.com

یونانی اس جزیرے کو تاپورتانے کہتے تھے۔ عربوں نے اسے سراندیپ کا نام دیا اور انگریزوں نے اس کو سیلون کے نام سے موسوم کیا۔ لیکن یہاں کے باشندے اسے لنکا ہی کہتے ہیں۔ سری لنکا کے اصل باشندوں کے حالات پردۂ اخفا میں ہیں۔ سنہالی قبائیلی، جن کی ملک میں اکثریت ہے، چھٹی صدی قبل مسیح میں شمالی ہند سے نقلِ وطن کر کے یہاں وارد ہوئے اور انہوں نے یہاں ایک چھوٹی سی سلطنت قائم کی، جس کا دار الحکومت انوراد ھا پورہ تھا۔ تیسری صدی قبل مسیح میں سنہالیوں کے بدھ مت قبول کرنے کے بعد یہ مقام بدھ مت کا گڑھ بن گیا۔ بعد کی صدیوں میں جنوبی ہند کے لوگوں نے جن کی اکثریت تمل بولنے والوں کی تھی، حملہ کر کے سنہالی باشندوں کو جزیرے کے جنوب مغربی حصے میں دھکیل دیا۔ باہویں صدی میں یہاں عرب تاجر آئے اور انہوں نے اسے سراندیپ کا نام دیا۔ سولہویں صدی میں جزیرے کے ساحلی علاقوں پر پرتگالیوں نے قبضہ کر لیا۔ سترہویں صدی کے وسط میں ولندیزیوں (ڈچ) نے پرتگالیوں سے یہ علاقے چھین لیے۔ ۱۷۹۵ء میں انگریزوں نے ولندیزیوں کو نکال باہر کیا۔ ۱۸۰۱ء، میں سری لنکا انگریزوں کی کالونی بن گیا اور انہوں نے اس کا نام سیلون رکھا۔ ۱۸۱۵ء میں تمام جزیرہ سلطنتِ برطانیہ کے زیرِ نگیں آ گیا اور ۴ فروری ۱۹۴۸ء کو اسے دولتِ مشترکہ میں درجۂ نوآبادیات دیا گیا اور یہ عملاً آزاد ہو گیا۔

ص ۱۱۵، حوالہ ۳:۔ راون کا پل:۔ تاریخ میں یہ پل مختلف ناموں سے جانا جاتا ہے۔ اس کا سب سے قدیمی نام Adams Bridge ہے۔ روایت اور عقیدہ ہے کہ حضرت آدم جنت سے یہیں اتارے گئے تھے اور انہوں نے اس پل کی تعمیر کی تھی۔ رامائن کے زمانے میں اسے رام سیتو کا نام دیا گیا، کمبل پوش نے اسے راون کا پل لکھا ہے۔

ص ۱۱۶، حوالہ ۱:۔ بمبئی:۔ صوبۂ مہاراشٹر کا صدر مقام، اہم بندرگاہ اور ہندوستان کا ایک بڑا شہر۔ یہ شہر بحیرۂ عرب کے کنارے آباد ہے۔ یہ شہر تیرہویں صدی عیسوی میں آباد ہوا۔ ۱۵۳۴ء میں گجرات کے سلطان نے پرتگالیوں کو دے دیا۔ ۱۶۶۲ء میں پرتگالی شہزادی کیتھرین آف برگنزا کی شادی شاہِ انگلستان چارلس دوم سے ہوئی تو یہ شہر انگریزوں کو جہیز میں ملا۔ ۱۶۶۸ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے اسے اپنا ہیڈ کوارٹر بنایا۔ ۱۸۶۹ء میں نہر سوئز کھلنے سے شہری بندرگاہ نے بہت ترقی کی۔ (تصویر 44)

ص ۱۱۸، حوالہ ۱:۔ جزیرۂ الف انٹا:۔ یہ دراصل Elephenta Island ہے۔ جزیرۂ ایلی فینٹا بمبئی

www.taemeernews.com

حواشی

کی بندرگاہ میں واقع چند جزیروں میں سے ایک ہے۔اسے ''غارہ پوری'' بھی کہتے ہیں۔(کمبل پوش نے گورہ پوری لکھا ہے۔)، غارہ، ''غار'' سے بنالیا ہے، جس کے معنی گپھا یا cave کے ہیں۔ یہ جزیرہ اپنے غاروں کی وجہ سے مشہور ہے اور بمبئی سے تقریباً ۱۰ کلومیٹر دور سمندر میں جنوب مشرق ساحل کی جانب ہے۔گیٹ وے آف انڈیا کے مدِ مقابل یہ جزیرہ شیو جی کے مندروں کی وجہ سے مشہور ہے یہ مندران غاروں میں ہیں جو یہاں قدرتی طور پر موجود ہیں۔سترہویں صدی میں پرتگالیوں نے اس جزیرہ کا نام Elephanta Island رکھا کہ جب انہوں نے ایک پہاڑ سے تراشا ہوا ہاتھی دیکھا۔

یہ جزیرہ ۶ مربع میل میں پھیلا ہوا ہے اور یہاں تین گاؤں آباد ہیں۔یہاں شیو جی کا تین سروں والا مجسمہ بھی ہے۔(تصویر 45)

ص ۱۱۹، حوالہ ۱:۔ Pimpoli۔

ص ۱۱۹، حوالہ ۲:۔ Wadgaon۔

ص ۱۱۹، حوالہ ۳:۔ پونا:۔ مہاراشٹر کا ایک بڑا شہر۔یہاں سترہویں اور اٹھارویں صدی کے کئی محل اور مندر ہیں۔اس زمانے میں یہ مرہٹوں کا دارالحکومت تھا۔

ص ۱۲۲، حوالہ ۱:۔ Dadegaon۔

ص ۱۲۲، حوالہ ۲:۔ اورنگ آباد:۔ سابق ریاست حیدرآباد (دولتِ آصفیہ) کا مشہور شہر جو ریاست کے شمالی صوبے کا صدر مقام تھا۔اس مقام کا نام ابتدا میں کھڑکی تھا۔جب اورنگ زیب، شاہجہاں کی طرف سے دکن کا صوبے دار مقرر کیا گیا تو کھڑکی کی جگہ نیا شہر آباد ہوا اور اس شہر کا نام شہزادے کے نام پر اورنگ آباد رکھا گیا۔آب و ہوا کے اعتبار سے اورنگ آباد بہت خوشگوار مقام ہے۔سقوطِ ریاست کے بعد اسے مہاراشٹر کا حصہ بنادیا گیا۔اورنگ آباد صنعتوں کا مرکز رہا ہے۔ خصوصاً یہاں کا اعلیٰ درجے کا زربفت اور کمخواب بہت مشہور ہے۔(تصویر 46)

ص ۱۲۳، حوالہ ۱:۔ دولت آباد:۔ حیدرآباد ریاست کے شمال مشرق میں اورنگ آباد کے قریب ایک اہم تاریخی مقام، جس کی بنیاد سلطان محمد بن تغلق نے رکھی تھی اور اسے اپنی سلطنت کا جنوبی مرکز بنانا چاہا تھا۔یہاں ایک مخروطی ٹیلے پر (بلندی ۵۰۰ فٹ) تیرہویں صدی کا بنا ہوا قلعہ، نیز چاند مینار (تعمیر ۱۲۹۴ء) جنوبی ہند میں اسلامی فنِ تعمیر کے دو نہایت عمدہ نمونے ہیں۔(تصویر 47)

ص ۱۲۳، حوالہ ۲:۔ مزار ولیوں کامل کا تھا:۔ کمبل پوش کی مراد دولت آباد کے نزدیک ایک

280 www.taemeernews.com

چھوٹے سے شہر ''خلد آباد'' سے ہے۔ یہ شہر اورنگ آباد ضلع میں ہے۔ ابتدا سے ''روضہ'' سے نام سے جانا جاتا تھا۔ روضہ یعنی جنت کا باغ، چونکہ یہاں بڑی تعداد میں صوفیاء اکرام کے مزارات ہیں۔ یہ صوفیاء اکرام محمد بن تغلق کے زمانے میں دلی سے یہاں تشریف لائے اور اس قصبہ کو اپنی آرام گاہ بنایا۔ ان صوفیاء اکرام میں حضرت زرزری زربخش، شیخ برہان الدین غریب چشتی اور زین الدین شیرازی کے اسما بطور خاص اہمیت کے حامل ہیں، نیز مغل فرماں روا اورنگ زیب کی آخری آرام گاہ بھی یہیں ہے۔ علاوہ ازیں قمر الدین خاں آصف جاہ اول، ریاست حیدرآباد کے پہلے نظام کا مزار بھی اسی خلد آباد میں ہے۔ اسے عرف عام میں ''صوفیوں کی وادی'' بھی کہا جاتا ہے۔ اورنگ زیب کے انتقال کے بعد اُس کا لقب ''خلد مکاں'' ہوا اور اسی رعایت سے روضہ، خلد آباد کے نام سے موسوم کیا گیا۔

ص۱۲۴، حوالہ۱:۔ انڈا شترمرغ کا لٹکتا:۔ تحسین فراقی نے حواشی میں تحریر کیا ہے کہ یہ روضۂ مبارک سید زین العابدین کا بھی ہوسکتا ہے اور شیخ برہان الدین اولیاء کا بھی۔ دونوں کی قبروں پر شترمرغ کے انڈے لٹکتے تھے۔ اس کا ذکر عبدالغفار خان نے بھی اپنے سفرنامے میں کیا ہے۔ ملاحظہ ہو ''ایک نادر سفرنامہ'' (مرتبہ ڈاکٹر معین الدین عقیل ص ۴۴۔۴۶) دراصل ان دونوں بزرگوں کے علاوہ دیگر آستانوں پر بھی شترمرغ کے انڈے لٹکانے کی روایت موجود ہے۔ چونکہ کمبل پوش اس وقت خلد آباد میں موجود ہے لہٰذا اس نے یہ انڈے مذکورہ بزرگانِ دین کے مزارات پر ہی دیکھے ہوں گے۔ راقم الحروف نے سید زین الدین شیرازی کے مزار پر شترمرغ کے انڈوں کو لٹکے ہوئے دیکھا ہے۔ یہاں قارئین کی دلچسپی کے لیے ان انڈوں اور مزارِ مبارک کی تصویر پیش کی جاتی ہے۔ (تصویر48)

ص۱۲۴، حوالہ۲:۔ اورنگ زیب کے مقبرے پر گیا:۔ محی الدین اورنگ زیب عالم گیر مغلیہ خاندان کا چھٹا بادشاہ ۱۵؍ذی قعدہ ۱۰۲۷ھ مطابق ۲۴؍اکتوبر ۱۶۱۸ء کو ممتاز محل کے بطن سے پیدا ہوا۔ ''آفتابِ عالمتاب'' تاریخِ ولادت ہے۔ یکم ذی قعدہ ۱۰۶۸ھ مطابق ۲۱؍جولائی ۱۶۵۸ء جمعہ کے دن باقاعدہ تخت نشینی کی رسم ادا ہوئی۔ جمعہ ۲۸؍ذی قعدہ ۱۱۱۸ھ مطابق ۲۱؍فروری ۱۷۰۷ء کو ۹۱ سال کی عمر میں تقریباً ۵۰ سال تک حکومت کر کے احمد نگر میں وفات پائی۔ میت وہاں سے لاکر خلد آباد میں حضرت شیخ زین الدین شیرازی کے پائیں دفن کی گئی۔ (تصویر49)

www.taemeernews.com

حواشی

ص۱۲۵،حوالہ۱:۔مقبرہ زیب النساء دخترِ عالم گیر کا تھا:۔ کمبل پوش سے یہاں ایک تاریخی غلطی سرزد ہوگئی ہے۔زیب النساء دختر اورنگ زیب کا انتقال ۱۷۰۱ء میں بمقام شاہجہاں آباد (پرانی دلّی) میں ہوا اور یہیں تدفین بھی ہوئی۔ بعدازاں اس کا مزار سکندرا، اگرہ منتقل کر دیا گیا۔ ایک دیگر روایت کے مطابق دلّی کی مشہور مسجد ''زینت المساجد'' واقع دریا گنج، جواب گھٹا مسجد کے نام سے مشہور ہے، اس مسجد کے شمالی حصہ میں زیب النساء بیگم کا مقبرہ ہے چنانچہ خلد آباد میں زیب النساء کے مدفون ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ وہاں بنی بیگم کے نام سے ایک وسیع باغ موجود ہے۔ بقول مصنف ''روضۃ الاقطاب''۔۔۔ ''وسط باغ میں جہاں بانو بیگم المشہور بہ بنی بیگم شہزادہ محمد بیدار بخت فرزندِ کلاں شہزادہ اعظم شاہ کی بیوی کی قبر ہے۔'' (روضۃ الاقطاب از رونق علی لکھنوی ص ۲۶) کمبل پوش نے مقبرے کی جو تفاصیل رقم کی ہیں وہ ہو بہو بنی بیگم کے باغ کی ہیں۔ (تصویر 50)

ص۱۲۵،حوالہ۲:۔حاکم حیدر آباد:۔ مراد ناصر الدولہ سے ہے جو ۱۸۲۹ء میں مسند آرا ہوئے اور ۱۸۵۷ء میں انتقال ہوا۔

ص۱۲۶،حوالہ۱:۔دیوتاؤں کا تراشا تھا:۔ کمبل پوش کی مراد ایلورا کے مشہور غاروں سے ہے۔ جنوبی ہند کے مصنوعی غار، جو قدیم زمانے کے کاریگروں نے پہاڑ تراش کر بنائے تھے۔ دراصل یہ مندر ہیں جو حیدر آباد دکن کے نزدیک اورنگ آباد سے تیرہ میل شمال مغرب کی جانب واقع ہیں۔ ان کا زمانہ پانچویں سے دسویں صدی عیسوی خیال کیا جاتا ہے اور یہ سوا مربع میل علاقے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ کل غار یا عمارتیں چونتیس (۳۴) ہیں۔ ان میں بدھ مت کی بارہ، برہمو کی سترہ اور جینیوں کی پانچ ہیں۔

پہاڑ کی جن چٹانوں کو تراش کر یہ غار بنائے گئے ہیں، وہ خشک ہیں۔ ان غاروں کی ترتیب اور تراش میں معماروں نے کمال دکھایا ہے۔ چٹانوں کو کاٹ کر دو منزلہ اور سہ منزلہ عمارت کی چھت، پیل پائے، دالان، حجرے، سیڑھیاں اور دیواروں کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے بت بنانا آسان کام نہیں۔ ان سنگ تراشوں کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ انہوں نے نہایت کامیابی کے ساتھ یہ اندازہ کر لیا کہ جس چٹان میں عمارت کھودنے جا رہے ہیں، وہ اندر سے ٹھوس اور دراڑ کے بغیر ہیں۔ ان عمارتوں کے کمرے بھی اس قدر وسیع ہیں کہ ان میں ایک ہزار سے زیادہ آدمی ایک ساتھ بیٹھ سکتے ہیں۔ تمام عمارتوں میں دو طرفہ زینے تراشے گئے ہیں۔ جن پر چار پانچ آدمی بیک

282 www.taemeernews.com

وقت ایک ساتھ چڑھ سکتے ہیں۔اسی سے باقی عمارتوں کی وسعت اور عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ان میں ہوااور روشنی کا بھی انتظام تھا۔

ان غاروں میں بے شمار تراشیدہ بت ہیں۔ان کی ساخت بتاتی ہے کہ اس زمانے کے سنگ تراش اپنے فن میں کس قدر ماہر تھے۔بعض بت بہت بڑے ہیں لیکن طبعی تناسب کے لحاظ سے کاریگری کا بہترین نمونہ ہیں۔سب سے زیادہ بت بدھ،مہادیواور پاربتی کے ہیں۔مشہور ہے کہ مہادیو جی سب سے پہلے انہی پہاڑیوں پر ظاہر ہوئے تھےاور اپنی بیوی پاربتی کے ساتھ یہاں رہا کرتے تھے۔(تصویر51)

ص۱۲۶،حوالہ۲:۔کیلاس نام اس کا مشہور ہوا:۔کیلاش مندر،ایلورا کے غاروں میں شیو جی کا مشہور و معروف مندر،جو آٹھویں صدی میں تعمیر ہوا۔قدیم زمانے کے انجینئروں نے ایک پتلی سی ندی کی دھار کو موڑ کر کیلاش کے بازو میں سے اس طرح گھمایا ہے کہ اس کا پانی قطرہ قطرہ شیو لنگ پر ٹپکتا رہتا ہےاور پچھلے بارہ سو برس سے ٹپکتا چلا آرہا ہے۔(تصویر52)

ص۱۳۴،حوالہ۱:۔بی بی کے مقبرے:۔مراد بی بی کے مقبرے سے ہے۔یہاں اورنگ زیب کی بیگم رابعہ درانی آسودہ ہے۔یہ مقبرہ اورنگ زیب کے بیٹے اعظم شاہ نے ۱۶۷۹ء میں تعمیر کرایا۔اس کی شہرت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اسے تاج محل کے طرز پر تعمیر کرایا گیا ہے۔مگر نقل،اصل سے کوسوں دور ہے۔اسے ''غریبوں کا تاج محل'' بھی کہا جاتا ہے۔تاج محل کی طرح اس کے اردگرد ایک خوبصورت باغ ہے۔جس میں فوارےاور نہریں بھی جاری کی گئی ہیں۔(تصویر53)

ص۱۳۶،حوالہ۱:۔ایلچ پور:۔Elich pur

ص۱۳۷،حوالہ۱:۔بیڑور:۔یہ دراصل برار Berar ہے۔برار دکن کی مقامی سلطنتوں میں سے ایک تھی۔جو بہمنی سلطنت کی تقسیم کے وقت ۱۴۹۰ میں وجود میں آئی۔برار کی تاریخ انتہائی پرانی ہے،اس کے سلسلے مہابھارت سے ملتے ہیں۔۱۴۹۰ میں Gawil کے گورنر فتح اللہ عماد الملک نے برار پر قبضہ کر لیا اور عماد شاہی سلطنت کی بنیاد رکھی۔اس نے اپنی سلطنت کا دار الحکومت ایلچ پور کو بنایا۔۱۸۰۳ میں انگریزوں نے برار نظام حیدر آباد کے حوالے کر دیا۔

ص۱۳۷،حوالہ۲:۔Wadegaon

ص۱۳۷،حوالہ۳:۔Akola

ص۱۳۸،حوالہ۱:۔ناگپور:۔صوبۂ مہاراشٹر کا مشہور شہر اور ضلع کا صدر مقام،اس کی بنیاد اٹھارویں صدی

www.taemeernews.com

کے اوائل میں پڑی۔اب یہ اہم تجارتی اور صنعتی شہر ہے یہاں کے سنگترے پورے برصغیر میں مشہور ہیں۔

ص۱۳۸،حوالہ۲:۔وردہ:۔یہ دراصل واردھاWardha ہے۔واردھا،موجودہ مہاراشٹر کا ایک ضلع اور شہر ہے۔اس شہر کا یہ نام واردھا ندی کے نام پر رکھا گیا ہے، جو شہر کے قریب سے ہو کر گزرتی ہے۔یہ شہر کپاس کی تجارت کی وجہ سے معروف ہے۔

ص۱۳۹،حوالہ۱:۔دریائے کابٹی:۔River Juni Kamptee

ص۱۴۱،حوالہ۱:۔رامیشر:۔ضلع مدورا(تمل ناڈو) کا ایک قصبہ، جو آبنائے پالک (ہندوستان اور سری لنکا کے درمیان) کے ایک جزیرے پر واقع ہے۔یہ پلِ آدم کا جنوبی سرا ہے۔یہاں ہندوؤں کا ایک عظیم الاشان تیرتھ ہے۔کہتے ہیں یہ سترہویں صدی میں تعمیر ہوا اور دراوڑفنِ تعمیر کا ایک نادر نمونہ ہے۔

ص۱۴۱،حوالہ۲:۔کاشی جی:۔بنارس،اتر پردیش کا ایک تاریخی شہر، دریائے گنگا کے کنارے آباد ہے۔اصل نام وارانسی ہے جو بگڑ کے بنارس ہو گیا۔ہندوؤں کے نزدیک بہت متبرک شہر ہے۔یہاں سو سے زائد مندر ہیں۔ہر سال لاکھوں یاتری یہاں اشنان کے لیے آتے ہیں ۔شہنشاہ عالمگیر کی تعمیر کردہ مسجد اسلامی دور کی بہترین یادگار ہے۔

ص۱۴۲،حوالہ۱:۔Seoni

ص۱۴۴،حوالہ۱:۔جبھل پور:۔جبل پور، مدھیہ پردیش کے بڑے شہروں میں سے ایک ہے۔دریائے نربدا کے کنارے واقع ہے۔دونوں کناروں پر سنگِ مرمر کی پہاڑیوں کا سلسلہ ہے۔چھ کلومیٹر دور مغربی جانب گونڈ بادشاہوں کا قدیم قلعہ ہے۔

ص۱۴۴،حوالہ۲:۔دریائے نربدا:۔۷۵۰ میل لمبا دریا، جو مدھیہ پردیش سے نکلتا ہے اور مغرب کی طرف بحیرۂ عرب میں جا کر گرتا ہے۔یہ مدھیہ پردیش اور وسطی ہند کی سرحد کا ایک حصّہ بنتا ہے اور ریاست مہاراشٹر سے گزرتا ہے۔نربدا جو ڈھلواں کناروں میں تیز رو اور پرشور ہے۔آب پاشی اور آمدورفت کے قابل ہے۔اس کے دہانے سے تبع تک اور واپسی کا سفر ہندوؤں کے نزدیک بہت اہمیت رکھتا ہے۔ (تصویر54)

ص۱۴۵،حوالہ۱:۔Maihar

ص۱۴۷،حوالہ۱:۔گوالیر:۔گوالیار، مدھیہ پردیش میں واقع سابق خودمختار ریاست اور بڑا شہر، اٹھارویں

www.taemeernews.com

صدی میں ایک مرہٹہ سردار رانوجی سندھیا نے قائم کیا۔ گوالیار شہر ایک پہاڑی سے قلعے سے نیچے آباد ہے۔ جس میں مزین محل ہیں جین اور ہندو مت کی یادگاروں کے لیے مشہور ہے۔

ص ۱۴۷، حوالہ ۲:۔ Mauganj

ص ۱۴۷، حوالہ ۳:۔ Hanumana

ص ۱۴۷، حوالہ ۴:۔ Darumand ganj

ص ۱۴۸، حوالہ ۱:۔ Lalganj,Mirza pur

ص ۱۴۹، حوالہ ۱:۔ **مبرزا پور** :۔ مرزا پور، ضلع بنارس کا ایک شہر۔ دریائے گنگا کے دائیں کنارے پر واقع ہے۔ یہ پرانا قصبہ پیتل کی مصنوعات اور قالین بافی کے لیے مشہور ہے۔ قصبے میں دریا کا کنارا، گھاٹ اور مندر عجیب نظارہ پیش کرتے ہیں۔

ص ۱۵۱، حوالہ ۱:۔ **کیسی رسم ابتر ہے** :۔ تحسین فراقی نے حاشیہ لگاتے ہوئے اسے شیولنگ کی پوجا کی روایت سے منسلک کیا ہے اور اسے ہندوؤں کی مذہبی عبادات میں شامل کیا ہے۔ نیز محسن فانی کشمیری کی کتاب ''دبستانِ مذاہب'' سے ایک اقتباس بھی نقل کیا ہے جس میں لنگ پوجا سے متعلق تفصیلات دی گئی ہیں۔ ہمارے نزدیک کمبل پوش کی تفصیلات میں کسی مذہبی عقیدے کے ذکر سے زیادہ نام نہاد مذہبی پیشواؤں کی عیاشی کا تذکرہ مقصود ہے۔

ص ۱۵۳، حوالہ ۱:۔ **بطور مسجد بنوایا ہے** :۔ کمبل پوش کی مراد بنارس کی عالمگیری مسجد سے ہے۔ اس مسجد کے بارے میں مشہور ہے کہ اسے شہنشاہ اورنگ زیب نے وشیشورا مندر کی جگہ تعمیر کرایا۔ یہ ہندوستان کی ایک مشہور مسجد ہے۔ اس کے علاوہ بنارس میں اورنگ زیب نے گنگا کے کنارے ایک مسجد تعمیر کرائی تھی جس کی ۱۸ مینار یں ہیں۔ یہ مسجد بنارس کے گھاٹوں کے درمیان نہایت بلند و بالا ہے اور اس کا نظارہ کافی فاصلے سے بھی کیا جا سکتا ہے۔ اکثر اس بڑی مسجد کو عالمگیری مسجد تصور کر لیا جاتا ہے۔ (تصویر 55)

ص ۱۵۶، حوالہ ۱:۔ **کلکتہ**:۔ صوبۂ بنگال کا صدر مقام اور ہندوستان کا ایک بڑا شہر۔ دریائے ہگلی کے کنارے خلیج بنگال سے ۸۶ میل دور آباد ہے۔ مشرقی ہند کی بہت اہم تجارتی بندرگاہ اور بڑا صنعتی شہر ہے۔ یہاں پٹسن، کپڑے، ادویات، کاغذ اور لوہے کے کارخانے ہیں اس کی بنیاد ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایک تاجر چاب چرناک نے ۱۶۹۰ء میں رکھی تھی۔ اس سے پہلے یہاں تین چھوٹے چھوٹے گاؤں تھے ان میں سے ایک کا نام کالی کتہ تھا۔ محلِ وقوع کے باعث اسے تجارتی اہمیت

www.taemeernews.com

حاصل ہوگئی اور بڑی سرعت سے پھلا پھولا۔لارڈ کلائیو اور نواب سراج الدولہ کی افواج کے درمیان ۱۷۵۷ء میں جنگ یہیں لڑی گئی۔اس دوران میں کلکتے پر سراج الدولہ کا تسلط رہا۔ایک سال بعد لارڈ کلائیو نے یہ شہر فتح کرلیا۔۱۷۷۴ء میں وارن ہیسٹنگز پہلے گورنر جنرل کی حیثیت سے یہاں آیا۔۱۸۳۳ء سے ۱۹۱۲ء تک ہندوستان کا دارالحکومت رہا۔اسی دور میں یہاں سپریم کورٹ قائم ہوئی۔فورٹ ولیم کالج اسی شہر میں ہے۔(تصویر 56)

ص ۱۶۲، حوالہ ۱:۔مونگیر:۔ موجودہ صوبۂ بہار کا ایک شہر اور ضلع۔مہابھارت کے عہد میں یہ شہر مودگری کے نام سے معروف تھا۔یہ بنگال کے آخری نواب میر قاسم کا دارالحکومت تھا۔یہاں ایک عالیشان قلعہ ہے، جس کے متعلق کئی روایتیں مشہور ہیں۔کچھ لوگ اسے مہابھارت کے عہد کا قلعہ کہتے ہیں، جبکہ کچھ لوگ اسے مسلمانوں کے ابتدائی عہد سے منسوب کرتے ہیں۔میر قاسم سے بھی اسے نسبت دی جاتی ہے۔اس قلعے میں کئی تاریخی عمارتیں ہیں۔

ص ۱۶۳، حوالہ ۱:۔عظیم آباد:۔ پٹنہ، ہندوستان کا ایک قدیم مشہور شہر اور ریاستِ بہار کا صدر مقام اور اس کا تمدنی مرکز ہے۔یہ دریائے گنگا کے کنارے آباد ہے۔چھٹی صدی قبل مسیح میں یہ مگدھ کے راجا اجات شترو کی راجدھانی تھا اور پاٹلی پتر کہلاتا تھا۔سولہویں صدی عیسوی میں شیر شاہ سوری نے اپنی سلطنت کے دارالحکومت کے طور پر اس کا انتخاب کیا تھا۔گنگا اور سون ندیوں کے سنگم پر واقع ہونے کی وجہ سے نیز اہم شاہراہوں اور مشرق سے مغرب تک آبی راستوں کے باعث اس کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔

ص ۱۶۸، حوالہ ۱:۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں 'تاریخِ اودھ جلد چہارم' از محمد نجم الغنی ص ۴۱۱، ۴۱۳

ص ۱۶۸، حوالہ ۲:۔سرکار کمپنی میں بھجوا چکے تھے:۔ اس اشتہار کا تمام متن ''تاریخ اودھ'' حصہ چہارم از نجم الغنی میں شائع ہو چکا ہے۔ص ۲۷۹، ۲۸۱ (تحسین فراقی)

ص ۱۷۲، حوالہ ۱:۔سیہ پوشوں:۔ مراد افریقیوں

ص ۱۷۴، حوالہ ۱:۔ تاریخ یوسفی نسخۂ دہلی مرتبہ اکرام چغتائی میں یہ عبارت درج ہے۔''الحمدللہ کہ کتاب عجیب نسخۂ غریب مسمّیٰ تاریخ یوسفی تصنیف سیاح جہاں گرم وسرد چشیدہ زماں، صدافت کیش، حقیقت کوش یوسف خاں کمبل پوش کی بتاریخ انیسویں جنوری ۱۸۴۷ء مطابق تئیس محرم الحرام ۱۲۶۳ ہجری کے تمام ہوئی۔فقط''

286 www.taemeernews.com

فرہنگ

(الف)

آبادان: آباد

آتش دان: گھریلو آتش دان جو چمنی کی تہہ میں ہوتا ہے۔

آرام گاہ: آرام کی جگہ

آشتی: ملاپ، صلح، صفائی

آگ بگولا: غضب ناک، افروختہ

آلہا: ایک بہادر بادشاہ کا نام جس کا قصہ اکثر عوام برسات میں گاتے ہیں۔

آہنیں: آہنی، لوہے کا بنا ہوا، مضبوط

ابطال: باطل کرنا، چھوٹا کرنا

ابلق: دو رنگا گھوڑا، ایسے گھوڑے کو کہتے ہیں، جس کے چاروں پیر سفید ہوں۔

اجلاف: رذیل، کمینے

احتراق: طب کی اصطلاح: اس کو کہتے ہیں کہ حرارت کے سبب سے کسی خلط کے اجزائے لطیف ورقیق فانی ہوجائیں اور باقی اس طرح کثیف ہوجائیں کہ وہ خلط اپنی جنس سے خارج ہو نہ کہ جل کر خاکستر ہوجائے (نور)

احتراقِ بلغم: ایک بیماری کا نام

اختراعی: مصنوعی، گھڑی ہوئی

احتراقِ سودا: پت کی گرمی

اختلال: خلل ڈالنا، خلل پڑنا

اختلالِ حواس: حواس میں فتور آنا

ارژنگ: (ارژنگ) نگارخانہ چین کے ایک مشہور مصور کا نام

ارکانِ دولت: امیر و وزیر

ارگن: (آرگن) ایک باجے کا نام

ارم: جنت

ازکاررفتہ: بیکار

اژدحام: (ازدحام) لوگوں کی بھیڑ، ہجوم، جماؤ

استادہ: کھڑا ہوا

استسقا: جلندھر، وہ مرض جس میں پیاس بڑھتی جاتی ہے، پیٹ بڑھتا جاتا ہے اور تمام بدن ڈھیلا اور سست ہوکر پھول جاتا ہے۔

استمداد: مدد چاہنا

استہزا: ہنسی، تمسخر

اشراف: شریف کی جمع

اشفاق: مہربانیاں، عنایتیں

اصیل: خاندانی، اچھے نسب والا

اعتلاء: بلند ہونا

اعیانِ سلطنت: امرائے سلطنت

افتادہ: غیر مزروعہ، غیر آباد، بنجر

افتراق: نزدیکی، نزدیک ہونا

اقلیم: ملک، آباد زمین کا ساتواں حصہ

www.taemeernews.com

اگاڈی: آگے

الّا: حرفِ استثنا، لیکن، بجز

الاہتمام منی والاتمام من اللہ تعالیٰ: اہتمام کرنا میرا کام ہے اور اس کو انجام تک پہچانا اللہ کا کام ہے

الحانِ داؤدی: حضرت داؤد علیہ سلام چونکہ زبور کو ایسی سُریلی آواز سے پڑھتے تھے کہ چرند و پرند کیا خلقت تک کا ہجوم ہو جاتا تھا اس واسطے نہایت خوش آوازی کے واسطے اس ترکیب کا استعمال ہونے لگا۔ داؤدی سُر

الناس علی دین ملوکہم: (عربی کہاوت) عوام اپنے حکمرانوں کے طریق پر چلتے ہیں

امتیازی: درباری

امساک: خست، کنجوسی، بخل

امساکِ جبلّی: قدرتی خست

امصار: مصر کی جمع، شہر

اُنبہ۔ آنبہ: آم، آم کا درخت

انٹ بازی: بلیرڈ، اسنوکر

اندارے: (اندارہ) بہت چوڑا اور عمیق کنواں جس میں بے انتہا پانی ہو۔ باؤلی

اندام: بدن

اندر کا اکھاڑہ: راجہ اندر کی سبھا جس میں حوریں ناچتی ہیں، وہ محفل جہاں بہت سے اربابِ نشاط ہوں۔ پریوں کا جمگھٹا

اندک: تھوڑا سا، ذرا سا

انگلس: پینشن

اوٹے جوٹے موٹے: معمولی

اورنگ: تخت

اونچان: اونچائی

اونچے: بلندی، فراز، مرتفع، اوپر

اویل: وہیل مچھلی

اہتمامی: بندوست کرنے والا

(ب)

بارِ ثقیل: بھاری بوجھ

بارگیر: بوجھ اُٹھانے والا جانور، وہ سوار جس کا ذاتی گھوڑا نہ ہو

باروت: بارود

بالطبع: فطرت یا مزاج کے مطابق

بخیلی: کنجوسی

بدقرینے: بُرا ڈھنگ، بُرا طرز، بُری روش، بُرا طور، طریق

برانڈی: ایک قسم کی شراب

برد: بالائی یافت، ناجائز دولت

بردہ فروش: لونڈی، غلاموں کی تجارت کرنے والے، بیچنے والے

برودت: ٹھنڈک، خنکی

بساط بوسی: کسی مقتدر شخص کی خدمت میں حاضر ہو کر زمین بوسی کرنا۔

بگلہ: ایک قسم کی کشتی یا بحری جہاز جو دور سے بگلے کی شکل کا نظر آتا ہے۔

بلاتحاشا: بے درنگ، فوراً، اسی وقت

بلاچاری: بامرِ مجبوری

288 www.taemeernews.com

بلّور: کھان سے نکلنے والا چمکدار جوہر، جو نہایت صاف و شفاف ہوتا ہے، شیشہ

بندگی: پرستش، عبادت

بندوق توڑے دار: وہ بندوق جو فلیتے کے ذریعے چھوڑی جائے

بنوا کنڈے: اُپلے

بول وبزار: پیشاب پاخانہ

بوم شوم: منحوس اُلو

بہتیری: بہت، کئی

بھٹیاری: بھٹیارے کی جورو، سرا میں کھانا بنانے والی

بھوسی: وہ غلّہ کا چھلکا جو آٹے میں سے نکلتا ہے

بہرہ: فائدہ

بہ مقتضائے بشریت: انسانیت کے مطابق

بیچوں، بیجگوں: وہ جس کی صفات تک عقل کی رسائی نہ ہو یعنی خُدا

بیر: بیئر (شراب کی ایک قسم)

بیشتر: زیادہ تر، اکثر، بارہا

بیشہ: جنگل، بیاباں

بیگاری: بیگار میں کام کرنا، کرنے والا (بیگار: بلا اُجرت جبراً مزدوری کرانا)

بیگانہ وضعی: اجنبی روش یا انداز

بین: وینا؛ ہندوستان کا نہایت قدیم ساز جس کی آسان اور اصلاح شدہ شکل ستار ہے۔ وینا دو تونبوں پر ایک ڈانڈ لگا کر بنائی جاتی ہے سروں کے اُتار چڑھاؤ کے لئے اس میں پردے نہیں ہوتے صرف تار اور ترہیں ہوتی ہیں۔ اسے مضراب سے بجاتے ہیں۔

(پ)

پارچہ: ٹکڑا، گوشت کے ٹکڑے

پاڑھے: ہرن کی قسم کا ایک جنگلی جانور، بارہ سنگھا

پالنگی: لنگڑاپن

پائیں باغ: وہ باغیچہ جو محل یا مکان کی چار دیواری کے اندر، محل یا مکان کی سطح سے اونچا ہو۔

پٹاری: چھوٹی ٹوکری جس پر ڈھکن ہوتا ہے۔

پٹکا: کمر بند، کمر کے بیچ کا وہ دوپٹہ یا رومال جس کو سپاہی اور سوار کمر سے لپیٹ لیتے ہیں

پٹہ: دستاویز، جو کاشتکار زمیں دار کو کاشت کے متعلق لکھ کر دیتا ہے۔

پُرساں: پوچھنے والا، پرسش کنندہ، فریادرس

پروانہ: حکم نامہ، شاہی فرمان، اجازت نامہ

پری: خوب صورت، اعلیٰ درجے کی

پرے: پرا کی محرّف صورت (پرا: صف، قطار، غول، گروہ)

پرے سرے: اُس پار، پیچھے (مراد بلند)

پلیتا: مروڑی ہوئی روئی، بٹا ہوا کاغذ

پنیاسوت: وہ تالاب جس میں سوت سے پانی آتا ہو

پنی: پونڈ سے منسوب، پونڈ کے وزن والی، رانگ یا پیتل کا ورق

پوتھی: ہندوؤں کی مذہبی کتاب

پوجا پے: پوجنے کے لائق

پوچ ولچر: لغو، بے ہودہ

289 www.taemeernews.com

پوست واستخواں: کھال اور ہڈیاں
پلیتہ: فتیلہ، توڑا، بتّی
پھٹک کھڑے ہونا: ایک طرف کھڑے ہونا
پھریرا: جھنڈے کے اوپر کا کپڑا، جھنڈا
پھلانگ: چھلانگ، ڈگ، زغند، جست
پہلوتہی: پہلو خالی کرنا، چشم پوشی
پھرتی دفعہ: لوٹتے وقت۔ واپس آتے ہوئے
پیادے: ہرکارے، چپراسی، قاضی کی عدالت کا ملازم
پیپے، پیپا: وہ چوبی ظرف جو ڈھول کی قطع کا ہوتا ہے۔
پیش خدمت: زنان خانے میں اوپر کا کام کرنے والی ملازمہ
پیشۂ شبانی: چرواہے کا پیشہ (مراد پیغمبروں کا پیشہ)

(ت)

تاراج: لوٹ مار، غارت
تاڑی: تاڑ کا دودھ، جس کے پینے سے نشہ ہوتا ہے۔
تاکیدا کید: بہت تاکید
تبر: کلہاڑی کی وضع کا بنا ہوا ہتھیار
تحصیلتے: تحصیل کرنا، حاصل کرنا، وصول کرنا
ترشح: ہلکی پھوار، بوندا باندی، پھوئیاں پڑنا
ترش رو: ناراض، ناخوش، زود رنج
ترئی: بگل
تزئین: آراستگی، آرائش، زینت
تصدیعہ: ایک بار تکلیف دینا
تصرّف: قبضہ، اختیار
تصرّف بے جا: غبن، کسی ناجائز طریقے سے تصرّف میں لانا، خورد برد کرنا
تعلیم: کچھ سکھانا
تغلّب: تصرفِ بے جا، غبن، خیانت
تفاوت: فاصلہ، دوری، فرق
تفویض: سپردگی، تحویل، حوالگی
تقصیر: قصور، خطا، کوتاہی
تکیہ: گورستان، قبرستان، فقیر کے رہنے کی جگہ، فقیر کا گھر
تلنگے: شروع کے زمانے میں انگریزی فوج کے ہندوستانی سپاہی، جو انگریزی وردی پہنتے تھے۔
تمغہ: مہر سلطانی، نشان
تنفّر: نفرت، بیزاری
توام: ساتھ ساتھ، جڑواں
توزک: سامان، آسائش، انتظام، شان وشوکت، قانون قاعدہ، ضابطہ، آئین
تونگر: امیر، دولت مند
تہدید: ڈرنا، دھمکانا، خوف دلانا
تہرے چوہرے: تین چار تہہ کے
تیرت: تیرتھ، زیارت (ہندو) پر جانا، مقدّس مقامات جو دریا کے کنارے واقعے ہوں، کی زیارت کرنا

(ٹ)

ٹاپو: جزیرہ
ٹرہ پن: اکھڑ پنا، بدمزاجی
ٹھنا: جمنا، جچنا، تہ نشیں ہونا، قرار پانا، ٹھیرنا

(ث)

ثروت: دولت، تونگری

www.taemeernews.com

(ج)

جاڑی: جاڑا، سردی

جذام: کوڑھ

جریدہ: تنہا

جسیم: موٹا

جعلی دار: جالی دار

جماعداری: وہ شخص جو چند سپاہیوں کا افسر ہو (جمعدار)

جم جاہ: جم (جمشید) جیسے کرّ وفر والا

جنت الماویٰ: بہشت

جنیو: زنار، وہ بٹا ہوا دھاگہ جس کو برہمن گلے میں ڈالتے ہیں

جوار: ہمسائیگی، پڑوس

جوائی: روانگی، کوچ، جانے کا عمل

جہاز دودی: دھواں (بھاپ) سے چلنے والا پانی کا جہاز

جھانکل: پرندوں کا جھنڈ

جھنڈا: پھندنا، گچھا، سیاہ ابریشم کا پھندنا جو علم وغیرہ پر باندھتے ہیں، پرچم

جہدِ بلیغ: مکمل کوشش

جہت: طرف، جانب، سمت

(چ)

چارچشم: کمال مشتاق، نہایت آرزومند

چارچند: چوگنا

چاشنی: چکھنے کے موافق کوئی چیز، کسی قدر شیریں وترش

چاشنی یاب: چاشنی پانے والا

چاق: تروتازہ، صحیح ودرست، چالاک

چانپ: بندوق کا وہ پرزہ جس سے فلنتے نکلتا ہے، جو آگ نکالتا ہے۔

چپک: پائپ

چتر: ایک طرح کی بڑی زرکار چھتری جو بادشاہوں اور امرا کے سر پر لگائی جاتی ہے۔

چٹھی: کاغذ کا ٹکڑا جس پر قیمت لکھ کر کپڑوں اور تھانوں پر رکھ دیتے ہیں۔

چرمی: چمڑے کا بنا ہوا

چرمینہ: چمڑے کا

چقماق: آگ نکالنے کی پتھری جو اکثر بندوق پر لگائی جاتی ہے (مراد بندوق)

چکلہ دار: صوبہ دار، ناظم، جاگیردار

چلتہ: زرہ، جو لڑائی کے وقت لوہے کا لباس پہنا کرتے تھے

چمکاری: روشنی

چمگیڈر: چمگادڑ، ایک پرند کا نام جو اکثر چھتوں پر لٹکتا رہتا ہے اور رات کو اُڑا کرتا ہے اور جس کو دن کو دکھائی نہیں دیتا۔

چمن پیرا: چمن کو سنوارنے والا، باغبان

چوکا دینا: رسوئی کا لیپنا

چھاڑ: جھاڑ؛ فانوس

چھوارا: خرما، ایک قسم کی بڑی اور سوکھی کھجور

چھنال: بدکار عورت، فاحشہ

چھلا: زمین سے گریس یا تیل کا دھبہ لگنا، کیچڑ کا داغ

چہلا: کیچڑ کی زمین، وہ زمین جو کیچڑ دلدل سے بھری ہوئی ہو

چیلو: ایک قسم کی جوں، جو میلے کپڑوں میں پڑ جاتی ہے۔

291
www.taemeernews.com

(ح)

حاضری: ناشتہ، تھوڑا سا کھانا جو اُس وقت موجود ہو۔
حرام زدگی: حرمزدگی؛ شرارت، بدمزاقی، فتنہ انگیزی
حرقتِ خون: خون کی گرمی
حریر: ریشم
حریری: حریرہ (اصل) ایک پتلی غذا جو عام طور پر آٹے یا سوجی کو گھی میں بھون کر شکر اور پانی ڈال کر بنائی جاتی ہے
حسنِ یوسفی: یوسف علیہ السلام جیسا حسن، خوبصورتی
حشمت: دبدبہ، بزرگی
حَضَر: سفر کے خلاف، ایک جگہ کا قیام
حلم: بردباری، برداشت، تحمل
حلیم: بردبار، فروتن، گمبھیر، متحمل مزاج
حمائلِ زریں: گلے میں ڈالنے کی سونے کی چیز، زیور، مالا

(خ)

خارآہنی: لوہے کا کانٹا (مراد لنگر)
خاطر: دل (جو کچھ دل میں اُترے)
خاوندی: آقا کی مرضی، خُدا کی مرضی، خُدا کا حکم، بندہ نوازی، پرورش
خبرگیر: نگہبان، محافظ، دستگیر
خُداراہ: اللہ واسطے، راہِ اللہ میں
خُرد: چھوٹا
خرمہرہ: بڑا مہرہ، کوڑی
خسروِ خاور: سورج (پورب کا بادشاہ)
خصومت: دشمنی، عداوت، کینہ
خطاپوش: گناہوں کو چھپانے والا
خلائق: خلق کی جمع، خلقت، مخلوقات
خلد: جنّت
خلداللہ: اللہ کی مخلوق
خلقت: مخلوق، مراد ہے انسان
خُو: عادت، خصلت
خوانِ انعام: انعام کی سینی، طباق، دسترخوان، طشت
خود: لوہے کی گول ٹوپی جو لڑائی کے وقت پہنی جاتی ہے
خوردہ: ریزگاری، جزو (اصل خُردہ)
خوشتر: انتہائی خوش، انتہائی تسکین بخش
خوشہ: اناج کی بالی، گچھا
خوشۂ پروین: چھ ستاروں کا گچھا جو موسمِ سرما میں سرِ شام نظر آتا ہے۔
خیروصلاح: سلامتی اور رائے مشورے سے

(د)

دارالامارہ: پایۂ تخت
داغ کرانا: لوہے وغیرہ کی کوئی چیز گرم کر کے اُس کا نشان جسم کے کسی حصّے میں ڈالنا۔
دام ودد: جنگلی جانور
درز: شگاف، جھری
درشتی: سختی، بدخُلقی
درماہہ: ماہانہ تنخواہ
دریائے شور: سمندر
دوادوش: دوا اور کوشش مراد ہوتی ہے، دوڑ دھوپ
دست بہ خُدا: دعا مانگنا، دعا کے لیے ہاتھ اُٹھانا۔

www.taemeernews.com

دودی: دھوئیں والا

دورکابے: رکاب: لوہے کا وہ حلقہ جو گھوڑے کی زین میں دونوں طرف لٹکتا ہے اور سوار اس پر پاؤں رکھ کر گھوڑے پر چڑھتا ہے، دورکابوں والا گھوڑا

دوچند: دس گنا

دیدارو: شکیل، صورت شکل کا اچھا، وجیہہ

(ڈ)

ڈال: بغیر جوڑ کے یا بغیر سلائی کے

ڈکیت: ڈاکو

ڈکیتے: ڈکیت

ڈگمگے: روشن، چمکنا

ڈونگی: چھوٹی ناؤ، جو بڑی کشتی یا جہاز کے ساتھ بندھی رہتی ہے

ڈھابلی: مرغوں کے بند کرنے کا ٹاپا، دھابلی

ڈھال: سپر

ڈھانگر: گہری وادی، دریا کا اونچا کنارا

ڈھرّہ: شارع عام، مجاز اُروشِ قدیم، کمبل پوش کی مراد پہاڑوں کے سلسلے سے ہے۔

(ذ)

ذلہ ربا: ذلہ چیں، خوشہ چیں، کسی سے فائدہ یا فیض حاصل کرنے والا

(ر)

راجہ روٹھے نگری راکھے رام رُسے کت جانداں: راجا روٹھے گا اپنی نگری لے گا مگر رام (بھگوان) روٹھے گا تو کہاں جاؤ گے

راست: سیدھا، سچ، ٹھیک، موزوں

راست گفتار: صاف اور سچی بات کرنے والا

راست و دروغ بہ گردنِ راوی: سچ اور جھوٹ کہنے والے کے ذمے

رافت: مہربانی

رال: ایک گوند کا سا نباتی مادہ، جس میں آگ جلد اثر کرتی ہے

راہوار: گھوڑا

رتبۂ اتحاد: اتحاد کا مرتبہ

رطوبت: تری

رفاہیت: تن آسانی، نیکی، بھلائی، بہبودی

رفاہیتِ خلائق: خلق کی بھلائی

رقم: قسم، جنس

رقمی: لکھی ہوئی، تحریر شدہ

رَمنہ: وہ سوراخ جو قلعے کی دیواروں میں اس غرض سے رکھتے ہیں کہ غنیم پر اندر سے بندوق کا فیر کریں۔

رنڈی: عورت

روزینہ: ہر روز کا خرچ جو روز بہ روز ملتا ہے۔

روضۂ رضواں: رضوان کا باغ، جنتِ فردوس

روغن: وارنش، لُک، چمک دمک، آب و تاب

روکشِ بہشتِ بریں: جنت کے مقابل، جنت جیسا

رَوتا: تصدیقی پروانہ، ٹکٹ، مال کی روانگی کا پرچہ

ریزش: زکام، نزلہ

رینٹ: گاڑھا پانی جو ناک سے نکلتا ہے۔

(ز)

www.taemeernews.com

زجر: ڈانٹنا، جھڑکنا

زدودہ: پاکیزہ، صاف شدہ

زربفت: سونے کے باریک تانے اور ریشم کے بانے سے بُنا ہوا کپڑا، انتہائی قیمتی کپڑا

زرریزی: زرخیزی

زرنگار: جس پر سنہرا کام کیا گیا ہو، سنہرے نقش و نگار بنائے گیے ہوں۔

زرہ: باریک کڑیوں کا چھوٹی آستین کا فولادی لباس، جسے جنگ کے وقت جسم کی حفاظت کے لیے عام لباس کے اوپر پہنا جاتا ہے۔

زرینہ: سنہری، سونے کا بنا ہوا

زمرّدگوں: زمرّد جیسی رنگت والا

زمرے: سنگت، ساتھ، ہمراہی، گروہ

زنبورِ عسل: شہد کی مکھی

زنبورِ سیاہ: کالی بھڑ

زیبا طلعت: خوب صورت چہرہ

زیب پذیر: خوبی والا، سجا ہوا

زین: چار جامہ، گھوڑے کا لباس، کجاوہ

(س)

سابقے: اگلے، پہلے

سات سنگار: عورتوں کی سات آرائشیں، سرمہ لگانا، مہندی لگانا، پان کھانا، مسّی لگانا، سر گوندھنا، زیور پہننا، افشاں لگانا، چوڑیاں پہننا

سارجن: سارجنٹ

ساقِ بلوریں: شیشے کی طرح صاف پنڈلی

سالیانہ: وہ رقم جو سالانہ کسی کو ملے

سائلِ نان طلب: فقیر، روٹی مانگنے والا فقیر

سبزہ: کسی قدر سیاہی مائل سفید رنگ گھوڑا، یعنی سفیدی میں میلا پن ہو۔ عام طور پر بدرنگ سمجھا جاتا ہے۔

سبکباری: ہلکا بوجھ، کنایتاً اکیلا، فارغ البال

سدِّ آہنی: لوہے کی دیوار

سرخاب: ایک آبی پرندے کا نام

سرخاب کا پر لگنا: دولت پر مغرور ہونا، شان و شوکت میں کسی کو اپنے برابر نہ سمجھنا، کوئی عجیب یا انوکھی بات ہونا

سرفراز: عزّت، عزّت دینا

سرو: ایک سیدھا لمبا، سوئی کی نوکیلی پتّیوں والا مخروطی شکل کا درخت

سروِ سہی: وہ سرو جس کی شاخیں اوپر کو چلی گئی ہوں۔

سریانی: ملکِ شام کی قدیم زبان

سریع السیر: تیز چلنے والا

سریع الانتقال: جلد منتقل ہونے والا

سزاوارِ نفریں: نفرت کے لائق

سڑیل: غلیظ، گندا، متعفن

سقم: عیب، نقص، خرابی

سلاح خانہ: ہتھیار خانہ، وہ مکان جہاں ہتھیار رکھے ہوں

سُم: گھوڑے یا کسی بھی چوپائے کے کھر

سمند: گھوڑا

سنگِ کوہ: پہاڑ کا پتھر

سنگی: پتھر کی

سنگستان: پہاڑ، جہاں نرے پہاڑ ہوں

www.taemeernews.com

سہیم: شریک، حصہ دار

سیاحان: سیر کرنے والے

سیسر: کمان کا وہ فیتہ جس میں تیر رکھ کر کمان کھینچتے ہیں اور تیر چلاتے ہیں۔ فیتہ

(ش)

شاخوں آہنی: لیمپ پوسٹ، کھمبے

شادیانے: خوشی، مبارک باد کے گیت، خوشی کے باجے

شاستر: کسی دیوتا یا منی کا بنایا ہوا گرنتھ، پستک، پوتھی، ویدانت، قانون، آئین، شرع، کتابِ عقائدِ ہنود

شالی: شال کے کپڑے کا

شام پین: شیمپین، ایک قسم کی شراب

شب باش: رات کو رہنا

شبہ، شبہا: شک کرنا

شبیہہ: مانند، مشابہ، تصویر

شتربان: اونٹ کا نگہبان، ساربان، اونٹ والا

شطرنجی: بغیر روئیں کا خالص سوتی، دونوں طرف سے یکساں، دری کی وضع پر تیار کیا ہوا قالین

شعلۂ گردالہ: گرداگرد پھرنے والا شعلہ، اگن چرخ

شقاوت: نحوست، بدبختی، سختی، سنگ دلی

شکیل: خوب صورت

شمہ: تھوڑا، قلیل مقدار، بہت کم مقدار میں، ذرا سا

شنوا: سُننے والا

شوریت: کھاری پن

شہتیر: بڑی کڑی

شیشہ: بوتل، مینا

شیشہ آلات: روشنی کا ساز و سامان

شیشۂ ساعت: ریت گھڑی، دونوں طرف شیشے کی تپیاں، بیچ میں پتلی جڑی ہوتی ہے ایک طرف بالو بھری ہوتی ہے۔ جو ایک باریک سوراخ سے ذرا ذرا کر کے ایک گھنٹے میں پوری گر جاتی ہے۔ اس سے گھنٹے کا حساب کرتے ہیں۔ اسے بالو گھڑی بھی کہتے ہیں

شیفتگی: عشق، حیرانی، فریفتہ

(ص)

صالحہ: نیک بخت، نیکوکار عورت

صانعِ بے چوں: خُدا

صباح: سویرا، تڑکا، صبح

صبوحی: وہ شراب جو صبح کو پی جائے

صحبت برآر: صحبت کا موافق ہونا، دوستی نبھانا

صدق بیان: سچ بولنے والا

صریح: ظاہر، آشکارا

صلب: خاندانی، بزرگی، حسب و شرف، آبائی، نسل، نطفہ

صناعی: کاریگری، دستکاری، فن کی مہارت

صیقل: جلا، صفائی

طینت: سرشت، خُو، عادت

(ض)

ضعیف البیان: جس کی بنیاد کمزور ہو، عموماً انسان کے لیے بطور صفت آتا ہے

www.taemeernews.com

(ط)

طباق: بڑی رکابی، تھالی، تسلا

طبائع: طبیعت کی جمع، طبیعت: مزاج، خو، عادت

طراوت: تازگی، شادابی

طراوت افزا: ٹھنڈک پہنچانے والا

طُرّہ: انوکھی بات، بڑھ کر ہونا

طلائی: سونے کا

طلبی: بلاوا

طیار: آمادہ، مستعد، کام کے قابل

(ع)

عاصی پُر معاصی: گناہ گار

عامل: کارندہ، اہلکار، سرکاری ملازم، شاہی عہدے دار

عبرانی: بنی اسرائیل کی زبان، رسمِ خط

عذر نیوش: عذر (معافی) سننے والا

عزیمت: ارادہ

عسرت: مفلسی، غریبی، نادانی، بے زری

عسس: کوتوال

عشر عشیر: دسویں حصّے کا دسواں حصہ، کنایتاً ذرا سا، رتی بھر

عفونت: بدبو، گندگی

عفیفہ: پاک دامن، پارسا عورت

علانیہ: ظاہرا، کھلّم کھلا

علم کرنا: بلند کرنا، اونچا کرنا، کھڑا کرنا

علی الصباح: صبح کے وقت

عناد: دشمنی، مخالفت

عنان: لگام، باگ ڈور

عود: ایک قسم کی سیاہ لکڑی جو آگ میں جل کر عمدہ خوشبو دیتی ہے، اسے اگر بھی کہتے ہیں۔

(غ)

غرقی: ایک قسم کی کم عرض لنگوٹی

غیرت دہِ کارنامۂ ارژنگ: جس پر ارژنگ کے کارنامے بھی رشک کریں

(ف)

فاصلہ: منزل کرنا، ایک پڑاؤ کا راستہ چلنا

فانوس: ایک طرح کا شمع دان، بڑی قندیل

فائز: کسی بلند درجے پر پہنچا ہوا، بامراد، کامیاب

فائزِ ملاقات: ملاقات کرنے میں کامیاب ہوا یعنی ملاقات ہوئی

فبہا: تو بہتر ہے، ٹھیک ہے، بس بہت مناسب، بس یہی مدعا ہے

فتق: فوتوں کے ایک مرض کا نام

فربہ: موٹا

فربہی: موٹاپا

فرحت: خوشی، شادمانی

فرطِ دوستی: دوستی کی افراط یا شدّت

فسیح الفضا: فراغ فضا والا

فلک پیوند: آسمان سے جڑا ہوا، بلند و بالا

فلک توامان: آسمان جیسا، بلند و بالا

فیل پائی: ایک مرض کا نام جس میں پاؤں ہاتھی کے پاؤں کی مانند سوج جاتے ہیں۔

www.taemeernews.com

(ق)

قابلِ تعزیر: سزا کے لائق، سزا کا حقدار

قابو پانا: قدرت پانا، اختیار پانا، موقع پانا

قاز: ایک پرند کا نام

قاقم: نیولے کے خاندان کا نہایت نرم اور سفید بالوں والا سنجاب کی قسم کا جانور، جس کی کھال پوستین بنانے کے کام آتی ہے۔ بہت گرم ہوتی ہے۔

قال ومقال: بات چیت

قالیچہ: چھوٹا قالین

قبض: قابو، بس

قدرتِ صانع: بنانے والے کی قدرت

قدم باز: خوش رفتار، تیز رفتار

قدوم میمنت لزوم: برکت سے بھرا ہوا آنا، تشریف آوری

قسائی: گوشت فروش

قطعۂ خط: خط کا ٹکڑا

قلزم: دریا

قلع وقمع: اکھاڑ پچھاڑ، توڑ پھوڑ، مسمار کرنا

قلیاں: حقہ

قمار بازی: جوا

قواعد: سپاہیوں کی ورزش

قہرِ درویش بجانِ درویش: غریب کا غصہ اپنے ہی اوپر اُترتا ہے۔

(ک)

کاٹ: لکڑی

کاردان: واقف کار، تجربے کار

کاشف: کھولنے والا، ظاہر کرنے والا

کاوا: گھوڑے کو سدھانے کے لیے ایک مقررہ دائرے میں اس کو چکر یا پھیرے دینا۔

کاہن: غیب کی باتیں بتانے والا

کباب کرنا: سوختہ کرنا، بھوننا

کبک: چکور

کپی: تانبے یا پیتل کا ظرف جس میں بارود رکھتے ہیں۔

کتخدا: (کدخدا) شادی شدہ

کثیف: میلا، گندا، گدلا، لطیف کی ضد

کثیف پوش: گندا لباس پہننے والا

کریہ المیت: بری ہیئت والا

کسالت: کاہل ہونا، سستی

کشتی: ایک مستطیل تختہ لکڑی کا جس کے چاروں طرف چار لکڑیاں مثل گگر کے جڑی ہوتی ہیں تاکہ جو شے اس میں رکھی جائے وہ گر نہ پڑے۔

کشور کشائی: بادشاہت

کل: مشین، پرزہ

کل امر مرہون باوقاتہا: ہر کام کا وقت مقرر ہے

کلمۃ الخیر: نیک بات، نیک صلاح

کما ینبغی: حسبِ اطمینان، بخوبی، جیسا کہ چاہیے (اکرام)

کمخواب: ایک عمدہ ریشمی کپڑا

کمیت: سیاہی مائل سرخ رنگ کا گھوڑا

کمیس: قمیص

کنجڑیاں: سبزی فروخت کرنے والی عورتیں

کنکریلی: کنکر ملی ہوئی، کرکری

www.taemeernews.com

کنگرہ: کسی چیز کی بلندی کا سرا، بلند ترین مقام
کنّی کاٹنا: کترانا
کوتاہ اندیش: کم عقل، کم فہم
کوتوالی چبوترے: وہ مقام جہاں مختلف قسم کے نزاعات پیش ہوا کرتے تھے
کوچ: ایک قسم کا پلنگ، ایک قسم کی کرسی جس پر کئی آدمی بیٹھ سکتے ہیں اور ایک آدمی لیٹ سکتا ہے، صوفہ
کوچوان: گھوڑا گاڑی چلانے والا
کوچۂ ضلالت: گمراہی کی گلی
کوڑی: ایک قسم کا چھوٹا سنکھ جو خرید و فروخت میں ادنیٰ سکّے کا کام دیتا تھا
کوکا: بجانا، باجوں کا سُر ملانا
کوہِ بے ستوں: ایران کا وہ مشہور پہاڑ جس کی وادی میں خسرو پرویز کا محل تھا اور فرہاد سے اسی پہاڑ کو کاٹ کر شیریں کے لیے دودھ کی نہر نکالنے کے لیے کہا گیا تھا۔ یہ پہاڑ ہمدان اور حلوان کے درمیان ہے۔
کھجڑے: گودی، بندرگاہ (متروک) حوالہ: ہندی شبد ساگر پرچارنی سبھا، بنارس

(گ)

گڈھی: چھوٹا قلعہ
گرز: ایک ہتھیار کا نام جو اوپر سے گول موٹا اور نیچے سے پتلا ہوتا ہے اور دشمن کے سر پر مارنے میں کام آتا ہے
گُل: لیمپ وغیرہ کی بتّی کے جلے ہوئے سرے پر جما ہوا کاجل
گماشتہ: کارندہ ایجنٹ، وہ ملازم جس کے سپرد لین دین اور تجارت سے متعلق کوئی خاص کام دیا گیا ہو۔
گوسالہ: گائے کا ایک سال کا بچہ، بچھڑا
گون: بیلوں پر لادنے کی بوری، جو دو رخی ہوتی ہے۔ دونوں طرف منہ ہوتا ہے اور دونوں طرف سے منہ بند کیا جاتا ہے۔

(ل)

لاطائل: بے فائدہ، لاحاصل
لاکن: لیکن
لاکھ: درختوں کا گوند جسے زمانۂ قدیم سے خطوں وغیرہ کو سیل کرنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے (نور)
لاابالی: لاابالی (اصل) میں پروا نہیں کرتا، بے پروا، بیباک
لجاجت: خوشامد، منّت، سماجت
لحظہ: پل، لمحہ
لذّات: لذّت کی جمع، مزہ، ذائقہ، سواد
لطائف الحیل: طرح طرح کے حیلے بہانے جو دوسروں کو ناگوار گزرتے ہوں۔
لمبر: نمبر
لنبی: لمبی
لنج: لنجا، وہ شخص جس کے ہاتھ کی انگلیاں ٹیڑھی ہوں، جس کی وجہ سے اس کے پنجے سے کوئی کام نہ ہو سکے۔
لنگوٹی غرقی: نیچے پہننے والی لنگوٹی
لہو ولعب: کھیل کود، تفریح کے کام، سیر تماشا
لئیق: یہ لفظ عربی نہیں ہے، لائق سے بگاڑ کر بنا لیا ہے فصحا اس جگہ لائق بولتے ہیں۔ لائق: قابل، قابلیت رکھنے والا، موزوں، زیبا

298 www.taemeernews.com

ماندگی: تھکاوٹ، خستگی

مانع: اسم: منع کرنے والا، روکنے والا، فعل: مزاحم ہونا، معترض ہونا، روکنا

ماہی پشت: قبہ دار، گنبدی، محدب

مبرور: گناہوں سے بری کیا گیا، جنتی، مرحوم و مغفور

متحیر: حیرت زدہ، ہکا بکا

متردد: فکرمند، متفکر، مضطرب، پریشان

متصدی: پیشکار، دفتری، حساب کتاب رکھنے والا، منیم، گماشتہ

متضمن: شامل، مشتمل

متکفل: ضامن، کفیل، ذمہ دار

متلاشی: تلاش کرنے والا، ڈھونڈنے والا

متنبہ: ہوشیار، چوکس

متوسل: وسیلہ ڈھونڈنے والا، نزدیکی ڈھونڈنے والا

مُجدّد: تجدید کرنے والا، پرانے کو نیا کرنے، ایجاد کرنے والا

محافظت: حفاظت، پاسبانی، رکھوالی

محروسہ: نگہبانی کیا گیا، ماتحت کیا گیا

محصول: ٹیکس

محظوظ: خوش، خرم، مگن، شادمانی، باغ باغ

محنت شائقہ: سخت محنت، دشوار کام

مخفی: پوشیدہ، چھپا ہوا

مدتہا: زمانہ دراز سے

مدوّر: گول، دائرہ نما

مردِ خودنما: مغرور شخص، متکبر

مردک: حقیر آدمی، کلمۂ حقارت جو گالی کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

مرضی مولی از ہمہ اولی: ہر ایک امر میں خدا کی رضا پر راضی رہنا چاہیے (انسان بے بس ہے)

مرفہ الحال: خوش حال، دولت مند

مژدۂ طرب افزا: خوش خبری

مساس: ہاتھ سے ملنا، جماع کرنا

مستثنیٰ: الگ کیا گیا، چنا گیا

مستفسر: استفسار کرنے والا، پوچھنے والا

مستحکم بنیان: پائدار، مضبوط، سخت

مسدود: رکا ہوا

مستول: بادبان

مشبک: جس میں باریک سوراخ ہوں

مَشک: پانی بھرنے کی کھال، چھاگل، وہ بکری کی سلی ہوئی کھال جس میں سقے پانی بھرتے ہیں۔

مشکیزہ: چھوٹی مشک

مشعل چیں: مشعل جلانے والا

مصالح: عمارت کے ضروریات جیسے چونا اور لکڑی اور اینٹ وغیرہ، چونے گارے وغیرہ کا آمیزہ جو عمارت بنانے کے کام آتا ہے۔

مضرت: ضرر، نقصان پہنچانا

مطلّا: سونے کا ملمع کیا ہوا، سونے کا پانی چڑھا ہوا

مطلع: طلوع ہونے کی جگہ

معتمد: جس پر بھروسہ کیا جائے، اعتماد کیا جائے

معطوف: پھیرا گیا، لپٹا ہوا

www.taemeernews.com

مفاصلہ: باہمی فرق، بُعد، دوری، مسافت

مفسدہ: جھگڑا، فساد

مفقود: غائب، کھویا ہوا

مقتدیٰ: امام، پیشوا، رہنما

مقدور: طاقت، مجال، شکتی،

مقدمہ: مسئلہ، واقعہ، فریاد، دعویٰ

مقید: قید کیا گیا، اسیر، قیدی

مقیش: سونے چاندی کے تاروں کا بُنا ہوا کپڑا، زری

ملازمت: ملاقات، حاضر باشی

ملایمت: نرمی، نزاکت

ملتفت: توجہ کرنے والا

منزل: اترنے کی جگہ، ٹھہرنے کی جگہ، پڑاؤ

منعمِ حقیقی: نعمت دینے والا، مرادِ خدا

منفعت: نفع، سود، فائدہ

منکر نکیر: وہ دو فرشتے جو قبر میں مردوں سے سوال کرتے ہیں

مواخذہ: جواب دہ، ذمہ دار

مواضع: گاؤں

موانع: رکاوٹیں

موذی: ایذا دینے والا

موہن بھوگ: پرساد

مونگا: مرجاں، حجرالبحر، ایک قسم کا درخت جو سمندر میں پیدا ہوتا ہے اور بنات وسنگ کے درمیان خیال کیا جاتا ہے۔ لہٰذا لوگ اس کی مالا بناتے ہیں اور نو رتنوں میں سے ایک رتن مانتے ہیں۔

مہاپرش: دھرماتما، بھگت، مہاتما، ولی، مقدس

مہتاب: ایک قسم کی آتش بازی جس کے روشن کرنے سے چاندنی سی پھیل جاتی ہے۔

میل کوچ: ڈاک گاڑی

میمنت لزوم: برکت یا سعادت لازم ہونا

میمنت مانوس: جانی پہچانی سعادت

(ن)

ناپیدا کنار: جس کا کنارہ نظر نہ آئے، بہت بڑا

ناخدا: کشتی چلانے والا، ملاح، جہاز کا معلم

ناعاقبت بیں: بات کا انجام نہ سوچنے والا، کوتہ اندیش

نامدار: مشہور، نامی، نامور

نجار: بڑھئی

نحافت: لاغری، دبلاپن

نصائح: نصیحت کی جمع، پند، سیکھ، بھلے کی بات

نفسانیت: خودغرضی، غرور، نخوت

نقرہ: چاندی

نگراں: دیکھنے والا، پاسبان، محافظ

نمود: ظاہر ہوا

ننگ وناموس: لحاظ وشرم، عزت وحرمت، عصمت وعفت

نوچی: بازاری عورتوں کی لونڈی یا بیٹی جس سے وہ کسب کمواکر کھاتی ہیں۔

نودسالہ: نوے سال کا، بہت بوڑھا

نوشت وخواند: لکھنا پڑھنا، لکھا پڑھی

نوشتہ مہری: لکھا ہوا، قلمی، مہر لگی ہوئی دستاویز

نہج: طریق، طور، ڈھنگ

300 www.taemeernews.com

(و)

والاشان: بڑی شان والا

واماندہ: پس ماندہ، باقی اور قائم رہا ہوا، عاجز

وحید: یگانہ، تنہا، اکیلا

وگرنہیں: اور اگر نہیں

وضع: انداز، طور، طریق، روش

وضیع: ادنیٰ، کمینہ

وضیع وشریف: اچھے بُرے، اعلیٰ ادنیٰ، شریف اور کمینے لوگ

ولایت: آباد ملک، دیس، اقلیم، مملکِ غیر، ایک بادشاہ کی حکومت، بادشاہت

وو: وہ کی جمع، وے

وین: وائن

(ہ)

ہتکھنڈا: چالاکی، ہاتھ کا کرتب، فریب کو سمجھ نہ پانا

ہٹ: ضد

ہراس: خوف، ڈر، ہول

ہرچہ بر خود نہ پسندی بدیگرے مپسند: جو کچھ تمہیں اپنے لیے پسند نہ ہو اسے دوسروں کے لیے بھی پسند نہ کرو۔

ہر ملکے وہر رسمے: ہر جگہ کا چلن جدا ہوتا ہے۔

ہریسہ: ایک طرح کی حلیم، جو گیہوں کے آٹے، گوشت کی یخنی اور دودھ سے پکایا جاتا ہے۔

ہفت اقلیم: سات ولایتیں، پرانی تقسیم کے مطابق دنیا کو سات حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر حصہ اقلیم تھا۔ ہفت اقلیم سے مراد ہوتی ہے ساری دنیا

ہمتا: برابر، مثل، نظیر

ہنڈولا: جھولا، گہوارا

ہویدا: ظاہر، آشکارا، روشن

ہیکل: وہ بت جو کسی سیارے کے نام پر بنایا جائے، بت خانہ

(ی)

یاوری: مدد، دستگیری، سہارا

یغما: مالِ غنیمت، لوٹ کا مال

یکتائے آفاق: ساری دنیا میں بے نظیر، نرالا